WWW.PAKSOCIETY.COM
اِک چراغ روشن ہے
سعدیہ عزیز آفریدی

اسے پتہ نہیں یہ احساس کب ہوا کہ وہ جو چاہے کرسکتی ہے وہ یعنی کافیہ سجاد جو سارے گھر میں دوستوں میں ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے جیسی زندگی گزارتی آئی تھی۔

"تم اور صحافت ناممکن۔" سلمیٰ عمار نے جب اس کا ارادہ سنا تھا ہنسے ہی جا رہی تھی۔

"سنو لڑکی تم سب کچھ کرسکتی ہو مگر باہر نکل کر نوکری شوکری کرنا تمہارے بس کا روگ نہیں۔"

"کیوں میں کیوں نہیں کرسکتی نوکری؟" وہ تن کر اس کے سامنے آ بیٹھی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

سامنے کی بات ہے تمہارا مزاج ہے ہی نہیں جاب والا تمہیں کسی کی اتنی سی بات برداشت نہیں ہوتی اور نوکری کے لیے مشہور ہے نوکری کی تے نخرہ کی، دوسری بات تم میں یقین کی کمی ہے کروں یا نہ کروں کے اتنے چکر لیتی ہو کہ فیصلے کو بھی چکرا دیتی ہو بات بات میں ڈبل مائنڈڈ ہو جاتی ہو وہ چاہے چائے پینے کا معاملہ ہو یا کھانا دینے کا۔ تیسری وجہ میل پرسن سے دوبدو گفتگو میں تمہارے پسینے چھوٹ جاتے ہیں تمہیں لگتا ہے ہر مرد بس باہر تمہیں ہی کھانے کے لیے دوڑ رہا ہے خود اعتمادی نام کو نہیں ہے، تم اس برتے پر چلی ہو باہر نوکری کرنے۔"

"میں یہ کرسکتی ہوں وہ ایک دور تھا جو گزرا اور اب یہ دور ہے میرے دل نے مجھ سے کہا ہے تم ایسا کرسکتی ہو تم جو سوچتی ہو وہ تم چاہو تو کر بھی سکتی ہو۔" وہ سلمیٰ عمار کا لیکچر رد کرتی آگے بڑھ گئی تھی مگر ایک مہینے میں ہی وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"ناممکن، نوکری کرنا بہت مشکل ہے کراچی میں ۸۵ فیصد مرد لگتا ہے نوکری سے زیادہ فلرٹیشن کے لیے نکلتے ہیں گھر سے، سڑک کراس کرنے سے لے کر بس کے سفر تک سب کچھ کسی ہارر موی کا منظر نامہ لگتا ہے۔"

وہ تھک کر صوفے پر آن گری تھی اور سلمیٰ عمار نے اپنے لیکچر کی اثر آفرینی پر خود کو داد دی تھی۔

”میں پہلے ہی کہتی تھی تم کچھ نہیں کر سکتیں تم صرف ایک گھر سنبھال سکتی ہو صرف گھر۔“

”ہاں شاید میں صرف ایک گھر ہی سنبھال سکتی ہوں۔“ اس نے برملا اعتراف کیا اور گھر چلی آئی گھر میں پرسکون ماحول کے ساتھ امی، دونوں بہنوں اور بڑی بھابی نے اس کا استقبال کیا مگر اسے لگتا تھا کچھ مس ہوگیا ہے۔

”خیریت تو ہے گھر میں غیر معمولی خاموشی کیوں ہے۔“

”تمہارے بھیا کمپنی کی طرف سے دیے گئے ٹور سے واپس آ گئے ہیں۔“ بھابی نے اطلاع دی اور امی کی چبھتی ہوئی نگاہ بھابی کے آر پار ہونے لگی۔

”بھیا تو پہلے بھی آئے گئے تھے مگر یہ سب کچھ غیر معمولی نہیں ہے۔“

وہ بھابی کو نظر انداز کر کے امی کی طرف جھک گئی اور عالی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”بجو کمرے میں چلو سب بتاتی ہوں۔“ وہ کچھ نا سمجھنے والے انداز میں اس کے ساتھ کمرے میں چلی آئی۔

”اب بتا بھی چکو کیا سسپنس پھیلا رکھا ہے۔“ وہ بیڈ پر گر گئی تھی تھکن حد سے زیادہ جو تھی۔

”وہ بھیا امی کو ڈانٹ رہے تھے کہ انہوں نے آپ کو نوکری کی اجازت کیوں دی۔“

”ہیں مگر بھیا ہی تو کہتے تھے ہمارے گھر کی سربراہ امی ہیں وہ جس کے معاملے میں جو فیصلہ کرنا چاہیں کر سکتی ہیں۔“ وہ سیدھی ہو بیٹھی اور عالیہ قریب ہو بیٹھی۔

”بظاہر بھیا نے یہی کہا تھا مگر ان کا غصہ بتاتا ہے وہ صرف ایک خوش کن اعلان تھا جیسے مفتوح رعایا کے لیے حاکم وقت صرف مشہوری کے لیے عدل و انصاف رعایا سے رواداری کے طور پر سب کے سامنے بلند بانگ کہتا ضرور ہے مگر ان باتوں کا کوئی مطلب ہوتا نہیں ہے۔“

”لیکن بھیا کو آخر اعتراض ہوا کیوں؟“ وہ بور ہو کر پوچھنے لگی تب ہی شازیہ اندر آ گئی۔

”بھیا نے تمہیں یاد کیا ہے۔“

”ارے آخر اتنی اہمیت یہ ”جناب“ کر بھیا مجھے کب سے یاد کرنے لگے۔“ اس نے بکھرے بالوں کو کلپ کیا اور اٹھی ہی تھی کہ شازیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”بھیا جو بھی کہیں بجو آپ خاموش رہیے گا۔“

”آخر معاملہ اتنا گمبھیر کیوں ہو گیا ہے۔“

”ساحرہ بھابھی کو جانتی ہیں پھر بھی یہ سوال رہ جاتا ہے۔“ وہ سر ہلا کر ان کے کمرے کی طرف بڑھی اندر داخل بھی نہیں ہوئی تھی کہ بھیا کی چنگھاڑتی آواز سنائی دی۔

”آخر اسے کس بات کی تنگی ہے پاکٹ منی کم لگتی ہے تو مجھ سے کہتی یہ کیا جتانے کے لیے گھر سے نکل کھڑے ہوئے گزارا نہیں ہوتا، آپ کو نہیں پتا ساحرہ کے گھر والوں نے اس نوکری کا کتنا برا منایا ہے۔“

”یہ میری نوکری اور بھابھی کے گھر والوں کا برا منانا۔“ وہ حیرت میں آن کھڑی ہوئی تب ہی امی کی لرزتی آواز سنائی دی۔

”کافیہ کی نوکری پر ساحرہ کے گھر والوں کا برا ماننا تو قطعی نامناسب ہے۔“

”آخر کیوں نامناسب ہے میں نے بتایا نہیں تھا آپ کو عذیر کے سلسلے میں ساحرہ کی امی کافیہ کے معاملے میں انٹرسٹڈ ہیں۔“

”مگر بیٹا تم نے یہ بات مجھے پہلے کبھی نہیں بتائی۔“

امی کو شوہر کے جانے کا بھی شاید اتنا دکھ نا ہوا ہوگا جتنا حیدر سجاد کی اس بات کا ہوا تھا۔ شوہر کے مرنے کا دکھ دل کے ساتھ تھا بار بار ٹیس دے کر احساس دلاتا تھا کہ وہ زندہ ہیں مگر بیٹے کے اس بالا بالا فیصلے نے انہیں جتایا تھا کہ وہ زندہ ہوتے ہوئے بھی شاید مر چکی ہیں۔

”حیدر مجھے تم سے ایسی تو توقع نہیں تھی تم اتنے اہم معاملے میں مجھ سے مشورہ لینا بھی ضروری نہیں سمجھو گے۔“

”امی آپ تو بس معاملے کی نزاکت ہی نہیں سمجھتیں حالانکہ اس وقت آپ کو کافیہ کو ڈانٹنا چاہیے تھا لیکن آپ الٹا مجھے ہی سنا رہی ہیں۔“ امی کو لگا ایک کے بعد ایک حق ہاتھ سے نکلتا چلا گیا ہے سجاد حماد کو گزرے تین برس ہوئے تھے مگر انہیں لگا تھا آج ہی آج سجاد حماد نے آخری سانس بھری تھی وعدے پھیلے رہ گئے تھے اور عمر تھوڑی ہو کر مٹھی میں سمٹ آئی تھی جلتی بلتی ریت کی طرح آنچ دیتی ہوئی زندگی نے گھبرا کر مٹھی کھول دی تھی اور سب کچھ خاک میں مل کر خاک ہو گیا تھا امی خاموش کھڑی تھیں وہ بھی خاموش کھڑی تھی تب ہی بھیا نے اس سے پوچھا تھا۔

”تمہاری کوئی پسند تو نہیں ہے کافیہ۔“

اسے لگا وہ بھری دنیا میں اکیلی کھڑی ہے اور کسی نے اس کا آنچل کھینچ لیا ہے اس نے تیز رفتاری سے سر ڈھانکے رکھنے کی کوشش کی تھی مگر بے سروسامانی اور بے بسی نے حلق میں پھندا ڈال دیا تھا۔

”بھائی نے تم سے کچھ پوچھا ہے کافیہ جواب دو۔“

ساحرہ بھابھی کی تحکمانہ آواز پر وہ چپ کی چپ رہ گئی۔

”ہم نے تمہارے لیے عذیر حامد کو پسند کیا ہے تمہیں کوئی اعتراض ہے۔“

اعتراض تھا بھی تو کہیں دل کے اندر دم توڑ گیا تھا۔

”تم بہت سیدھی سی ہو اس لیے ہر شخص تم پر حاکم رہتا ہے تم رشتوں کے کھونے سے ڈرتی ہو حالانکہ رشتے طمع لالچ ریٹرن کی خواہش میں نہیں ملتے' یہ صرف رواداریاں ہیں جو خون کے رشتوں میں گھل مل کر ہماری مجبوری بن جاتی ہیں ہم خود کو نہیں بھولنا چاہتے۔ اس لیے رشتوں کو بھلانا افورڈ نہیں کر سکتے۔ مگر یہ رشتے وقت کے ساتھ ساتھ ہمیں بھلا دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے ہم سے نہیں ہماری محنت کارکردگی اور مٹ جانے کی خواہش سے طاقت لی تھی حاکم وہاں ہوتا ہے جہاں محکوم رہنے کی تاریخ ہوتی ہے ورثے میں اور تمہارے انڈر بلڈ کمپوزیشن میں سب سے زیادہ یہی عنصر غالب ہے تم کام کر ہی نہیں سکتیں۔ جب تک تمہیں ہانکنے والا کوئی ماسٹر نہ ہو۔“ ملیحہ آفریدی اس کے اندر کہیں بول رہی تھی۔ یونیورسٹی کا شور اندر گونج رہا تھا وہ ان باتوں پر پہلے کتنا چڑ جایا کرتی تھی۔

”ہونہہ گھر سے باغی' رشتوں سے متنفر لڑکی سب کو نفرت کا زہر پلاتی رہتی ہے جیسے کسی اور سیارے کا جذبہ ہو۔“ مگر آج زندگی کتنا تلخ جام ہو گئی تھی وہ کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل آئی تھی۔

”مجھے عذیر سے کوئی رشتہ نہیں جوڑنا۔“

یہ اس کا فیصلہ تھا جسے آن کی آن میں اسلام آباد عباس سجاد اور مسز عباس تک پہنچا دیا گیا تھا۔

”یہ لڑکی آخر خود کو سمجھتی کیا ہے۔ امی کہہ دیجیے اسے اگر ہمارے طور طریقوں پر چلنا ہوگا اپنے دماغ سے سوچنا یا ہماری مرضی کے خلاف کرنا ہماری ریت نہیں۔“ عباس سجاد کا فون آیا اور وہ کمرے میں گونجتی

آواز سے اپنے رشتے کی حقیقت اور محبت ناپتی رہی مگر مان تو بہت چھوٹا ہو کر قدموں میں گر گیا تھا اتنا چھوٹا ہو کر کہ اس نے خود اس پر پیر رکھ دیا تھا بہت سی چیخیں بلند ہوئی تھیں دل کہیں اندر آخری بار پھڑپھڑایا بھی تھا مگر اس نے خود کو پرسہ دے دیا تھا پھر پلٹ کر خود سے کیا پوچھتی کہ یہ جو سانس آ جا رہی ہے یہ زندگی ہے یا محض زندگی کا دھوکا۔ وہ جانتی تھی وہ اس سوال کا جواب نہیں دے پائے گی اور اگر اس بات پر دل ناداں نے حسرت سے اسے باندھ لیا تو وہ آگے کا سفر کیونکر کر پائے گی، قدم راستے ناپتے اور سفر بھوگتے ہوئے اب تھک سے گئے تھے سو وہ اسی حسرت ناکی پر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر گئی تھی۔

شازیہ اور عالیہ ساحرہ کے کزنز سے منسوب تھیں۔ یہ رشتہ پاپا نے کیا تھا مگر آج اسے اس رشتے نے کتنی بری طرح سے مار دیا تھا۔

رشتے کس قدر ضروری ہوتے ہیں انسان سوچتا ہے دنیا میں جینے کے لیے اسے رشتوں ناتوں کا سہارا چاہیے اس کے بغیر وہ اپنی بقاء کی جنگ نہیں لڑ سکتا مگر وہ نہیں جانتا کبھی کبھی یہ رشتے کیسے اپنا عادی بنا کر اپنے سہارے کی بیساکھی چھین کر منہ کے بل گرا دیتے ہیں رشتے جلتی ہوئی لکڑی کی طرح ہوتے ہیں دور ہوں تو سلگ سلگ کر دھواں دیتے رہتے ہیں قریب ہوں تو لو دے کر جل اٹھتے ہیں اپنے ہونے کے اخراج میں زندگیاں بھینٹ لے لیتے ہیں اور کبھی آسودہ نہیں ہوتے ہر سانس کے لیے اسے نئی زندگی اور اپنی زندگی کے دوام کے لیے کہانیوں کے چٹخارے چاہیے ہوتے ہیں اور بس اس وقت وہ آن دی اسٹیج تھی۔ اس نے سرنڈر کر کے سر تکیے پر ڈال دیا تھا مگر شازیہ کی فون کال پر سلمیٰ عمار دوڑی ہوئی آئی تھی۔

وہ کمرے میں اپنے رائٹنگ ٹیبل پر پھیلے صفحوں پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی جب وہ اس کے سر پر پہنچی وہ نہایت پرسکون تھی مگر سلمیٰ عمار ایک آتش فشاں تھی جو کسی بھی جملے سے بلاسٹ ہو سکتی تھی۔ مگر سامنے والا ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا اس لیے وہ اس کے سامنے آن بیٹھی تھی۔

''کافیہ سجاد تم میری بات سن رہی ہو۔'' یہ پہلا جملہ تھا یہ جاننے کے لیے کہ وہ جو بظاہر چپ بیٹھی ہے اندر سے کیا سوچ رہی ہے مگر اس نے سلمیٰ عمار اور اپنے گرد خاموشی کی ایسی اسموک اسکرین پھیلا رکھی تھی کہ دور دور تک دھند اور ناقابل فہم سرد خاموشی کے کسی احساس کو چھو نہیں جا سکتا تھا۔

''کیا تمہیں لگتا ہے کافیہ تم نے عذیر کے لیے ہاں کر کے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔''

''نہیں میرا ایسا کوئی خیال نہیں ہے۔'' فوراً اس کی بات رد کر دی تو اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر رسان سے بولی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے اس فیصلے سے تم نے اپنے گھر کی کوئی بقاء کی جنگ جیت لی ہے۔''

''نہیں میں نے اپنی بقاء کی جنگ ہار دی ہے سلمیٰ اب میرا دل نہیں چاہتا جینے کو بس اس لیے میں نے سوچا اگر میرے دل کی موت سے میرے گھر کی خوشیاں دائم رہ سکتی ہیں تو یہ سودا مہنگا نہیں۔''

''تمہارے دل کی موت؟ کیا تمہیں کسی سے محبت ہے۔''

اس نے ایک ساعت دیکھا پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''میں نے محبت کا یہ خانہ ہمیشہ اپنے جیون ساتھی کے لیے خالی رکھا ہے میں ہر ایک سے محبت کر لینے والی لڑکی نہیں محبت میں تم مجھے مشکل لڑکی سمجھ سکتی ہو۔''

''پھر......'' چھوٹا سا پھر ایک بڑا سوال تھا وہ مسکرانے لگی۔

''میں نے ستائیس سال اپنے گھر والوں کی مرضی کے مطابق گزارے سو مجھے لگتا تھا اب اگر میں

چاہوں تو ایک اپنی مرضی کا فیصلہ کر سکتی ہوں اس لیے میں نے نوکری کا قدم اٹھایا مگر اس پر جس طرح کا رد عمل آیا مجھے جس طرح کے ٹریبونل پریڈ سے گزارا گیا اور جو فیصلہ صادر کیا گیا اس پر مجھے لگا میں نے یہاں بس زندگی برباد کر دی ہے یہاں کسی ایک دل کو بھی تو میں اپنی محبت سے نرم نہیں کر سکی پھر میں نے سوچا کیا ضروری ہے میں جو اتنے برس سے کسی کا دل اپنے لیے موم نہ کر سکی تو آگے میں یہ معرکہ سر کر لوں گی بس پھر میں نے خود سے محبت کو رخصت کر دیا۔ میں نے کہا جاؤ تم وہاں جاؤ جہاں تمہاری ضرورت اور تمہاری قدر ہو پھر محبت خود سے بدر کی تو مجھے لگا میں اب زندہ نہیں ہوں میرا دل اندر سے مر گیا تھا سلمیٰ عمار سو میں نے سوچا مردہ چیز کو پھر کسی کے آگے بھی بھینٹ دیں مجھے کیا فرق پڑنے والا ہے۔''

سلمیٰ عمار کا سانس رکنے لگا تھا وہ کتنے آرام سے اپنے نہ ہونے کا ماتم کر رہی تھی اس کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی تھی شاید آنسو بہہ بھی رہے تھے تب اس نے اسے کھینچ کر خود سے قریب کر لیا تھا پھر بہت آہستگی سے پکاری تھی۔

''پیاری درد صرف ایک بار ہوتا ہے وہ ذات کے ٹوٹنے کا دکھ ہو، بھرم کھونے کا غم ہو یا مر جانے کا ماتم ہو بس ایک بار لگتا ہے دل کی رگیں ٹوٹ جائیں گی پھر رفتہ رفتہ دکھ عادت بن جائیں ناں تو ٹیس اٹھنے پر بھی دل چونکتا نہیں ہے تمہیں جو غم آج بہت بڑا لگ رہا ہے کچھ سال بعد تمہیں یہ غم چھوٹے سے دکھ کی طرح بھی یاد نہ ہوگا اور میرا چہرہ...... اسے تو تمہیں کوشش کے باوجود یاد کرنے میں دقت ہوگی پھر رفتہ رفتہ یہ وقت بھی دور ہو جائے گی اور تم مجھے بھول جاؤ گی۔ مکمل غائب سمجھو سو اتنے سے دکھ کے لیے ہراساں ہونے کا کیا مطلب چیئر اپ یار......'' اس نے اس کے بال بگاڑ دیئے اور وہ بت بنی اسے دیکھتی رہی۔

''خوش ہو یار میری شادی ہو رہی ہے بھئی شادی کا مطلب ہے خوشی۔'' وہ ہنسنے لگی اور اس کی آنکھ میں خوشی رونے لگی۔

''تمہیں تو ڈھنگ سے ہنسنا بھی نہیں آتا آنکھ روتی ہے اور خود تم......'' اس نے اسے کھینچ کر لپٹا لیا اور ہنسنے کی خواہش میں ہچکیوں سے رونے لگی۔

☆......☆......☆

دو ماہ بعد ہی دھوم دھام سے اس کی رخصتی ہو رہی تھی ماں نے خوب دعائیں بھر بھر اس پر نچھاور کیں مگر وہ پھر بھی چلچلاتی دھوپ میں کھڑی کر دی گئی۔ کچھ دعائیں دنیا کے لیے نہیں ہوتیں۔ انہیں آخرت میں اجر کے لیے رہنے دیا جاتا ہے اور بس اس اجر سے اس کا دامن بھرا ہوا تھا۔ زندگی خالی تھی اور وہ اٹھتے بیٹھتے اس سے پوچھا کرتا تھا۔

''تمہیں انکار کیوں تھا مجھ سے شادی پر سچ بتاؤ یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے کوئی پسند تو نہیں آ گیا تھا۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھے جاتی کہتی کچھ بھی نہیں ہاں اس کا صبر اس کا دامن تھامے رکھتا۔

''تم بولتی کیوں نہیں ہو، میں نے تو سنا ہے تم بہت اچھا بولتی تھیں اور بہت اچھا سوچتی تھیں مگر یہاں آ کر تو لگتا ہے تم کچھ بھی نہیں ہو۔''

''تم کچھ بھی نہیں ہو۔'' کا فقرہ کتنی دیر تک دل کو کاٹتا رہا مگر وہ دل کو جیسے بھول ہی گئی تھی اس لیے اپنے ہونے کا کوئی معرکہ نہیں لڑا اور خاموشی سے ماں کی خدمت میں جتی رہی پھر چار سال بعد اچانک اسے پھر زندگی کی ہمک پیدا ہوئی تھی۔ بیگم راشدہ ممتاز نے اسے اپنے چھوٹے دیور کی تقریب اسناد میں

دیکھ کر حیرت سے پوچھا تھا۔

''کافیہ سجاد تم...... مجھے یقین نہیں آتا کہ میں تم سے مل رہی ہوں۔''

''کیا واقعی ظاہر وجود سے مل کر آپ کہہ سکتے ہیں آپ اس شخص سے مل لیے کبھی کبھی تو اندر کے انسان سے ملنے کی حسرت میں زندگی گزر جاتی ہے اور...... اور شناسائی کی کوئی سبیل پیدا نہیں ہوتی۔ خود مجھے اپنے آپ سے ملے ہوئے عرصہ گزر گیا۔''

''تم لڑکی...... تم ابھی تک ایسے ہی ہو خاموش غائب حاضر کے چکر میں پھنسی ہوئی۔ پہلے بھی لگتا تھا تمہارے اندر اتنا کچھ ہے اتنے لفظ کہانیاں کہ تم بولتے بولتے کہیں اندر کے تھل میں اتر جاتی ہو خود اپنے اندر کو سننے لگتی ہو تب ہی بولنا بھول جاتی ہو۔''

وہ اسے تھام کر اپنی ٹیبل پر لے گئی تھیں پھر کولڈ ڈرنک کا گلاس تھماتے ہوئے پکاریں۔

''سناؤ تم آج کل بھی کچھ لکھ رہی ہو یا نہیں کبھی کہیں کچھ چھپنے کے لیے دیا یا یونیورسٹی کی طرح آج بھی اپنے خیالات و افکار سینت سینت کر رکھتی آ رہی ہو۔'' اس نے نظر بھر کر انہیں دیکھا اور دل نے آہ بھری۔

''جو افکار و خیالات میری اپنی زندگی میں کوئی بدلاؤ نہیں لا سکے پھر میں کیسے اسے کسی پلیٹ فارم پر لے جا کر کہتی یہ نیا خیال ہے اسے دیکھو اپناؤ اس میں زندگی کی حرارت ہے میں کیسے کہتی میرے لفظ بہت کچھ بدل سکتے ہیں یہ میرا اندر نہیں بدل سکے تو پھر بے معنی اسٹرگل کرنا حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں۔''

''تم کچھ ڈسٹرب لگ رہی ہو اچھا چلو تمہاری کچھ پسند کی باتیں کرتے ہیں یہ بتاؤ شادی وادی کی تم نے یا ابھی تک کسی آئیڈیل کی تلاش میں ہو۔''

وہ ہنسنے لگی بے ساختہ پھر آہستگی سے بولی۔

''آپ کو یہ کب لگا میں آئیڈیل پرست قسم کی لڑکی ہوں۔''

''سیدھی سی بات ہے لکھنے والے لوگ حرفوں کی چوائس ان کی بنت میں کانشس ہوتے ہیں، فیلنگ ان کے لیے ایک نیا تجربہ ہوتی ہے، ہر بار ایک نیا تجربہ، انہیں پھول خوشبو چند البھاتا ہے تو حسن بھی خیرہ کرتا ہے، ان کی الگ دنیا ہوتی ہے الگ امیجز ہوتے ہیں جو لوگ یا چہرے ہمیں پسند ہوتے ہیں وہ ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور وہ کچھ بالکل اچھوتے بندے کا انتظار کرتے ہیں، جس میں حسن خوبصورتی نشست و برخاست میں تال میل کا ہونا اشد ضروری ہوتا ہے اس لیے میں نے سمجھا شاید تم بھی۔''

''نو میم میں ایسا کچھ نہیں سوچتی اس وقت بھی نہیں سوچا کرتی تھی جب لڑکیوں کو خوبصورتی محبت اور یونیک امیجز پسند ہوتے ہیں، دراصل میرے اندر کچھ بہت مختلف روح تھی میم مجھے انسان کے چھوٹے چھوٹے عمل پسند تھے، خیال رکھنے محبت کرنے والے لوگ اچھے لگتے تھے۔ خوبصورتی رویوں میں پسند تھی، چہروں میں نہیں شادی بھائیوں نے کر دی تو بس ہو گئی، عذیر حسان ہیں میرے شوہر وہ ایک بہت اچھے بزنس مین ہیں۔''

''کیا وہ تمہارا دل نہیں چھو سکا جو تم کہتیں وہ ایک اچھا انسان ہے۔'' وہ نہایت زیرک تھیں، بظاہر مکمل جملے سے ادھوری تنقید کھینچ نکالی اور وہ ہنسنے لگی۔

''میم آپ بہت سمجھتی ہیں میرا دل، کاش ہم دونوں سہیلی قسم کے بندھن میں بندھے ہوتے تو

بہتیری باتوں کے دکھ ایک دوسرے میں بانٹ لیتے۔''

''کافیہ کیا واقعی آج تک تمہیں کوئی دل دوست قسم کا انسان نہیں ملا۔'' اس نے انہیں چور نظروں سے دیکھا اور ماضی میں ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ جانے کی خواہش میں سسکتے دوستانے اور کچھ اپنی مرضی سے چھوڑ دینے کے عہد رفتہ کو خود میں خود کو دہراتے پایا۔

''کچھ لوگ میرے ساتھ نہیں چل سکے اور کچھ لوگوں سے میں نے خود دامن چھڑا لیا مجھے وہ اتنے عزیز ہو گئے تھے کہ مجھے لگتا تھا مجھ پر ان کی محبتوں کا صرف یہ حق ہے کہ انہیں اپنے دل کی جھوٹی ہنسی ضرور دوں مگر اپنے دل کا دکھ دے کر انہیں آزردہ نہ کروں ہوتے ہیں نا میم ایسے لوگ جن کو پا کر دیکھ کر قریب محسوس کر کے لگتا ہے بس زندگی ان کی خواشی کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' بیگم راشدہ ممتاز اسے دیکھتی رہیں، پھر ہولے سے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولیں۔

''تم ایک تخلیق کار ہو، ایک سچی ایماندار تخلیق کار تمہارے اندر کوئی برائی ہے تو صرف مروت کے بے جا اصرار کی، لوگ دل کی بات دل سے نہ کہنے والوں کو منافق کہتے ہیں، مگر تم منافقت سے ہٹ کر سامنے والے کے دل کا خیال کر کے چپ رہتی ہو، اس لیے تمہیں میں مروت میں فضول خرچ سمجھنے کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتی کافیہ سجاد تم جو زندگی گزار رہی ہو درحقیقت تم اس کے لیے نہیں بنی ہو، تمہیں کوئی اپنے دل کے جیسا کام کرنا چاہیے جو تمہیں اندر سے مطمئن کر دے دراصل تمہارے اندر کی بے اطمینانی ہی ہے جو تمہاری شخصیت کو مسخ کیے جا رہی ہے تم وہ زندگی گزار رہی ہو جو تمہارے اندر کی زندگی سے بالکل مخالف سمت رکھتی ہے، کافیہ تم جینا سیکھو بیٹا میں یونیورسٹی میں تمہیں جب بھی کسی پروگرام کی مینجمنٹ کرتے دیکھتی تھی تو مجھے لگتا تھا تمہیں کسی بہت اعلیٰ مقام پر ہونا ہے ہر لمحہ تمہارا زینہ بنتا چلا جا رہا ہے اور وقت تمہاری مٹھی میں ہے، زینہ زینہ کامیابی تمہاری ہمرکاب اور قدم تمہاری منزل مگر تم نے اپنے آپ کو گنوا دیا۔ کافیہ اگر تم مجھے اپنا سمجھو تو کل شام مجھ سے ملنا۔''

''جی بہت اچھا میم میں ضرور ملوں گی۔'' اس نے وعدہ کر لیا تھا مگر پتا نہیں پھر اس کی زندگی بہت مصروف ہو گئی تھی یا وہ مصروفیت کے دھوکے میں خود سے بھاگی پھر رہی تھی۔

''آخر تمہیں کیا کمی ہے گھر میں جو تم گھر سے باہر جانا چاہتی ہو، تمہیں معلوم ہے مجھے تمہارا شادی سے پہلے کام کرنا پسند نہیں تھا تو پھر اب کیسے اجازت دے دوں۔'' وہ سامنے کھڑی تھی آج اس نے خود کو سانس لینے کی مہلت دی تھی، تبھی ایک حق اندر کہیں گونج بن کر اٹھا تھا اور سارے گھر میں پھیل گیا تھا، لیکن عذیر حسان ابھی تک پہلے لمحے کی طرح بے لچک تھا۔

ہمارے عکس میں ہوتی جو زخم دل کی جھلک
ہم آئینے کو بھی اپنی طرح رلا دیتے

عذیر حسان کا عکس دھندلا ہونے لگا تھا یا شاید اس کی آنکھوں کی طغیانی بڑھ گئی تھی۔

''تم عورتوں کو رونے کے علاوہ کوئی کام ہے جہاں دلیل نہیں چلتی وہاں آنسوؤں کا پٹارہ کھل جاتا ہے۔ تار بندھ جاتا ہے رو رو کر سامنے والے کو ایموشنل کر کے اپنی بات منوانے کی فکر میں لگ جاتی ہو مگر کافیہ سجاد میں عذیر حسان ہوں میں نے تم سے شادی صرف ساحرہ آپی کے گھر ٹوٹنے سے بچانے کے لیے کی تھی۔'' وہ حیران اسے دیکھے گئی اور وہ مزید بولنے لگا۔

''مجھے پتا چلا تھا تمہارے بھیا اپنے کالج کے زمانے کی کسی دوست سے بہت زیادہ ملنے لگے ہیں

پہلے یہ خبر تھی مگر پھر میں نے خود نہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سوچا کہ اگر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا تو ساحرہ آپی کا گھر دولخت ہو جائے گا سو میں نے بہت اچانک تم سے شادی کا شوشا چھوڑا ساحرہ آپی نے مخالفت کی انہیں تمہارا چال چلن پسند نہیں تھا، مگر جب میں نے انہیں تمہارے کردار کا اس زندگی کی کہانی میں مقام بتادیا تو وہ میری اسکیم سے متفق ہو گئیں، انہوں نے نامحسوس انداز میں میرے لیے کنوینسنگ کی تمہارے بھیا ابھی پوری طرح ان سے فرنٹ نہیں ہوئے تھے یا شاید پرانی محبت کو وہ اپنی زندگی کے ساتھ لے چلنے کے روادار نہیں تھے یا وہ ایک خانہ رکھنا چاہتے تھے جو تنہائی میں ان کا دل برماتا رہتا، کسی مرد کی مردانگی کی سرخوشی کے لئے یہ بہت کافی ہے کہ کوئی لڑکی اس کو پوری توانائی کے ساتھ چاہتی ہے، اس کے لیے اپنا آپ تیاگ چکی ہے اور حاصل میں صرف تھوڑی سی تمنا اور بہت تھوڑی سی چاہت کی بھیک چاہتی ہے، یہ بہت بڑی انجوائے فل فیلنگ ہوتی ہے میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔''

ان کہی میں ایک کہا ہوا دکھ دے کر وہ بہت مطمئن تھا، من چاہے لگن میں ان چاہا جیون کیسے خاک ہو جاتا ہے وہ جان رہی تھی، اس کی ریاضت کہاں انعام کی طرح لٹائی جا رہی تھی، اس کے من کی محبت سے یہ شخص توانائی لیتا تھا اور اس توانائی کو کتنی بے پروائی سے کسی اور پر خرچ کر ڈالتا تھا اسے بھرے ہاتھوں سے دیتے دیتے خالی ہاتھ رہ جانے والا جیون دیکھنا تک یاد نہیں تھا۔

وہ سوچ رہی تھی اور وہ کہے جا رہا تھا۔

''بس پھر ہماری خوب گاڑھی چھننے لگی حیدر بھائی میرے معترف ہو گئے یوں فیصلہ آسان ہو گیا یہ تو پھر ان پر بعد میں کہیں جا کر کھلا تھا کہ وہ بری طرح پھنس گئے تھے۔ کیونکہ اب ساحرہ آپی تمہارے نام پر تمہارے بھائی کو بلیک میل کر کے ان سے ایک ایک لمحے کی فضول خرچی پر باز پرس کر سکتی تھیں۔ رہیں تم تو تم شازیہ اور عالیہ کے لیے بلیک میل ہو رہی تھیں، کیوں کہ وہ بھی میرے ہی چچا زاد ہیں، تمہارا اٹھایا ہوا غلط قدم ان کی زندگی برباد کر سکتا ہے اس لیے تمہیں ہر وقت اپنے افعال پر چیک رکھنا چاہیے۔ تم جانتی تھیں تمہارا کوئی بھی غلط قدم صرف تمہارے لیے برائی نہیں لائے گا، بلکہ اس کا اثر تمہاری پوری فیملی پر پڑے گا کیا سمجھیں۔

سنو یہ فلسفہ جس سے مستعار لیا تھا، ساج سیوا کا یہ اسی کو واپس کر آؤ کہنا مجھے یعنی تمہارے شوہر کو استعمال شدہ چیز، فلسفہ یا زندگی گزارنے کا طریقہ کبھی پسند نہیں آتا تم وہ ہی کرو گی جو میں چاہوں گا۔

اور میں کیا چاہتا ہوں تم جانتی ہو، تمہیں اس گھر کی چہار دیواری میں قید کر کے رکھنے کا من ہے میرا تاکہ سب سکھ میں رہیں۔''

وہ خاموش کی خاموش بیٹھی رہ گئی، مگر ایک ہفتے بعد وہ پھر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''مما جان بھی تو سوشل ورک کرتی ہیں، پھر اس میں کیا برائی ہے کہ وہی کام اگر میں کرنا چاہوں۔''

اس نے فائل دیکھتے دیکھتے گھور کے اسے دیکھا کمرے میں ٹیبل لیمپ ضرور جل رہا تھا، مگر کمرے میں حدت اور تپش اس کی دودھیا روشنی کی نہیں عذیر حسان کی آنکھوں کی تھی اس کے مزاج کی تھی، کافیہ کو لگا اس کے پیر جلنے لگے ہیں اور سر پر چھت کی جگہ سورج آن رکا ہے مگر وہ پھر بھی اپنے مؤقف پر جمی ہوئی تھی۔

''تمہیں کیا لگتا ہے چار سال بعد تم نے کوئی سیندھ لگالی ہے میرے اندر، مجھے کہیں اندر سے فتح کرلیا ہے، سنو تم میرے ساتھ رہتی ضرور ہو مگر افسوس تم مجھے جیت نہیں سکی ہو، تم ابھی تک پہلے قدم پر کھڑی

ہو مجھ تک آنے کے ہر راستے میں عیشاء کھڑی ہے اس نے مجھے تم سے پہلے سے جیتا ہے تمہیں پتا ہے وہ میرے بیٹے کی ماں ہے۔'' کافیہ کو لگا سورج ریزہ ریزہ ہو کر اس کی روح میں چبھتا چلا جا رہا تھا ہر کرچی کے ساتھ روح میں آبلہ پڑ گیا تھا، اس نے اس خواہش پر ہمیشہ کہا تھا، وہ اولاد نہیں چاہتا مگر آج اس پر کھلا تھا کہ وہ صرف اس سے اولاد نہیں چاہتا وہ اپنی نسل میں اس کی ذات کا پیوند نہیں لگنے دینا چاہتا، وہ اس سے کتنی نفرت کرتا ہے کہ اس کو اس خوشی کا اہل نہیں سمجھتا، مگر پھر چار سال سے وہ کس رشتے تعلق کو نبھاتی آرہی تھی۔

''تم صرف حیدر سجاد کی اس غلطی کی سزا ہو جو اس نے اپنی دوست عائشہ کے ساتھ تعلق استوار کر کے کی تھی۔ میں ہر لمحہ جب تمہیں ٹھکراتا ہوں مجھے لگتا ہے میں نے ساحرہ آپی کے حق میں ہونے والے دھوکے کا کچھ حصہ حیدر سجاد کی طرف اچھال دیا ہے تم ہر حق سے میری رہو گی، کافیہ سجاد مگر میں تمہارے لیے نہیں ہوں مجھے تم سے محبت نہیں ہے نہ کبھی ہمیں تھی۔''

وہ اسے دیکھتی رہی تین برس کا اس کا بیٹا کیسا ہوگا چار سال سے اس نے کیسے کیسے نقش اپنے خیالات میں بنائے بگاڑے تھے، کتنے اس نے نام سوچے تھے اس وجود کے جو عیشاء کی گود میں ہمک رہا تھا کھیل رہا تھا، اس کی نظروں کے سامنے ایسے کہ وہ جب چاہے اسے چھو سکتی تھی، پیار کر سکتی تھی اور اس کے اندر ممتا کے سارے نقش جیسے تحریر آب تھے وہ پتا نہیں رونا چاہتی تھی یا ٹوٹ کر بکھر جانے کی تمنا رکھتی تھی، اسے کچھ ٹھیک سے پتا نہیں چل رہا تھا کیسا ہوگا عذیر حسان کا بیٹا کیا بالکل عذیر جیسا یا عیشاء جیسا یا صرف میری حسرت و تمنا جیسا، اس نے سامنے ہتھیلیاں پھیلالیں یہاں کوئی خواب نہیں لکھا تھا زندگی کی لکیر بالکل بنجر تھی، کچھ لوگوں کے پاس محبتیں خوشیاں کتنی زیادہ ہوتی ہیں بس زندگی مختصر ہوتی ہے، اور کچھ لوگوں کے پاس ہجر نارسائی آنسو دکھ کے سوا کچھ نہیں ہوتا، مگر ان کی زندگی طویل سے طویل تر کر دی جاتی ہے، وہ جو ایک لمحے میں ایک ہزار برس کی تھکن رکھتے ہیں، انہیں ایک ہزار برس جینے کی بددعا دے ڈالتی ہے زندگی، اور زندگی کے آگے کوئی آواز بلند نہیں کر پاتا۔

اس کا دم گھٹنے لگا تھا وہ اٹھ کر باہر ٹیرس پر آگئی تھی، مگر وہ معصوم قلقاری کہیں اندر چیخ بنی حسرت نا تمام کے پیچھے بھاگے چلی جا رہی تھی سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا تو جینا دشوار تر مگر عمر پھیلی ہو ہزار کوس تو سفر کرنا کیسا لگتا ہے۔

اس نے اپنے پاؤں دیکھے نرم ملائم سے تھے جن سے گلابی پن جھانک رہا تھا مگر اندر سے لگتا تھا پاؤں آبلے بن گئے تھے۔

''کس سفر کے لیے نکلے تھے یہ ہم کہاں آ پہنچے۔'' سوال بنی نظر اس سے پوچھ رہی تھی بار بار ''بتا تو سہی کس سفر میں دن گنوا لیے تو نے۔''

''پتا نہیں کہاں رائیگاں گئی، پتا نہیں زندوں کو رائیگاں جانے کا دکھ زیادہ ہوتا ہے یا مردوں کو یا جو آدھے زندہ یا آدھے مردہ ہوں، ان کو اپنے نہ ہونے کا دکھ سوا ہوتا ہے۔'' وہ سوچے چلی جا رہی تھی مگر سوچ کی کہیں کوئی تھاہ نہیں تھی وہ تھک کر کمرے میں واپس پلٹ آئی راکنگ چیئر پر جھولنے لگی، سامنے رائٹنگ ٹیبل پر صفحے بکھرے پڑے تھے تب پہلی بار اس نے قلم اٹھایا تھا۔ لفظوں نے بنت کی اور کہانی نے کہنا سیکھا۔

کبھی کبھی کہانی جھوٹی ہوتی ہے کردار سچے ہوتے ہیں، کبھی کبھی کوئی کردار جھوٹا ہوتا ہے اور کہانی

سچی ہوتی ہے، ٹیس دیتی ہے اگر تو بس آدھی سچی آدھی جھوٹی کہانی، امتیاز علی تاج نے جب انارکلی کا کردار لکھا تھا تو سچی کہانی میں گلیمر پیدا کرنے کی معصوم سی کوشش کی تھی، ڈرامے کے المیہ نگاری میں جھوٹے دکھ سے تاثر باندھا تھا مگر وہ نہیں جانتے تھے آگے کے دور میں یہی انارکلی بار بار دیوار میں چنوائی جائے گی وہ جھوٹا کردار منتر پڑھ کر سچا ہو جائے گا پھر جھوٹی کہانیاں اس کا سچ پی جائیں گی اور نیا جنم لے کر سچ جیسی لگنے لگیں گی وہ کردار المیہ نگاری کا تاثر باندھتے باندھتے خود کہیں کھو جائے گا، لوگوں کو صرف دکھ یاد رہے گا، کس نے جھیلا یہ بھول جایا کرے گا۔ سو وہ بھی آج یہ بھول جانا چاہتی تھی، یہ دکھ کس نے جھیلا۔

وہ لکھے جا رہی تھی، بہت روانی سے آپ بہت خوش ہوں تو صرف اچھا لکھتے ہیں، دکھی ہوں تو بہت زیادہ اچھا لکھتے ہیں دکھ آپ کے اندر لفظوں کی آبیاری کرتا ہے، آپ کے لفظوں کو بولنا سکھاتا ہے، دم سادھے لوگوں کے دلوں میں تاثر کی طرح زینہ زینہ اترنا سکھاتا ہے کوئی دل دکھ سے خالی نہیں اس لیے اپنے غم سے ملتا جلتا غم غیر کے گم بچے کی طرح اپنا لگتا ہے وہ بھی اپنے غم سے کسی اور کے دل کا ملتا جلتا غم تراش رہی تھی، پتا نہیں کتنا وقت گزرا پتا ہی نہیں چلا، چونکی تو ٹیلی فون کی بیل بج رہی تھی، دستک دروازے پر ہو یا ٹیلی فون پر احساس ہوتا ہے، اس میں شہر میں آپ کو کوئی پہچانتا ہے رانگ کال اور غلط دستک صرف آپ میں زندہ رہنے کے لیے تحریک ہوتی ہیں، انہیں منزل سمجھنے کی حماقت نہیں کرنا چاہیے، آپ متحرک ہوں گے تبھی کسی اپنے کے لیے دروازہ کھول سکیں گے، کسی ایسے اپنے کے لیے جس نے شاید آپ سے بھی زیادہ آپ کا انتظار کیا ہوگا، ہر ایک آواز پر متحرک ہو جانے سے سماعت ہو یا بصارت بہت جلد کھنڈر ویران ہو جاتی ہیں، کیونکہ بن بلائے مہمان کرائے دار کی طرح ہوتے ہیں، ان کے دل میں آپ کی چیزوں کے استعمال کے وقت صرف سہولت سے فائدہ اٹھانا یاد رہتا ہے وہ آپ کی طرح ان کی پروا نہیں کرتے۔

''بیگم صاحبہ فون کتنی دیر سے بج رہا ہے۔'' ملازمہ نے اسے پکارا وہ کارڈلیس لیے کھڑی تھی، شاید اس نے ہولڈ کروایا تھا، اس نے چونک کر اسے دیکھا اور یک بارگی سوچا تنہائی خاموشی نے اس کے اندر باتوں کے کتنے ڈھیر لگا دیے ہیں وہ بولتی کم ہے اور کتنا زیادہ سنتی رہتی ہے۔

کارڈلیس لے کر اس نے سلسلہ کلام جوڑا اور بے ساختہ سوچا فون کرنے والا بہت ہی مستقل مزاج تھا ورنہ تھک کر کہیں اور نمبر ملا کر بات کر لیتا۔

''فرمائیے آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔''

''سنو یہ کالم مس زریں کے پاس لے جاؤ میں بعد میں تم سے بات کرتا ہوں۔'' جواب بالکل غیر متوقع تھا۔

''ہیلو کیا آپ نے اسی نمبر پر فون کیا ہے مسٹر۔''

''افوہ سوری مس کافیہ دراصل آپ نے جب سے ہولڈ کروایا ہے میں سمجھا میں ابھی تک ہولڈ پر ہوں اور سنائیے کیسی ہیں آپ......؟'' اتنا اپنائیت بھرا لہجہ سن کر وہ حیران ہوئی۔

''کیا میں آپ کو جانتی ہوں جناب۔''

''نہیں ہم ایک دوسرے سے پہلی بار بات کر رہے ہیں لیکن امید ہے ہم اکثر ملا کریں گے، مجھے شہر یار مرشد کہتے ہیں، میں ایک سوشل میگزین ''سماج'' کا ایڈیٹر ہوں، مجھے بیگم راشدہ ممتاز نے آپ کا نمبر دیا تھا ان کا خیال تھا جس طرح کے ورکر کی مجھے ضرورت ہے وہ آپ ہی ہیں۔''

بیک وقت اس کی صلاحیتوں اور قابلیت پر اتنا یقین وہ چپ رہی تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے، عذیر حسان کی گفتگو ابھی بالکل تازہ واقعے کی طرح زندہ تھی اور روح میں تلخ ذائقے کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔

''میں میم کی شکر گزار ہوں مگر شہر یار صاحب میں نوکری نہیں کر سکتی۔''

''ارے یعنی آپ بھی عام خاتون خانہ کی طرح مصروف ہو گئی ہیں اوہو یہ تو مسئلہ ہو گیا، دراصل بیگم راشدہ ممتاز میری ممی کی دوست ہیں، انہوں نے آپ کی یونیورسٹی کے زمانے کے میگزین مجھے دیئے تھے، آپ کی نظامت سے میں بہت متاثر ہوا تھا، مجھے یقین ہو گیا تھا کہ آپ میرے ساتھ کام کرنے کے لیے بالکل پرفیکٹ ہیں، صحافت کی ڈگری بھی ہے آپ کے پاس سو میں نے سوچا ایک اچھے دماغ کو صرف کچن کی نذر نہیں ہونا چاہیے، لیکن مس کافیہ شوہر اور بچے میرے خیال میں آپ کی پہلی ذمہ داری ہیں، میں قدر کرتا ہوں آپ کی، مجھے قابلیت کے باوجود گھر سے محبت کرنے والی خواتین بے حد پسند ہیں۔ چلیے آپ سے پھر بات ہوگی، آپ ویسے میرا نمبر لکھ لیجیے، موبائل نمبر بھی رکھ لیں، کبھی فرصت ملے تو میرے میگزین کا چکر ضرور لگایئے گا مجھے آپ سے مل کر یقیناً خوشی ہوگی۔''

''آپ کو اتنا یقین کیوں ہے کہ آپ کو مجھ سے مل کر خوشی ہوگی۔'' وہ ہنسی اور وہ شاید مسکرانے لگا تھا تو بولا۔

''یہ میری جو راشدہ آنٹی ہیں نا یہ بہت کم کسی سے متاثر ہوتی ہیں، آپ کی معترف ہیں تو یقیناً آپ میں کوئی بات ہوگی۔''

اس کی بے سبب ہنسی چھوٹ گئی، پتا نہیں بے وجہ خوش ہونے کو دل کیوں چاہنے لگا تھا، مگر ابھی خواہش ادھوری تھی کہ کسی نے ریسیور چھین لیا۔

''یہ کیا بکواس ہے میں کتنی دیر سے فون کر رہا ہوں، مگر یہاں فون ہی اتنا مصروف رہتا ہے، الامان آخر کون ہے یہ جس سے تم روز باتیں کرتی ہو۔'' تفتیش بھرا انداز تھا، کچھ سیکنڈ کی گفتگو ہر روز پر محیط ہو گئی تھی، ایک شخص ایک اجنبی شخص کیسے اس کے لیے الزام کر دیا گیا تھا وہ آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی، اور وہ پھر سے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں ذرا شرم نہیں ہے کافیہ سجاد میں نے تمہیں اگر گھر میں بسا ہی لیا ہے تو میری عزت کا تو پاس رکھو، مجھے پتا ہے مردوں سے گفتگو کرنا تمہارا محبوب مشغلہ ہے مگر مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔''

''وہ میرے ٹیلنٹ کو سراہ رہے تھے۔''

''ٹیلنٹ اور تم میں؟ ایک چھوٹا سا گھر تو سنبھالا نہیں جاتا پھر کس ٹیلنٹ کی بات کر رہی ہو تم۔'' وہ چار برس چھ ماہ سے اس گھر کے اندر ہی تو کہیں کھو گئی تھی، مگر عذیر حسان کو وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی تھی، نہ کسی خوبصورت پینٹنگ کے سلیکشن میں نہ ڈرائنگ روم کی زیبائش میں نہ گھر کی آرائش میں وہ تو اسے کہیں نظر ہی نہیں آتی تھی، کچھ لوگوں کی دور نظر کمزور ہوتی ہے، کچھ کی قریب کی اور کچھ کے دونوں زاویے کمزور رہتے ہیں، ایسے میں پھر کیا گماں ٹھہرے کہ جو نظر اس لمحے چہرے پر آ کر رکی ہے وہ واقعی اسے ہی دیکھ رہی ہے یا اس کے چہرے کو بیس بنا کر کسی اور کے خدوخال دوہرا رہی ہے۔

''تم ایک بے وقوف عورت ہو، ہمیشہ آنکھیں پھاڑے یونہی دیکھتی رہنا تمہارے پاس کسی بات کا جواب نہیں ہوتا، پتا نہیں تم ماضی میں کیا لکھا کرتی تھیں، جس کی دھوم تھی۔''

لکھے ہوئے تو شاید اسے عرصہ گزر گیا تھا اور دیکھنے سے زیادہ تو اسے اس پر حیرت ہوتی تھی تک کیا ہے جسے دیکھ رہی ہے کیا اس دنیا میں دیکھنے جیسی سننے جیسی کوئی بات بھی ہے۔ مگر بقول شاعر

گر تماشا لگا تو دیکھیں گے
دیکھنا بھی اک تماشا ہے

کے مصداق وہ دیکھنے میں ہی خود اپنا تماشا دیکھا کرتی تھی اور یہ شخص ہر روز اس کے اندر سے خامیاں ڈھونڈ کے لاتا تھا تاکہ اس کی ذات کو اس پر منکشف کر کے کہہ سکے کیا ہے تم میں جو تم جیتی نہیں یہ واہمہ ہے کہ تم زندہ ہو اور موت تمہارے دل کے بستر پر سو رہی ہے، تمنا پر موت نے شکنجہ کسا ہے اور دل کے اندر جینے کی امید پر موت ہنستی ہے، روز ہاتھ پکڑ کر دروازہ دل سے باہر نکالتی ہنستی تالیاں پیٹتی ہے اور پھر خود ہی تھک کر رات گئے ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیتی ہے کہ تماشا گر کو تماشا تو دل بہلانے کو کوئی سبب تو درکار ہی ہوتا ہے تو یوں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ان کے درمیان مہر و محبت اور مروت نہیں تھی، مروت جو دو اجنبیوں کے درمیان بھی جنم لے لیتی ہے کو ایک دوسرے کے لیے قابلِ قبول بنا لیتی ہے، مگر ان کے بیچ صرف ہجر اٹکا تھا، نارسائی کے کو تھے، اس نے بھی محبت نہیں کی تھی، مگر جیون ساتھی میں اس نے محبت کو سینچا تھا تو دل کے پھول پر ملال اور افسوس کے آنسو آن جمے تھے جو محبت نے بہائے تھے، مگر اس شخص کو اس بات کی کب پروا
''میں کہتی ہوں چھوڑ دو اس کی پروا کرنا تم کیوں نہیں سمجھ رہیں یہ شخص تمہاری محبت کے قابل نہیں۔''

وہ دوسرے دن سلمٰی عمار کے سامنے بیٹھی تھی اور وہ نئے سرے سے اس کی اوور ہالنگ کر رہی تھی
''تمہیں پتا نہیں کیوں لگتا ہے تم اس شخص کو جیت لوگی، اس شخص کو جو اپنا دل اور جیون پہلے کی جیت پر پورا کا پورا وار چکا ہے۔ ویسے مجھے تو اس سے بھی اختلاف ہے کہ وہ عیشاء سے واقعی محبت کرتا ہے یا صرف ٹائم پاس کرتا ہے۔''
''پاگل ہوگئی ہو کوئی ٹائم پاسنگ کے لیے اتنی بڑی ذمہ داری مول نہیں لیتا۔'' اس نے حمایت کی اور یہ خاموشی اس کی عادت بن گئی تھی۔
''ذمہ داری، کیا ویسی ہی ذمہ داری جیسے وہ تمہاری ذمہ داری اٹھا رہا ہے۔'' طنزیہ لہجے میں کہا وہ موڈ آف کر گئی سلمٰی عمار اسے دیکھتی رہی پھر اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔
''پاگل لڑکی کب تک خود کو مشقِ ستم کے لیے سامنے رکھو گی، تم خود کو جینے کا ایک چانس کیوں نہیں دیتیں دیکھو عذیر تمہاری اس جاب پر زیادہ سے زیادہ کیا قدم اٹھائے گا۔ سوچو کیا وہ تمہیں طلاق دے گا۔ اگر اس کا جواب ہاں میں ملتا ہے تو تم سوچو تمہارے اس فیصلے پر کیا کیا چھینا جائے گا اولاد نے تمہیں کبھی اس قابل نہیں سمجھا کہ وہ تمہیں یہ شرف بخشے، تمہارا یہ خانہ خالی ہے، رہی تمہاری خو محبت تو یار اس محبت نے تمہیں صرف دکھ اور تنہائی کے سوا کچھ نہیں دیا، فیئر اور مخلص، وہاں رہا جاتا ہے اگلے بندے کو آپ کی پروا ہو اگر تم آج مر جاؤ تو وہ کل عیشاء کو گھر لے آئے گا تم صرف اس کے کارڈ ہو جسے وہ عالیہ شازیہ اور حیدر کے لیے استعمال کرتا ہے، پھر تم سوچو حیدر سجاد کو تمہاری کتنی پروا ان چار سالوں میں کبھی تم سے مان بھرم سے ملنے آئے جواب آئے گا نہیں وہ صرف بیوی کے

طور پر آتے تھے اور تم پر ایک نگاہ غلط بھی ڈالنا ضروری نہیں خیال کرتے تھے، رہا ان کا لوافیئر تو یہ مرد ذات ہے بی بی وہ ساحرہ کے خوف یا عذیر کے ڈر سے کبھی اپنی محبت سے دستبردار نہیں ہوئے ہوں گے، ذہانت ہمیشہ ایسی محبتوں کے پروان چڑھانے کے لیے چور راستے کھولے رکھتی ہے، بھائی کا گھر بگڑنے کے کس ڈر سے تم سہمی ہوئی اپنی جان گھلا رہی ہو، اس بھائی کو تمہاری پروا ہے نہ وہ تمہارے گھر کو بسائے رکھنے کے لیے خاموش محنت یا محبت دے رہے ہیں، ان کے لیے تم ایک اجنبی کی طرح ہو ہاں بس تمہاری ولدیت اور ان کی ولدیت ایک جیسی ہے، اس میں نیا پن کیا، رہا عالیہ اور شازیہ کا معاملہ تو وہ تم سے زیادہ زیرک نکلیں، انہوں نے تمہاری طرح دینا اور صرف دینا نہیں اپنایا انہوں نے کچھ لو اور دو کے فارمولے پر عمل کیا اور اب اپنے گھر اور شوہر کے دل میں جگہ بنا چکی ہیں دونوں اپنی سسرال سے دور شوہروں کے ساتھ ان کی نوکری کی وجہ سے اپنے الگ گھروں میں آباد ہیں، اس لیے عذیر کا یہ ڈراوا بھی بے بنیاد ہے کہ تم بھی اپنے ہونے کا کچھ پاس کرو، اگر پھر بھی وہ تمہاری راہ میں آتا ہے تو اس سے ڈٹ کر سوال کرو، اس نے تمہیں کیا دیا ہے، جس کے بل پر تم اس کا کوئی حق مانو، ضرورت پڑے تو اس کی اس خفیہ شادی کو اسی طرح کارڈ کے طور پر استعمال کرو اگر وہ ڈھٹائی سے اس معاملے کو اوپن کر ہی دے تو تمہارے بھائی اور بہنوں کے لیے خود بخود عذیر حسان پر حرف گیر ہونے کا سامان پیدا ہو جاتا ہے، ویسی مجھے اس کی امید کم ہے کیونکہ سب اپنی اپنی دنیاؤں اور زندگی میں خوش ہیں، ہاں بس اگر کسی کو ڈراؤنے خواب ڈراتے ہیں تو وہ صرف تم ہو، سو اپنی زندگی کے راستے کو ٹھیک کرو تاکہ کسی منزل تک پہنچ سکو......'' وہ تجزیہ کرتی سوچ متعین کرتی، سلمٰی عمار کو دیکھے گئی، یہ لڑکی اس کے کتنے قریب تھی، مگر وہ ہمیشہ اس سے کتراتی تھی، وہ کال کرتی تو بہت کم بات کرتی کہ عذیر کو یہ پسند نہیں تھا، ملنے آتی تو سارا وقت اس ڈر سے آہستہ آہستہ باتیں کرتی کہ کہیں عذیر حسان چیختا چلاتا اپنے اصل رویے کے ساتھ اس کے سامنے نہ آ جائے، مان بھرم کبھی اس کے پاس نہیں تھا، مگر وہ بس جھوٹ موٹ اس مان بھرم کو قائم رکھنے میں ہلکان ہوتی رہتی تھی، اسے عالیہ اور شازیہ کی باتیں اب یاد آ رہی تھیں، وہ بھی تو سلمٰی عمار کی طرح ہمیشہ اس کی کلاس لیتی تھیں، ان کا بھی خیال تھا وہ زندگی کو ساتھ لے کر چل رہی ہے نہ زندگی کے ساتھ چل رہی ہے، بس زندگی کے پیچھے کسی تیز رفتار کار کے پیچھے دوڑنے والے چھوٹے کی طرح دوڑ رہی ہے، ایک لمحہ ایک نظر کی بھیک مانگ رہی ہے۔ حق نہ ملے زندگی میں تو ہاتھ خود بخود بھیک کے لیے پھیل جاتا ہے، اس نے اپنی محبت کتنی محدود کر لی تھی، اس نے سوچ لیا تھا کہ اس کا دل مردہ ہے، مگر کیا سوچ لینے سے دل مردہ ہو جاتا ہے، خواہ اس نے خود سے کہا تھا کہ عذیر حسان سے شادی کے وقت دل سے محبت بدر کر دی تھی، کیونکہ وہاں اس کی ضرورت تھی نہ قدر مگر کیا واقعی اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

کیا اس نے خود سے ہی جھوٹ نہیں بولا تھا کیا نکاح کے ساتھ ہی اس نے اپنے دل کو نئے انداز سے دھڑکتے نہیں محسوس کیا تھا، کیا وہ جو کچھ برداشت کر رہی تھی وہ صرف رواداری میں برداشت کر رہی تھی، نہیں وہ اب تک دل کی محبت کو مختلف جھوٹ کی خوب صورت پیکنگ سے چھپاتی آئی تھی، مگر کھانسی کے شربت میں اگر زہر ڈال دیا جائے تو کیا اس سے آپ کی کھانسی دور ہو سکتی ہے یا...... محبت کو اس نے کتنے ہی بھیس بدلوائے برآمد تو محبت ہی ہوئی تھی، ہاں بس اس کی اثر آفرینی میں وہ ٹل رہی تھی، محبت سب کچھ بدل سکتی ہے یہ سچ ہے لیکن اگر ایک شخص دل کا دروازہ بند کر کے نہ ماننے کی قسم کھا لے تو پھر محبت کیونکر اندر داخل ہوگی، محبت اور دل کا بہت بڑا تال میل ہے۔

دل کا دروازہ ہمیشہ اندر سے کھلتا ہے پھر کوئی اندر سے دروازہ بند کر کے چابی گم کر بیٹھے تو کیا پھر بھی محبت پر دستک دیتے رہنے کا ہنر آزمانا چاہیے۔

آج پہلی بار دل سوال بن کر کھڑا تھا اور وہ سہمی ہوئی اس سوال کے سامنے جامد تھی۔

اس دل پر سب کا حق ہے مگر خود اپنا حق آج تک اس نے تسلیم ہی نہیں کیا تھا پھر جو شخص اپنا حق ادا نہ کر سکے تو کیا وہ دوسروں کے حق بہتر طور پر ادا کر سکتا ہے؟

''کیا سوچ رہی ہو کیا میری باتوں سے ہرٹ ہوئی ہو......'' سلمیٰ عمار کو یہی لگا سو اس نے اسے کھینچ کر خود سے لپٹا لیا اور بس وہ...... وہ تو اس لمحے ریت کی دیوار تھی، دھڑام سے اس کے بازوؤں میں بکھر گئی تھی، پھر تڑپ تڑپ کے رونا نہیں چاہتی تھی، مگر آسمان زمین ایک کر کے خوب روئی تھی پتا نہیں آج کیا کیا چھین لیا گیا تھا اس سے شاید پورا کا پورا عذیر حسان...... ؟ لیکن وہ اس کا ہوا ہی کب تھا وہ تو عیشاء کا تھا، عیشاء اس کے بیٹے کی ماں تھی وہ کیا تھی خالی بنجر زمین؟

اس نے خود کو گنوا کر کیا کیا گنوائے رکھا تھا وہ اپنے جیون سے کس قدر جیون سنوار سکتی تھی، مگر وہ بس ایک عذیر حسان کے نام پر اٹکی رہی تھی۔

''زندگی خدا کی نعمت ہے اور نعمت ہمیشہ بانٹ کر استعمال کرنے سے تسکین دیتی ہے جو دوسروں کو خوشی بن کر ملے، خوشی خود اس کا پتا پوچھتی بہت سی دعاؤں کے ہمراہ اس کے قریب آ رکتی ہے، مٹھیاں بھر بھر کر اس پر دوسروں کی دعاؤں میں خوشی محبت لٹاتی ہے تو جیون میں قرار آ ٹھہرتا ہے، ایک نیکی سے ہزار نیکیاں جس طرح نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں، اسی طرح ایک لمحہ محبت کے بدلے ہزار محبتیں بڑھتی جاتی ہیں، محبت دینے والے کا دامن کبھی خالی نہیں رہتا، بس شرط ہے کسی ایک چہرے پر محبت کا سفر رک نہ جائے یہ ایک مسلسل عمل ہے، بے یار و مددگار لوگوں معصوم بچوں کی صورت اس محبت کا سفر جاری رکھنے ہی میں عقلمندی و جزا ہے وہ اب اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

''سلمیٰ عمار تم ٹھیک کہتی ہو، میں نے آج تک غلط روٹ کی بس کا انتظار کیا ہے، پھر منزل تک جانے کے کوس کم کیسے ہوتے......'' سلمیٰ عمار کے چہرے پر پھیلی اذیت میں کھنچاؤ کم ہوا ہونٹوں کو ہلکے سے مسکراہٹ نے چھوا۔

اور وہ اٹھ کر پہلی بار گھر آنے کی بجائے ''سماج'' کے دفتر کی سمت بڑھ گئی، پہلی بار نکلی تھی مگر یہ ایک مصروف شاہراہ پر واقع دفتر تھا، اس لیے آٹو رکشہ نے اسے بہت سرعت سے دفتر کے باہر پہنچا کر دم لیا تھا۔

سماج کا دفتر بہت معقول تھا، یہ ایک تین منزلہ عمارت تھی، وہ شہر یار مرشد کا دفتر خود ڈھونڈتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی، تب بہت غیر متوقع طور پر ایک وجیہہ شخص سے اس کا ٹکراؤ ہو گیا وہ دفتر سے نکل رہا تھا۔ اور وہ سامنے کی نیم پلیٹ پڑھنے کی کوشش میں تھی۔

''سنیے میم کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں......؟''

''کیا یہ سماج کا دفتر ہے۔''

''بالکل جناب یہ پورا دفتر سماج کا دفتر ہے تینوں فلور ہمارے ہی ہیں، ہم میگزین ہی نہیں روزانہ سماج بھی نکالتے ہیں۔'' سامنے والے نے معلومات اٹھانے کا ٹھیکہ لے رکھا تھا، اس نے نظر بھر کر اسے دیکھا گندمی رنگ سیاہ سلکی بالوں اور متناسب ذہین آنکھوں سمیت وہ ایک جاذب نظر شخصیت تھا، ہاں البتہ

ڈریسنگ میں کچھ لاپروا تھا، پرانی جینز پر ٹی شرٹ پہنے ہوئے ہونے کے باوجود توجہ کھینچتا تھا۔

''میم کیا آپ بتائیں گی آپ یہاں کس سے ملنے آئی ہیں......'' اس نے نہایت خاموشی سے جائزہ لے لینے کے بعد بلاآخر پوچھا۔

''مجھے مسٹر شہر یار مرشد سے ملنا تھا۔''

''مگر اس وقت وہ سیٹ پر نہیں ہیں، آپ کل تشریف لائیے گا ہو سکے تو اپائنٹمنٹ لے کر آئیے گا۔''

وہ بہت زیادہ روڈ ہو گیا تھا، شاید وقت کے ضائع کیے جانے پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی اپنا نام بتا کر شہر یار سے ملنے کی سبیل پیدا کرنا چاہتی تھی مگر وہ رکا نہیں تھا جواب دے کر تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا تھا وہ کتنی دیر تک سیڑھیاں دیکھتی رہی، پھر ویٹنگ روم کے صوفے پر بیٹھ گئی، سب اپنے کاموں میں مگن تھے لگتا تھا ایمرجنسی لگی ہوئی ہے، یہاں تک کہ کوریڈور سے گزرتی ایک ورکر کی نظر اس پر پڑی وہ رک کر ویٹنگ روم کی دہلیز پر آن رکی پھر رسان سے بولی۔

''میم کیا میں پوچھ سکتی ہوں آپ کو کس سے ملنا ہے؟'' اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر مدھم لہجے میں جواباً بولی۔

''جی مجھے! مجھے شہر یار مرشد سے ملنا تھا۔''

''شہر یار صاحب...... افوہ میم آپ بے حد غلط وقت پر آئی ہیں ان دنوں تو وہ کسی سے نہیں ملتے۔''

''میں سمجھی نہیں آپ کا مطلب......؟'' اس نے جملے میں دوستانہ مسکراہٹ بھی ملالی تو وہ لڑکی بھی دوستانہ مسکراہٹ سے گویا ہوئی۔

''دراصل آج پچیس تاریخ ہے اور یہ وقت ہمارے میگزین کے جانے کا وقت ہوتا ہے اور شہر یار صاحب اس معاملے میں بہت سخت ہیں، میگزین ہر صورت میں پہلی تاریخ کو مارکیٹ میں آ جانا چاہیے، اس کے لیے وہ جان لڑا دیتے ہیں، ویسے آپ مجھے بتائیے آپ ان سے کس سلسلے میں ملنا چاہتی ہیں، آپ کوئی رپورٹ لائی ہیں، کوئی ریسرچ ورک یا کوئی سروے رپورٹ یا کوئی واقعہ۔''

''میں کچھ بھی نہیں لائی آج میں صرف مرشد صاحب سے ملنے آئی تھی، میرا نام کافیہ حسان ہے، میں ایک رائٹر ہوں اور مجھے بیگم راشدہ ممتاز نے مسٹر شہر یار سے ملنے کا مشورہ دیا تھا۔''

''اوہو یہ تو بہت بڑا حوالہ ہے میں دیکھتی ہوں اگر سر سے ملنے کی سبیل پیدا ہوتی ہے تو۔'' وہ باہر نکلی پھر کوئی دروازہ کھول کر اندر جا رہا تھا، جب اس لڑکی نے ہولے سے آواز دی تھی۔ ''شہر یار صاحب آپ کی وزٹر مس کافیہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''مجھ سے، اشمل پلیز ان سے کہہ دو پھر کبھی مل لیں، آج میں بے حد مصروف......'' اس کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا، وہ مڑ کر اسے جواب ڈکٹیٹ کروا رہا تھا، مگر اشمل کی پشت سے جھانکتی کافیہ کو دیکھ کر رواداری میں ٹھہر گیا تھا، یہ شخص ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو ملا تھا، اس نے خود ہی تو کہا تھا۔ ''شہر یار صاحب اس وقت سیٹ پر نہیں ہیں۔'' مگر یہ وہ کمرہ تو نہیں ہے جہاں یہ اس وقت داخل ہونے کے لیے پر تول رہا تھا۔

''افوہ آپ؟ آپ ابھی تک یہیں بیٹھی ہیں، میں سمجھا آپ جا چکی ہوں گی۔''

''آپ نے ایسا کیوں سمجھا میں جا چکی ہوں گی۔'' یکدم اس کے اندر کی کافیہ سجاد عود کر آئی اور وہ گڑبڑا گیا۔

''دراصل مجھے محسوس ہوا ہے کہ آپ بے حد آسودہ حال ہیں، روپے میں کھیلتی ہیں، میرا میگزین آپ جیسی بیگمات کے ڈونیشن کی بیساکھی لے کر نہیں چلنا چاہتا، میں یہاں صرف سچ کی آبیاری کے لیے بیٹھا ہوں۔ میرا ایک کاز ہے میں آپ جیسی بیگمات کی ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی خواہش میں اپنے میگزین کو داؤ پر نہیں لگوا سکتا۔'' وہ خاموشی سے کھڑی تھی، اشمل نے کتنی بار منہ کھولنے کی کچھ کہنے کی کوشش کی تھی، مگر اس کی تیز رفتار زبان کے آگے وہ ہار گئی تھی۔

''مجھے آپ نے خود دفتر بلایا تھا مسٹر شہریار! میں کافیہ حسان ہوں اور آپ جانتے ہیں میں ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں ہوں جن کو اپنی شخصیت کو منوانے کے لیے یہ تھرڈ لے طریقے آزمانے پڑیں، کیونکہ ایسا وہ کرتے ہیں جن کی شخصیت میں جھول یا کمزوری ہو، میں بہر حال پرفیکٹ ہیومن نہ بھی سہی لیکن بہر حال مجھے یہ کبھی کہنا نہیں پڑا کہ میں ہوں۔ مجھے دیکھو یونو میں کام پر یقین رکھتی ہوں، جانفشانی سے کیا گیا کام اور رزلٹ اللہ پر چھوڑ دینے والے قبیلے سے تعلق ہے میرا۔''

وہ مسمرائز ہو کر اسے دیکھ رہا تھا، وہ خاموش ہو چکی تھی۔ مگر لگ رہا تھا ابھی بھی بول رہی ہو، اشمل کی آنکھوں میں بھی تحسین کے جذبات تھے ورنہ اتنے روڈ باس کے سامنے لیس کے علاوہ پچھلے پانچ سال سے وہ کچھ نہ کہہ پائی تھی اور یہ لڑکی اس نے آتے کے ساتھ ہی کھڑے کھڑے اختلافی پریس نوٹ جاری کر دیا تھا۔

''آپ کے بارے میں جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا، آئی ایم ساری مجھے آپ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی، آیئے آ کر میرے روم میں بیٹھیے۔'' وہ اسی طرح بولا تھا مگر لہجے میں استقبال تھا، ہاں یہ ضرور تھا کہ اس کا یہ استقبال بھی کھردرا اور دوٹوک تھا بے لچک بے مزا۔

وہ کمرے میں اس کے ساتھ داخل ہوئی تھی، لیکن کمرے کا نقشہ۔ سارا کمرہ سگریٹ کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا، ٹیبل پر سگریٹ کی راکھ اور کاغذوں کی کٹنگ بھری ہوئی تھی۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا اور وہ فوراً شرمندہ ہونے لگا۔

''یہاں کام ہو رہا ہے، چلیے دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔'' وہ اس دفعہ اسی کمرے میں آیا تھا جہاں سے پہلی بار برآمد ہوا تھا، یہ کمرہ پہلے کمرے سے بڑا اور سلیقے کا منہ بولتا ثبوت تھا، گلاس ٹیبل، صوفے اور ایک سائیڈ پر کمپیوٹر رکھا تھا۔

''یہ کمرہ ہمارے دفتر کا سب سے معقول کمرہ ہے، اسے آپ وزیٹنگ روم بھی کہہ سکتی ہیں، میں جب واقعی مصروف ہوتا ہوں تو یہیں پایا جاتا ہوں۔'' وہ خاموشی سے بیٹھ گئی تھی، تب اس نے مزید تکلفات میں پڑے بغیر اس سے اس دن کی بابت پوچھ ڈالا تھا اور یہ طے تھا، تکلفات نبھانا اس کے بس کا روگ نہیں تھا، کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ چند منٹ کی سلیقے کی گفتگو سے ہی اس کے جبڑے دکھنے لگے تھے چہرے پر بے زاری پھر واپس آ گئی تھی، جیسے وہ اس کے لیے خوامخواہ کی دردسری کے سوا کچھ نہیں تھی۔

''آپ شاید میرے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتیں۔'' وہ سوال کے جواب میں خاموشی سے یہی مطلب نکال سکا تب وہ معقول بہانہ ڈھونڈتے ہوئے شرمندہ نظر آنے کی کوشش کرنے لگی پھر سنبھل کر بولی۔

''وہ دراصل اچانک بے بی جاگ گیا تھا، میں ڈرائنگ روم میں تھی، اس لیے آپ سے مزید گفتگو نہیں کر سکی۔''

''افوہ چھوڑیے بچوں کے لیے تو ٹینشن رہنا پڑتا ہے اور مجھے اچھی لگتی ہیں ایسی مائیں جو اپنے بچوں کے لیے کانشس ہوں۔''

''تھینکس.....'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی اور یہ صرف وہ جانتی تھی کہ صرف اتنے سے لفظ کے لیے اس نے اپنے اندر کتنی سانسوں کو مرتے محسوس کیا تھا۔

''آپ نے ایم اے صحافت کیا ہے کوئی تجربہ.....؟'' وہ پروفیشنل انداز میں لوٹ آیا تھا اس لیے وہ بھی الرٹ ہو گئی تھی۔

''ایم اے کے فوراً بعد پاپا کا انتقال ہو گیا تھا، اس لیے ان کی سپورٹ کے نہ ہونے کی وجہ سے میں نوکری نہیں کر سکی، ہاں ایک مہینہ ضرور ایک ماہنامہ میں جاب کی تھی۔''

''آپ نے وہ جاب کیوں چھوڑی، ماحول پسند نہیں آیا تھا یا کوئی اور مسئلہ تھا، دراصل میں جاننا چاہتا ہوں، اگر آپ ہمارے ہاں جاب کریں تو ہمیں آپ کو کیا سہولیات دینی پڑیں گی.....؟''

''سہولیات! میرے خیال میں یہ ایک ایسا میگزین ہے جہاں صرف ہارڈ ورکنگ کی ضرورت ہے، سہولیات تو ہمیں انہیں فراہم کرنی ہیں جن کے مسائل ہم ہائی لائٹ کرنے والے ہیں، اگر ہم سہولیات بٹورنے بیٹھ گئے تو ہم میں اور سیاست دانوں میں کیا فرق رہ جائے گا۔''

''ہمیئر ہمیئر بہت شاندار آپ تو بہت زیادہ حقیقت پسندی سے سوچتی ہیں، ویسے ہی جیسا میں چاہتا ہوں کہ سب سوچنے لگیں.....'' وہ دوبارہ سے گرمجوش ہو گیا تھا اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ اس نے دوبارہ نوکری چھوڑنے کی وجہ پر زور نہیں دیا تھا۔

''مجھے اچھے لگتے ہیں ایسے لوگ جنہیں زندہ لوگوں کے لیے کچھ کرنے کا شوق ہوتا ہے، جو مردہ پرست نہیں ہوتے اور جو یہ نہیں سوچتے کہ سامنے دکھائی دینے والا پتھر اٹھانا پیچھے آنے والے کی ذمہ داری ہے وہ لوگوں کو تکلیف پہنچنے سے پہلے اس تکلیف کا تدارک کرتے ہیں، نا کہ ایئرکنڈیشن دفاتر میں بیٹھ کر صرف پریس نوٹ جاری کرتے رہیں کہ اس واقعے کی تحقیقات کرائی جائیں گی، اس سانحہ یا حادثے کے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ یہ جو'' چاہیں گے کریں گے۔'' جیسے جملے ہوتے ہیں ناں، یہ صرف ماضی کے سرد خانے میں ٹھٹھرتے رہتے ہیں، ان کی قسمت میں حال نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے اس ملک کا کوئی حال نہیں ہے۔ ہمیں اس ملک کی بقاء کی جنگ لڑنی ہے، مس کافیہ، شخصیت کی جنگ لڑنا کوئی کمال نہیں، آپ مضبوط پروپیگنڈے سے چار چھ مہینے میں کسی کو بھی نجات دہندہ کا روپ دے سکتے ہیں، لیکن ملک کی جنگ لڑنا کار دشوار ہے، نسلیں قربان کرنی پڑتی ہیں، سر کٹانے پڑتے ہیں۔ اوہ..... آپ بور تو نہیں ہو رہیں مس کافیہ۔'' لفظوں اور جذبات کی روانی میں اسے بہت دیر بعد اس کا خیال آیا اور اسے اس کا یہ انداز اچھا لگا وہ بے لچک نہیں تھا، صرف اپنے اصولوں میں وہ سخت تھا، صرف وقت ضائع کرنے نہ کرنے کے خیال سے وہ بے زار تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ آٹھ سال سے یہ میگزین..... کسی این جی اوز کی بھیک اور اعلیٰ طبقہ کی بیگمات کی دل پشوری کے حسابوں کیے جانے والی سیمینارز، میٹنگز اور غریبوں میں بانٹی جانے والی امداد کی اشتہار سازی پر ملنے والی ڈونیشن کے بغیر چلا رہا تھا، وہ ایک جذبہ تھا اور جذبے بھی نہیں ہارتے، دلوں میں نسل در نسل منتقل ہوتے چلے جاتے ہیں وہ بھی اس جذبے کا ایک حصہ بننے جا رہی تھی، اس لیے اسے اپنے پاپا آج بہت یاد آئے تھے، وہ اسے دیکھ رہی تھی، وہ میگزین کے کسی کام سے معذرت کر کے اٹھ کے گیا مگر اسے لگ رہا تھا وہ ابھی بھی اس کے سامنے بیٹھا ہے اور اس کے کہیں قریب

پاپا بیٹھے ہیں، اپنی پسندیدہ نظم پڑھتے ہوئے یہ نظم اسے ہواؤں کی سرسراہٹ میں پہلے دن کی طرح آج بھی سنائی دیتی تھی۔

پاپا پھر سے اپنی اسی جذب کی کیفیت میں اسٹڈی روم کی راکنگ چیئر پر جھول رہے تھے وہ پاس کرسی پر بیٹھی ''چاند نے بادل اوڑھ لیا'' کھولے بیٹھی تھی مگر اس کی توجہ کتاب کے بجائے پاپا کی طرف تھی وہ لہک لہک کر گنگنا رہے تھے۔

ہم بھی تمہارے عاشق جاناں
سینے پہ گرچہ تمغہ شوق نہ سر پہ کلاہ پاس وفا ہے
نہ اونچی محراب پہ رقصاں چاک قبا ہے
ایک مگر وہ دامن دل ہے جس میں تمہارے نام کی خوشبو
سونا بن کر دمک رہی ہے
لیکن اب کچھ طاقت والے حشمت والے
یہ دولت بھی چھیننے لیے جاتے ہیں ہم سے
ہم سائل دریا دل جاناں
ہجر کی شب کو اپنے سورج دینے والے
سو سو ڈھنگ سے جینے والے مرنے والے
تم جو نہ چاہو کوئی صلہ انعام نہ کرنا
دیکھو مگر بے نام نہ کرنا!

''دیکھو مگر بے نام نہ کرنا۔'' حسرت نے دل کا ہاتھ تھام لیا تھا وہ پھر سے کمپوز ہوگئی تھی، تبھی دوسرے دن آنے کا کہہ کر پلٹ آئی گھر میں ممی نہیں تھیں، حسب توقع صرف حماد بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''ہیلو بھابھی......'' اس نے دیکھ کر اٹھتے ہوئے ٹی وی آف کر دیا تھا اور فروٹ کا شاپر اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے سوال کیا تھا۔

''آج شاپنگ پر گئی تھیں آپ؟'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے مسکرائی۔

''نہیں ویسے ہی اپنی ایک دوست کے گھر گئی تھی، تم سناؤ یہ جھوٹا پرامس کیوں......؟'' اس نے صاف کیبل کی طرف اشارہ تھا وہ کچھ شرمندہ ہو گیا، پھر سنبھلا تو بولا۔

''گھر میں کوئی بھی نہیں تھا، بھابھی ممی تو کبھی ہوتی نہیں ہیں عینا آپی اور سحر بجو کی شادیاں ہو گئیں بڑے بھیا بزنس پر دنوں گھر سے غائب رہتے ہیں، اب لے دے کر آپ سے دوستی بنی تھی، مگر اب آپ بھی اپنے کمرے میں بند رہتی ہیں، آپ بتایئے پھر میں کیا کروں۔'' اس نے شکوہ سنا تو اٹھ کر اس کے پاس صوفے پر جا بیٹھی آٹھویں کلاس کا یہ تیرہ برس کا معصوم بچہ اسے کتنا عزیز تھا، یہ وہ بھی نہیں جانتی تھی، بس سوچتی تھی اولاد نہ سہی حماد کی زنجیر بھی اسے اس گھر پر بری بھلی بات برداشت کرنے کے لیے کافی تھا، نو برس کا تھا وہ جب وہ یہاں آئی تھی اور اب تیسرے برس میں ہی اپنی گروتھ سے وہ ایک مضبوط سہارے کی طرح دکھائی دیتا تھا۔

''کیا دیکھ رہی ہیں بھابی......؟'' اس نے اسے چونکایا اور وہ مسکرانے لگی۔

''کچھ بھی نہیں سوچ رہی، دراصل میں نے آج ایک جگہ انٹرویو دیا تھا وہاں مجھے فوراً ہی اپائنٹ

کر لیا گیا ہے، اس لیے سوچ رہی ہوں تم بور بچے اور کتنا بور ہو جاؤ گے۔'' اس نے اسے پہلے سے دماغی طور پر آمادہ کیا اور وہ غیر متوقع پر جوش نظر آنے لگا۔

''آپ نوکری کریں گی......فنٹاسٹک مجھے بہت اچھی لگتی ہیں باہر کام کرنے والی ویمینز ہاں مگر ممی کو جاب نہیں کرنی چاہیے۔''

''ہاہاہا......'' وہ دل سے قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔ اور وہ اثر لیے بغیر بولا تھا۔

''میں یہی سوچ رہا تھا آپ گھر میں بور ہو جاتی ہوں گی، اب اچھا ہے باہر نکلا کریں گی تو کچھ زندگی میں چینج آ جائے گا، مگر بس ایک شرط ہے اس جاب کی اجازت دینے میں......'' وہ اسٹائل بنانے لگا تو اس نے اس کے بال بگاڑ دیے۔

''بتایئے مہاراج کیا شرط ہے، بندی حتی المقدور خیال رکھے گی، طبع نازک کا۔'' اس نے مسکرا کر دیکھا پھر وہ بولے سے بولا۔

''آپ ممی کی طرح لیٹ نائٹ گھر سے دور نہیں رہیں گی نہ ہی اتنی مصروف ہوں گی کہ مجھے آپ کی شکل بھی یاد کرنے کے لیے کئی بار سوچنا پڑے اور کبھی آپ سامنے آئیں تو میں سوچوں ہاں شاید میں نے پہلے کہیں آپ کو دیکھا ہے اور ہاں ناشتا اور ڈنر آپ کے ساتھ ہی کروں گا میں، اس میں قطعاً کوئی عذر نہیں چلے گا۔'' وہ لسٹ بتانے لگا اور وہ حیران ہونے لگی تھی کہ اس کی عمر سے بھی بالکل چوتھائی عمر کا یہ بچہ اندر سے اتنا گہرا سوچتا ہے، توجہ نہ ملنے پر اکثر بچے بگڑ جاتے ہیں مگر اس بچے نے اپنے بڑوں کی کم نگاہی کا خود سے بدلہ نہیں لیا تھا، حالات پر خفا بھی نہیں ہوا تھا، ہاں بس خود سے دوستی کر لی تھی اور بہت کم بچے یا دل ہوتے ہیں جو تنہائی بے توجہی پر خود سے دوستی کرنے کا حوصلہ کریں اور ان نایاب دلوں میں سے ایک تھا جو پتھر گھر میں پتھر نہیں ہو سکا تھا، اس کا دل خود اس کے لیے دعا بن گیا، یہاں اس شہر کی گہما گہمی تیز رفتاری بے مہری کے ماحول میں دل کا دل رہنا بھی بہت بڑا کمال ہے۔

''حماد تم......ہمیشہ تم اتنے ہی اچھے رہنا کبھی مجھ سے مت بدلنا، اپنے آپ سے مت بدلنا خود سے اور مجھ سے جو تمہاری دوستی ہے اسے ٹوٹنے مت دینا۔'' وہ صرف سوچ کے پیرائے سے نکل کر اتنا ہی کہہ سکی اور وہ خاموش اسے بس دیکھتا رہا کچھ نہیں بولا تھا، مگر اسے یقین تھا، اس کی زندگی نے اس سے ایک خاموش عہد کیا تھا، مضبوط و مصمم عہد، وہ اٹھ کر کمرے میں آ گئی تھی، ایک عہد نے تو اس کے دل کا دامن بھی تھاما تھا وہ اس عہد پر پورا اترنے کی کوشش میں تھی۔ جب وہ دوسرے دن علی الصبح تیار ہوتے دیکھ کر عذیر حسان کی حیرتیں غصے میں ڈھل گئیں۔

''ابھی ایک ہفتہ پہلے ہی تو تم امی کے گھر سے آئی ہو پھر یہ تیاری؟'' ادھورے سوال میں پوری ذات کا زعم تھا، وہ اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اپنی تیاریوں میں مصروف رہی تھی اور یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔

''تم کہاں جا رہی ہو، کافیہ میں تم سے پوچھ رہا ہوں؟''

اس نے شولڈر بیگ میں اپنا ضروری سامان رکھنا شروع کر دیا تھا، تب وہ تپ کر اس کے قریب آیا تھا، اس کے بازو کو اپنے مردانہ ہاتھ کے شکنجے میں لے کر چیخا تھا۔

''تم کیا مجھ پر یہ جتانا چاہتی ہو میں تمہارے لیے اہمیت کھو چکا ہوں، سنو اگر تم ایسا سوچ رہی ہو تو اپنے دماغ کا علاج کرواؤ۔''

''اس کے لیے میں نے ایک کنسلٹڈ سے رجوع کیا ہے عذیر۔'' اس نے نرمی سے جواب دیا، اس کے غصے کے ابال سے بہت نیچے درجے پر آ کر اور وہ خاموش اسے دیکھے گیا۔

''تم نے نوکری کر لی ہے۔'' وہ اب اپنے شیگی کٹ بالوں کو پونی میں قید کر رہی تھی، پھر لپ اسٹک لگا چکی تو مڑی نہایت آہستگی سے بولی۔

''تم درست سمجھے ہو عذیر میں نے ایک سوشل میگزین میں جاب کر لی ہے، آج سے میں ان کا دفتر جوائن کرنے جا رہی ہوں یہ ہمارا ایک سوشل پروجیکٹ ہے، جس میں مجھے آپ کی سپورٹ کی ضرورت ہوگی۔''

''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے، تم گھر سے باہر نکلو گی وہ بھی دفتروں کی خاک چھاننے۔'' وہ دانت پیسنے لگا تھا تب اس نے چادر پہننی شروع کر دی تھی، پھر آہستہ سے پکاری تھی۔

''آپ کو کسی نے غلط بہکایا ہے عذیر، کیونکہ میں دفتروں کی نہیں صرف سماج کے دفتر کی خاک چھاننے جا رہی ہوں اور مجھے یقین ہے میری محنت ثمر آور ہوگی۔''

''ثمر آور اور تم......'' حقارت بھرا لہجہ تھا، پہلے ہی قدم پر منہ کے بل گرانے کی سازش، مگر وہ دل کی تمام کمزوریاں خود سے الگ کر چکی تھی، اس لیے ادا سے پلٹی تھی، پھر یقین سے بولی تھی۔

''اپنی اولاد ہونا کسی بھی عورت کا خواب اور تسکین سہی مگر زمین بنجر نہ ہونے پر بھی بے ثمر ہو تو یہ اس کا قصور نہیں اور بے قصور ہونے پر خود کو سزا دینا سب سے بڑی حماقت ہے، پھر یہاں میں صرف ایک بچے کو پالتی، اب میں اپنے حوصلے ریاضت سے بہت سے بچوں کو سنوارنے کا ہنر آزمانا چاہتی ہوں اور مجھے یقین ہے میں ناکام نہیں پلٹوں گی، کیونکہ محبت اور اللہ میرے ہمراہ ہے۔''

وہ کہہ کر رکی نہیں تھی اور وہ کھڑا دیکھتا رہ گیا تھا، اتنی خاموشی سے برداشت کیے جانے کا تو اسے بھی گمان نہیں تھا، اس لیے دفتر میں وہ بیٹھی ہوئی آنے والے طوفان کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ، وہ بات بن کہے جان گیا تھا جو اس کے فیور میں نہیں تھی کافیہ جتنا بلیک میل ہو سکتی تھی، اب اسٹروک کی باری اس کی تھی اور سامنے کورٹ خالی پڑا تھا، اسے جان کر یہ بازی ہارنی تھی، کیونکہ ساحرہ واقعتاً اس کے کسی بھی عمل کے ردعمل میں رگیدی جا سکتی تھی، جب کہ وہ شوہر کے دل پر حواسوں پر نہیں صرف بلیک میلنگ کے ذریعے زندگی پر چھائی ہوئی تھی، ایسی بیوی کو اپنے من پسند فیصلے کے ذریعے حیدر سجاد بھی اپنی من پسند مات دے سکتا تھا، اس نے سر تھام لیا تھا، جذباتیت میں کتنی جلدی اس نے اپنا راز بتا کر خود اپنے پیر پر کلہاڑی مار لی تھی اسے میدان سے قدم پیچھے ہٹا لینے ہی میں عافیت محسوس ہو رہی تھی اور وہ معاملہ اپنے حق میں دیکھ کر جانفشانی سے اپنے کام میں جت گئی تھی۔

اگلے مہینے کا پروجیکٹ......گاؤں کی ہینڈی کرافٹ بینگلز میں محنت کر کے بے ثمر رہنے والی خواتین اور بچوں سے متعلق تھا، مرشد خود اس کے ساتھ تھا، اس لیے اس کو دقت نہیں ہوئی تھی، وہ عورتوں بچوں سے خود جا کر ملی تھی، پگھلتا ہوا شیشہ اور اس کے آگے بیٹھی ہوئی خواتین بچیاں اور بچے جو فی درجن کے حساب سے رزق کمانے بیٹھے تھے اور نا آسودہ رہ جاتے تھے، اس نے ان کی تصاویر لی تھیں ان کے کرتا دھرتاؤں سے ملی تھی، سب حکومت کی طرح سب اچھا ہے کا راگ الاپ رہے تھے، مگر بجھی ہوئی آنکھوں اور کمزور جسموں میں دوڑتی سانس بھر زندگی ان کی قلعی کھولنے کے لیے کافی تھی، ایک ایک ٹانکے میں جو ایک ایک خواب مر گیا تھا اس کی داستان لکھی تھی، اس نے دل سے لکھا تھا، اعداد و شمار اکٹھے کیے تھے۔ کم عمر بچوں

سے لی جانے والی بیگار پر حرف گیری کی تھی۔

اس نے اگلا حدف بھٹیوں میں کام کرنے والے لوگوں کی زندگیوں کو بنایا تھا، ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ہم کیا دے رہے ہیں، اپنی نسل کو ہماری نسل نے ہمیں کتنا عیش پرست آرام طلب بنا دیا کہ ہم نیا کچھ بھی نہیں کر رہے ہاں بس نئی زندگیوں پر پرانی زندگیوں کے قرض چڑھا چڑھا کر انہیں زمین سے لگا رہے ہیں، اتنا زمین سے کہ وہ سر بھی نہیں اٹھا سکتے کہ انسان نہیں غلام پیدا کر رہے ہیں صرف غلام......''

''بند کرو یہ بکواس ہر بار اپنی صحافت کو چمکانے کے لیے ایسی ہی زرد صحافت کی آندھی چلاتے ہو تم لوگ مگر اب نہیں ہوگا ایسا ہر کام کے کچھ اصول قوائد اور حدود متعین ہیں، کوئی بھی معاشرے میں آزاد اور بے مہار نہیں چھوڑا جا سکتا۔'' اس کی ریسرچ رپورٹ چھپنے پر ایک ایم این اے کے پریس سیکریٹری نے دفتر میں دھاوا بولا تھا اور اپنے شاہ سے زیادہ کڑک وار لہجے میں بات کی تھی، جیسے سب کچھ نیست و نابود کر دینا چاہتا ہو، وہ سمجھتا تھا وہ کمزور نظر آنے والی لڑکی اندر سے بھی کمزور ہوگی، مگر وہ شہریار مرشد کی پشت کے پیچھے نہیں چھپی تھی، اس کے دو قدم آگے آ کر اس سے مخاطب ہوئی تھی اور اس کے لفظوں میں ہر لفظ کی پوری پوری ایمانداری بولتی تھی۔

''مسٹر ہمایوں میری اس ریسرچ رپورٹ کا یہی مقصد ہے ہر کام کے کچھ اصول و قوائد اور حدود متعین ہوتی ہیں، کوئی بھی معاشرے میں آزاد اور بے مہار نہیں چھوڑا جا سکتا۔ آپ اپنی سرکار سے کہہ دیجیے ہر معاملے میں سات ستاروں والی کار کے اصول وضوابط کی کتاب کھول کھول کر پڑھنے والے اگر اس معاملے میں بھی ان کی تاریخ یاد رکھیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔ یہ ملک آزادی میں ان سے کم عمر بلکہ طفل مکتب سہی لیکن پھر بھی کچھ سر پھرے ہر دور میں رکھتا ہے جو اپنے حکمرانوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ کس معاملے میں اپنائی جانے والی حکمت عملی کیوں اپنائی گئی اور اس کے کیا مضمرات اور فوائد رہے، آنکھوں پر پٹی باندھے جانے کا عمل مفقود ہوا، ہماری نسل ہمارے گناہوں کے باوجود آج بھی اندھی نہیں پیدا ہو رہی، ایک رحمت کا آپشن رہنمائی ہمارے پاس ہے اور ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر اس سمت چیونٹی کی چال سے ہی سہی سفر ضرور کر رہے ہیں، یہ وہ حق ہے جس سے ایک آٹو رکشہ چلانے والا ڈرائیور آپ جیسے کسی فرد کے وائٹ ہاؤس میں کام کرنے والی ماسی، نرس، کنڈیکٹر، کسان، کوئی بھی دستبردار نہیں ہونا چاہتا۔

آپ نہیں جانتے مسٹر ہمایوں جس گلوبل ولیج کی بات آپ کرتے ہیں اور صرف انگلش موویز یا پڑوسی ملک کی چمک دمک کی فلموں کو ہی تفریح گردانتے ہیں، آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے آج اسی گلوبل ولیج نے لوگوں میں سیاست کا شعور دے دیا ہے کون ان کے ساتھ کیا کر رہا ہے کیوں کر رہا ہے، سب جانتے ہیں، وہ بس اپنی کم مائیگی نون مرچ کے چکر میں صرف کرتے ہیں، مگر یہ لاوا ہے جو پک رہا ہے جان لیجیے جس دن بلاسٹ ہوا آپ کی یہ فلیگ کارزیہ، وائٹ ہاؤسز، یہ حکمرانی سب نیست و نابود ہو جائے گا، دھیان رکھیے گا۔''

''میں دیکھتا ہوں...... میں دیکھتا ہوں یہ میگزین کیسے چلتا ہے، اس کو کون اشتہار دیتا ہے۔'' وہ کچھ نہیں بولی تھی، شہریار مرشد نے بھی کوئی گرمجوشی نہیں دکھائی تھی۔ اس لیے آنے والا پیر پٹخ کر گیا تھا اور دفتر کے دوسرے کولیگز جو حیران تھے کہ چند مہینوں ہی میں اس لڑکی نے اعتراضات ناپسندیدگی کا جو ریکارڈ توڑا

تھا وہ تنہا گین کرنا دشوار تھا، آٹھ سال سے شہر یار مرشد بھی جیسے گھاس کھودتا رہا تھا یا شاید اسے اپنے جیسا کوئی ایسا ساتھی نہیں ملا تھا اور اب وہ دونوں مل گئے تو بھونچال آ گیا تھا۔

''اگلا ٹارگٹ مس نہیں ہونا چاہئے، اتنی ہی قوت اور نظم وضبط سے آنا چاہئے میری ہمت اور میرا میگزین تمہارے ساتھ ہے۔'' اس نے کہا تھا اور وہ بہت مشکور ہو کر پلٹی تھی، پھر آرام سے بیٹھی تھی جب ایک فون کال نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

''آپ اتنا شارپ اور بے دھڑک لکھ رہی ہیں پھر ایسے لوگوں پر کچھ کیوں نہیں لکھتیں جو عوام الناس کے لیے روپے، پیسے، عطیات، رفاہی کاموں کا شوشا چھوڑتے ہیں اور پھر سب کچھ ہڑپ جاتے ہیں اور کوئی ان کی بیلنس شیٹ چیک کرنے والا نہیں، تم اس معاملے پر بھی بولو این جی اوز کے تھرو ہونے والے گھپلوں کی سمت مڑو اور بیگمات کی کئی پارٹیز پر خرچ ہونے والے فنڈ کی بابت جواب مانگو۔''

''آپ کون ہیں محترمہ۔'' اس نے نام لکھنے کے لیے لیٹر پیڈ آگے کیا مگر لائن ڈس کنکٹ ہو چکی تھی سو وہ اپنی اس مہم میں جت گئی تھی جب تیز رفتاری کے ساتھ بہت خاموشی سے وہ آگے کا سفر جاری رکھے ہوئے تھی، حکمران طبقہ اس کے خلاف تھا مگر صحافی برادری اور عوام اس کے ساتھ ساتھ تھے اس لیے وہ مگن تھی اور کوئی اور بھی تھا جو اس ٹارگٹ پر اسے میٹر دے رہا تھا، یہاں تک کہ اس کی ریسرچ رپورٹ میگزین ہی میں نہیں ٹی وی پر بھی آنے دینے کی شہر یار مرشد نے جنگ لڑی تھی اور بے ساختہ آج وہ آزاد اور پرائیوٹ چینلز کی افادیت کی قائل ہوئی تھی۔

''شہر یار اگر پرائیوٹ چینل نہ ہوتے تو یہ پورا سچ اپنی موت آپ مر چکا ہوتا، جس ادارے کا خبر نامہ ریموٹ کنٹرول ہو وہاں صرف خشک سیل بنانے، مثبت منفی تاروں کو جوڑنے ہی کا طریقہ سکھایا جاتا رہے گا، کبھی کبھی میں سوچتی ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ ہم جانے کس کے صدقے کس کی دعا کے واسطے اب تک کھڑے ہیں ورنہ اس ملک کے اندر تو کچھ نہیں بچا شہر یار بس خول باقی رہ گیا ہے اور کرپشن کی دیمک نے سب کھا لیا ہے، کچھ بھی نہیں ہے، اس ملک میں کچھ بھی نہیں......'' وہ خاموش ہوئی تھی اور جب وہ خاموش ہوئی تھی وہیں وہ بولا تھا۔

''کون کہتا ہے اس ملک میں کچھ نہیں ہے، کون کہتا ہے؟ کافیہ اس ملک میں تم ہو میں ہوں ہم جیسے کتنے ہی لوگ جو خاموشی سے پانے اپنے کاز پر اس ملک کی حرمت پر کٹ مرنے کا ارادہ لے کر جتے ہوئے ہیں، ہم ہیں نا، ہمارے پاس کئی عظیم شخصیات ہیں، ہم خالی نہیں ہیں، بس ابھی تک ٹھیک طرح سے مربوط نہیں ہیں، مگر کوئی کہیں بھی اپنی جنگ ہارا نہیں ہے۔''

اس نے سر ہلا کر اسے دیکھا تھا اور خاموشی سے اپنی چیزیں سمیٹنے لگی تھی، پھر گھر جانے کے لیے باہر نکلی تھی تو ملیحہ آفریدی کو دیکھ کر اچنبھے میں رہ گئی تھی۔

''تم ملیحہ یہ تم ہی ہو نا میں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔''

''نہیں تم خواب نہیں دیکھ رہیں کیونکہ خواب مجھ جیسے بھیانک نہیں ہوتے۔''

''پھر وہی تلخی؟ ملیحہ آفریدی تم ابھی تک ویسی ہی ہو۔''

''ہاں میں ابھی تک ویسی ہی ہوں اور آؤ لونگ ڈرائیو کا موڈ ہے تو کہیں چلو گی۔''

''ضرور مگر تھوڑی دیر بعد، دراصل مجھے اپنے بیٹے کو کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ سے لینا ہے پھر چلتے ہیں، اپنی گاڑی میں ہونا تم......'' اس نے کار کا لاک کھولا یہ گاڑی شہر یار نے اسے اعزازی طور پر دی تھی وہ اس

''میرے ساتھ کسی نے برا نہیں کیا بس کسی کے ساتھ اچھا کرنے کے چکر میں...... میں یہاں آ پہنچی۔'' وہ سانس لینے کو رکی اور پھر جیسے لفظ خود زخم بن کر ٹیس دینے لگے۔

''تم مجھے ہمیشہ کہتی تھیں تم ایک ناآسودہ لڑکی ہو، تمہیں محبت سے نہیں اپنے آپ سے چڑ ہے، تم محبت کا پوسٹ مارٹم ایسے کرتی ہو جیسے محبت سے زیادہ بے اعتبار رشتہ کوئی نہیں، شاید تم ٹھیک کہتی تھیں محبت سے زیادہ بے اعتبار رشتہ کوئی نہیں، حالانکہ اس محبت کے میزان پر پورا اترنے کے لیے کوئی اپنی زندگی خوشیاں، سب کو تیاگ گیا، مگر محبت نے اسے کیا دیا یہ اولڈ ہوم۔''

وہ کچھ بھی نہیں کہہ پائی اور وہ پھر سے بولنے لگی۔'' جب میرے پاپا کی ڈیتھ ہوئی میں اس وقت ڈیڑھ برس کی تھی اور میرے چاچو بھرپور جوان، لیکن انہوں نے امنگوں سے بھرے دل کو مار دیا، انہوں نے میری مما سے کہا۔

''بھابھی اگر میں اپنی زندگی خوشیوں سے بھر لوں، اپنا گھر بسا لوں تو کوئی میرا ہاتھ نہیں روکے گا، کوئی میرے اس حق کے خلاف آواز نہیں اٹھائے گا، مگر مجھے اپنی خوشی ادھوری لگے گی بھائی کے بعد مجھ پر بہت ذمہ داریاں آن پڑی ہیں، آپ میری ماں کی جگہ ہیں اسد، ریحان، آفاق، عصمہ، سلیمہ اور ملیحہ

میری ذمہ داری ہیں، آپ اگر الگ رہنا چاہیں تو بھی میرا حق اور ذمہ داری ختم نہیں ہوتی، یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ہمارا مذہب اور معاشرہ شاید ہمیں ویسا نہ رہنے دے، جیسا ہم رہنا چاہتے ہیں اور جو میرے رشتے دار کہتے ہیں اس کے لیے میرا دل آمادہ ہے نہ روح، آپ میرے لیے ماں کی جیسی ہی رہیں گی۔"

اور کافیہ پھر چاچو نے اپنا دل بھول کر ہماری پرورش میں جان کھپادی، ساری دنیا نے کہا۔"اسفند آفریدی پاگل ہوگیا ہے، کوئی کبھی یوں بھی کرتا ہے۔" چاچو کہتے۔

"اس پاگل پن میں بھی ایک الگ مزا ہے جس کا انہیں ادراک نہیں۔" پھر ہم پرائمری اور سیکنڈری ایجز میں تھے، جب مما کا انتقال ہوگیا تو چاچو الگ فلیٹ میں رہنے کی بجائے ہمارے ساتھ رہنے لگے، مجھے تو جیسے ایک بار پھر سے پاپا کا لمس مل گیا تھا، میں دن رات ان کے گرد پھیرے لیتی اور وہ ہم سب کے مستقبل کے خواب بنتے، مگر جب میں اپنے بہن بھائیوں میں لوٹتی تو مجھے لگتا چاچو بے مصرف سعی لاحاصل میں مصروف تھے، اس گھر میں کوئی بھی تو نہیں تھا جو چاچو کو پسند کرتا تھا سب کا خیال تھا وہ ان کی ہر خوشی کی راہ میں رکاوٹ تھے، بڑے بھائیوں کو روک ٹوٹ پسند تھی نہ بہنوں کو، یوں وہ سب سے کٹتے چلے گئے، مگر میں انہیں چھوڑ نہیں پائی، پھر میں کالج جانے لگی تو چاچو کو پہلی بار بڑے بھیا کی بدتمیزی پر ہارٹ اٹیک ہوا، تب مجھے لگا محبت کچھ نہیں، تب ہماری ساری باتیں مجھے ڈھکوسلہ لگتی تھیں، مجھے لگتا تھا تم بھی چاچو کی طرح کسی بے وقوفی کا شکار ہو اور تمہیں بھی ایسا ہی حادثہ مٹا دینے کے لیے کمر بستہ ہے، میں چاہتی تھی تم جو محبت کو چاہو سمجھو، مگر سب کے ذہنوں میں محبت کو کسی فیری لینڈ کا قصہ مت بناؤ، پھر کالج کے بعد جب بھائیوں نے شادی کرلی، بہنوں نے اپنے من پسند بر ڈھونڈ لیے تو چاچو اور بے کار چیز بن گئے، یہاں تک کہ وہ سرونٹ کوارٹر کی نذر ہوگئے، سارے پاور آف اٹارنی چاچو خود مرضی سے دستخط کرچکے تھے، پاپا کے ایک روپے کے بزنس کو چاچو نے ایک کروڑ کے ہندسے میں بدل دیا تھا، مگر بھائی کہتے تھے اس میں چاچو کا کوئی کمال نہیں ہے، مواقع اور سرمایہ میسر ہو تو کوئی بھی یہ معرکہ مار سکتا ہے، چاچو نے کہا "ہاں کوئی بھی یہ معرکہ مار سکتا ہے، مگر کوئی بھی تم سے میری طرح محبت نہیں کرسکتا، میری محبت کا قرض چکا سکتے ہو، میری وہ جوانی اور خواب لوٹا سکتے ہو جو تمہاری پرورش میں صرف کیے ہیں میں نے......" کافیہ اس لمحے لگا تھا مجھے چاچو نے کچھ نہیں کھویا کیونکہ کوئی بھی ان کی محبتوں کا قرض نہیں چکا سکتا تھا، مگر میری برداشت ختم ہوگئی تھی۔ اس وقت جب عمرانہ بھابھی نے نخوت سے کہا۔

"جب بوڑھے شور کرنے لگیں تو انہیں گھر میں نہیں رکھنا چاہیے اولڈ ہوم میں پھینک آنا چاہیے۔"

چاچا دھڑام سے صوفے پر گر گئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں پتا نہیں اس لمحے محبت نے آخری سانس لیا تھا یا خود چاچو کے دل نے دم دے دیا تھا، مگر مجھے لگا چاچو مر چکے ہیں، میں ہونق ہو کر انہیں تن تنہا ہاسپٹل لے کر بھاگی تھی، بروقت طبی امداد سے چاچو بچ گئے تھے، سینتالیس سال میں وہ اتنا تھک گئے تھے، ڈاکٹر کہتے تھے آئندہ کوئی صدمہ ان کی جان لے لے گا، میں ان کی تیمارداری میں لگ گئی تھی گھر سے کوئی انہیں دیکھنے نہیں آیا تھا، کسی نے ان کا خرچہ نہیں اٹھایا تھا میں نے اپنے سارے زیور بیچ دیے تھے، اپنا بینک اکاؤنٹ ان پر لگا دیا تھا، تب وہ سنبھلے تھے، چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے تھے، مگر جس دن انہیں ڈسچارج کیا جانا تھا اس دن بڑے بھیا بھابی ہاسپٹل آئے تھے انہوں نے کہا تھا میں گھر آسکتی ہوں مگر اب چاچو ہمارے ساتھ رہیں گے یا نہیں یہ فیصلہ ہم کرچکے ہیں......" مگر عمرانہ بھابھی نے فیصلہ سنا دیا تھا۔

"چاچو اب اولڈ ہوم میں رہیں گے، اب وہ ہمارے قابل نہیں ہیں۔" بھائی ان کے لیے فارم فل

کر کے آچکے تھے، ماہانہ رقم بھی مختص کرچکے تھے۔ ہاسپٹل سے انہیں اولڈ ہوم منتقل کیے جانے کے سارے انتظامات مکمل تھے، میں خشک آنکھیں لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ انہوں نے سوپ کے پیالے کو دیکھتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"فیصلہ ہوگیا ملیحہ میں اب کہاں جانے والا ہوں۔" میں رونے لگی تھی، مجھے لگتا تھا چاچو کو کھو دوں گی، مگر چاچو نے کپکپاتے ہاتھ کو میرے ہاتھ پر رکھ کر بے بسی سے کہا۔

"ملیحہ جو لوگ مر جاتے ہیں کس قدر خوش قسمت ہوتے ہیں اور جو لوگ زندہ رہ جاتے ہیں زندگی ان سے کیسے کیسے خراج نہیں لیتی، ملیحہ تمہیں پتا ہے تو بتاؤ میں زندہ ہوں بھی یا بس زندہ ہونے کا دھوکا دیے جا رہا ہوں خود کو۔" میں ان کے ہاتھ کو چوم کر رونے لگی تھی اور وہ بے بسی سے مسکرائے تھے۔

"پتا نہیں تم کب تک میرا بوجھ برداشت کرسکو گی، مگر تم سے التجا ہے جب تھک جاؤ چھوڑ کر خاموشی سے چلی جانا، آکر مت کہنا کہ جا رہی ہوں، تمہیں نہیں پتا کسی اپنے کو دل سے جدا کرنا بہت اذیت ناک ہوتا ہے۔ تم چلی جانا ملیحہ میں سمجھ لوں گا میں لاوارث ہوں اور پھر مر جانا کیسا بوجھ، بوجھ تو زندہ رہنا ہوتا ہے، لاوارث مر جاؤں تو کوئی بھی کسی بھی طرح دفنا ہی دیتا ہے...... ہے ناں۔" میں ایک لفظ نہیں کہہ سکی پھر شام کو منجھلے بھیا آئے تو انہوں نے عمرانہ بھابھی کا فیصلہ سنایا۔

"تم اگر چاچو کی خدمت کرنے کی بے وقوفی کر رہی ہو تو یاد رکھنا تمہاری کوئی بھی مالی اعانت نہیں کرے گا۔ تمہارا ہم پر ہر حق ختم ہوجائے گا۔ تمہاری شادی بیاہ بھی خود تمہارا مسئلہ ہوگا۔ اور ہاں دوبارہ بے نیل ومرام واپس گھر لوٹ کر آنے کی بھی غلطی مت کرنا سمجھ لینا چاچو کے ساتھ تم بھی مرگئی ہو، کیونکہ ہمارے فیصلوں سے سرتابی کرنے سے تم ہم میں سے نہیں ہوگی۔"

میں سر جھکائے سنتی رہی، ایک لفظ نہیں بول پائی، تب میں نے سوچا، اگر میں ایک چاچو کو چھوڑ دوں تو عیش آرام روپے پیسے کی وہی ریل پیل ہوگی زندگی میں کوئی تکلیف نہیں ہوسکتی، اپنی نیند سونا اپنی نیند جاگنا ہوگا، اگر چاچو کو تنہا چھوڑ دوں تو دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے سوال نہیں پوچھ سکتی، تم نے ایسا کیوں کیا کوئی نہیں کہے گا تم نے غلط کیا کیونکہ یہاں ہر شخص کسی نہ کسی معاملے میں غلطی کرتا ہے۔

مگر میں نے اپنے دل میں جھانکا اور سوچا اگر کوئی کچھ بھی نہ کہے تب بھی بے حس ہونا سب احسانات اور محبتیں بھول جانا کیا آسان ہوگا، یہ سب کچھ بھول کر میں اتنا ہی جیوں گی جتنی میری عمر ہے، لیکن اس عمر میں جو میرے اعمال کا بوجھ ہوگا، جو مجھے میرے حصے کی آگ میں جلائے گا، اس آگ کو گلزار کون کرے گا، ہر قبر کا مردہ اپنے اعمال کا حساب خود بتا دیتا ہے، سو میں نے فیصلہ کیا مجھے بھی اس کی رحمت سے منہ موڑ کے بدنصیبی کا پرچار کر کے نہیں جینا بس پھر میں نے جان لیا چاچو قطعی میری ذمہ داری ہیں اور یہ ان کی محبت کا حق ہے کہ میں وہی زندگی گزاروں جو اس وقت وہ گزار رہے ہیں کیونکہ کبھی ان کی وجہ سے ہم نے وہ زندگی گزاری تھی جو شاید خود انہوں نے بھی نہیں گزاری تھی......" کافیہ عذیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اس لڑکی سے اسے کبھی کتنے اختلاف تھے مگر آج یہی لڑکی کسی قدر اونچے زینے پر کھڑی تھی۔

"بجز محبت کوئی بھی امر نہیں۔" کا مصرعہ اس کے اندر باہر گونج رہا تھا، گنگنا رہا تھا اور وہ یہ راز پا گئی تھی وہ اس لڑکی کو محبت کا مخالف سمجھتی تھی، جس نے خوامخواہ محبت سے بیر پال لیا تھا، جس کی باتوں کی خوشبو سے اسے لگتا تھا وہ گھر سے باغی، رشتوں سے متنفر لڑکی ہے جو خود محبت سے نفرت کرتے کرتے تھک گئی ہے تو اب سب پر یہ بات ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے جیسے محبت کسی اور سہارے کا جذبہ ہے فضول اور بے

کار شے ہے، مگر آج اس نے اتنے برسوں بعد اسے جانا تھا تو معلوم ہوا تھا یہ لڑکی تو نفرت کا چولا پہنے اپنے اندر کی محبت کی بقاء کی جنگ لڑ رہی تھی، وہ جب محبت سے نفرت کی بات کرتی تو کوئی نہ کوئی اس سے محبت کا ڈوئل لڑنے لگتا، محبت کی بابت واقعات حقیقتوں سے اس باب کو واضح کرنے لگتے اور وہ اندر ہی اندر مسکراتے ہوئے خود سے کہتی۔

اچھا تو محبت رائیگاں نہیں ہے محبت آج بھی دلوں کے لیے قرار ہے وہ دوسروں کے لفظوں سے خود کو ڈھارس دیتی تھی اپنے اندر ہونے والی توڑ پھوڑ اور اپنے چاچو کی کم مائیگی سے اندر اتر جانے والی خاموشی کو محبت کی گنگناہٹ سے زندہ ہونے کا احساس دیتی تھی، محبت کے ماحول میں محبت کر لینا دشواری نہیں، کمال تو وہاں ہے جہاں آج سے پہلے محبت کا کسی نے نام نہ سنا ہو اور آپ اپنے عمل محبت سے اس ماحول کو سنوار دیں تاریخ میں بالکل بدل کر رکھ دیں اور یہ لڑکی اسی مشکل ترین ہنر کی باکمال آرٹسٹ تھی۔

''ملیحہ مجھے تم پر فخر ہے بے حد.....'' اس نے کھڑے ہو کر اسے بھینچ لیا تھا پھر بات آگے بڑھی تھی تو اس نے اپنے خیال کی تصدیق چاہی تھی، اس نے سر ہلا کر کہا تھا۔

''تم درست سمجھتی تھیں اس ادارے کے متعلق جو معلومات تم تک پہنچائیں وہ میرا ہی کام تھا، لیکن تم نے خود جس طرح اس ادارے کے ریکارڈ کھنگال ڈالے یہ تمہارا ہی کمال تھا، تمہاری رپورٹ پر یہاں کے تا زندگی رہنے والے ٹرسٹی ان کے ہرکارے بدل دیئے گئے، وونگ سے قابلیت کی بنیاد پر عملہ بھرتی کیا گیا ہے پرانے ٹرسٹیز جو اکنی لگا کر روپیہ کما رہے تھے یا جو صرف اپنی دولت کے کالے دھن کو سفید کرنا چاہتے تھے یا صرف اس رقم پر ٹیکس بچانا چاہتے تھے، ان کی یہاں سے بیخ کنی کر دی گئی، اب بورڈ آف ڈائریکٹرز میں صرف ان افراد کے نام اور امداد قبول کی گئی ہے جن کا ماضی بے داغ ہے، یہ ادارہ ایک مشنری ادارہ تھا اس لیے انتظام سنبھالنے کا پورا کام یہاں کے لوگوں کے سپرد تھا اور تم جانتی ہو کرپشن کہاں نہیں کون سی قوم اس سے بری الذمہ ہے ہاں یہ ہے کہ ہم محنت سے اس کرپشن کی صفائی ضرور کر سکتے ہیں سو وہ تمہاری محنت کے ذریعے میں نے کی۔'' وہ سر ہلا کر سنتی رہی پھر چاچو سے ملنے شام کو گئی تو انہیں کتاب پڑھتے پایا۔

''کیا پڑھ رہے ہیں چاچو۔''

''ایک پیارے سے انسان کی پیاری سی نظم۔'' ملیحہ آفریدی مسکرانے لگی اور وہ قریب بیٹھ کر بولی۔

''چاچو کیا اپنی یہ پیاری سی نظم آپ مجھے نہیں سنائیں گے۔''

اسفند چاچو کی آنکھوں کی روشنی بڑھ گئی لگا محبت نے ان کے اندر زندہ رہنے کی تمنا کچھ اور بڑھا دی ہو انہوں نے کتاب کھولی تھی یہ مختلف...... شاعروں کا انتخاب تھا جو نوجوان شاعروں کی پذیرائی کے لیے منتخب کیا گیا تھا، شام کے سائے پھیل رہے تھے اولڈ ہوم کی ہواؤں کے ساتھ درخت گیت گا رہے تھے اور اندر سرد ہواؤں سے بچتے ہوئے حدت بھرے لہجے میں اسفند چاچو نظم سنا رہے تھے۔

یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے
کہ جب تک اس جہاں میں
ایک بھی ذی روح باقی ہے
وہ جب تک سانس لیتا ہے
وہ جب تک سوچ سکتا ہے
اور جب تک ہر خوشی اور فکر کو

محسوس کرتا ہے
یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے
کہ جب تک گلستاں میں
آخری جو پھول کھلنا ہے
رہے گا شاخ پر جب تک
مہک پھیلائے گا اپنی
زمین سے آسمانوں تک
فلک کے آخری تارے کو
جب تک جگمگانا ہے
کہ جب تک لہلہاتے کھیتوں
کو زندگی کے کام آنا ہے
کہ جب تک ہاتھ اس قابل ہیں
کہ انھیں دعاؤں کو
کہ جب تک آخری بادل
دھرتی پر برسنا ہے
کہ جب تک اس زمیں پر
زہر کا تریاق ممکن ہے
یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے
کہ جب تک جسم ہے
اور جسم میں یہ جان باقی ہے
کہ جب تک اس زمیں پر
ایک بھی انسان باقی ہے
ہزاروں میل لمبے فاصلے بھی بیچ میں آئیں
تو میری جستجو ان سے بھی بے دم نہیں ہوگی
محبت کم نہیں ہوگی
محبت کم نہیں ہوگی

''بہت خوب صورت نظم ہے۔''

ان لفظوں نے اسے متاثر کیا تھا، محبت کی بات ہزار ہا سالوں پر پھیلی ہوئی کہی ہو کر بھی آج تک ان کہی اچھوتی اور نئی سی بات لگتی ہے اس نے چاچو کو پھر ملنے کا عندیہ دیا تھا اور پھر گھر لوٹ آئی تھی مگر ایک خیال تھا جو تکمیل چاہ رہا تھا، یہی وجہ تھی وہ دوسرے دن اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ''مرشد میں اپنے اسٹاف میں ایک فرد کا اضافہ کرنا چاہتی ہوں، کیا مجھے تم اس کی اجازت دو گے۔'' شہریار مرشد ہنسنے لگا تھا۔

''اجازت اور تم...... ارے لڑکی یہاں پر تو یہ مشہور ہو گیا ہے کہ چیف آف دی اسٹاف تم ہو مجھے بھی تمہارے احکامات پر چلنا پڑتا ہے۔ خیر مذاق تھا یہ حقیقت یہ ہے گڈ گرل کہ یہ سارا دفتر اور اسٹاف تمہارا

ہے، تم جو چاہو کرو، جسے رکھنا ہے رکھو، جسے نکالنا ہے نکالو، لیکن دیکھو پلیز مجھے مت نکال باہر کرنا تم جانتی ہونا اپنے پرچے کے علاوہ میری قابلیت کی کہیں دال نہیں گلے گی۔''

''شہریار مرشد تم باتیں بنانے میں ماہر ہو ویسے اتنا اعتبار کرنے کا شکریہ......'' وہ واقعی احسان مند ہوگئی تھی تبھی اس نے اثر زائل کرنے کو کہا۔

''یہ شکریہ وغیرہ یہاں نہیں چلتا، اگر واقعی اچھا دوست سمجھتی ہو تو اچھا سا لنچ کروادو کسی ڈھنگ کے ہوٹل میں لنچ کیے برسوں گزر گئے۔'' وہ صاف اس کی شرارت پہچان گئی تھی، وہ کسی پر بھی اپنی شخصیت ظاہر نہیں کرتا تھا پہلی نظر میں جو اس سے ملتا اسے روڈ سرد مہر انسان سمجھتا تھا، مگر جن کو وہ اپنا سمجھ لیتا تھا ان کے لیے وہ بے حد نرم تھا۔

''چلئے لنچ کا وقت ہوا جاتا ہے آپ بھی کیا یاد کریں گے کس سخی سے پالا پڑا تھا۔'' وہ اس کے ساتھ چلنے کو راضی ہوگیا تھا، اپنے ٹیبل پر بکھری چیزیں سمیٹ رہا تھا، جب بالکل اچانک دروازہ کھلا۔

''عذیر حسان اور یہاں......'' وہ جس طوفان کا پہلے دن سے انتظار کر رہی تھی آج دو سال بعد اس کی روح ہلانے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''اچھا تو یہ ہے تمہارا سوشل ورک یہی سب کچھ تمہیں گھر کی چار دیواری میں نہیں ملتا، ہے ناں، یہ غیر مردوں سے گفتگو یہ ادائیں اور یہ......''

''پلیز مسٹر عذیر یہ میرا دفتر ہے اس لیے اپنے آپ کو سنبھالیے یہ نہ ہو کہ میں کچھ کر گزروں۔''

''واہ دو سال میں اتنا خیال......''

''مسٹر عذیر......'' وہ اتنی جلدی ٹمپر لوز نہیں کرتا تھا، مگر اس سے لڑ پڑا تھا۔ وہ غصے کی وجہ سے اس کا مقابلہ نہیں کرسکا تھا، تبھی چیخ کر بولا تھا۔

''کافیہ تمہارے گھر میں اگر ساحرہ آپی نہ ہوتیں تو میں تمہیں ابھی کھڑے کھڑے طلاق دے دیتا، مگر اب میں ایسا نہیں کروں گا میں تمہیں وہ تنہائی کی موت دوں گا کہ تم دیکھتی رہ جاؤ گی۔'' وہ کہہ کر چلا گیا تھا۔

کمرہ خالی تھا، جب وہ کرسی کی پشت پر ہاتھ ٹکا کر مدھم لہجے میں پکارا تھا۔

''آپ سمجھئے گا کافیہ یہاں ایسا کوئی منظر ہوا ہی نہیں تھا یہ گلاس روم ہے یہاں سے باہر آواز نہیں گئی ہوگی، اگر گئی بھی ہوگی تو میں کوئی کہانی بنالوں گا، کسی رپورٹ کے سلسلے میں ہنگامہ مچانے والا عام شہری آیا تھا۔'' وہ کھڑے سے بیٹھ گئی تھی، اس لمحے وہ اتنی شدت سے ٹوٹ گئی تھی کہ اسے اپنے ہونے پر بھی شک ہو رہا تھا، دل میں درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں، آنکھوں میں آنسو جم گئے تھے، وہ سب کچھ ضبط کرلینا چاہتی تھی، مگر ہمیشہ ضبط کرلینے والا دل جانے آج کیوں مخالفت پر آمادہ تھا، وہ اس کی کیفیت سمجھ چکا تھا، اس لیے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا رہا تھا۔

''چلیے کافیہ باہر چلتے ہیں......'' وہ کسی روبوٹ کی طرح اٹھی تھی چادر اوڑھ کر اس کے ہمراہ چل پڑی تھی، پھر وہ ایک مصروف شاہراہ پہ تھے، جب اس نے کہنا شروع کیا۔

''مس کافیہ جو لوگ دنیا کو کچھ دینے کے لیے نکلتے ہیں سب سے پہلے انہیں اپنا آپ دینا پڑتا ہے، خوشیاں اور پھر اپنے حصے کے اچھے دن، کسی کو کچھ دینے کے لیے اپنا آپ منہا کرنا پڑتا ہے، ہم اپنے بارے میں سوچتے رہیں تو پھر باقی لوگوں کو کیا اور کب کچھ دے سکیں گے اور جو دوسروں کو سب دے دیتے

ہیں کسی اچھے دن کی تمنا میں وہ کبھی خالی دامن نہیں رہتے کیا کبھی آپ نے کسی روتے ہوئے انسان کی آنکھ میں ہنسی دیکھی ہے۔ نم آلودہ آنکھ میں ہنسی کی چمک ہمارے حصے میں لکھی ایک دعا کی مانند ہے اور ہر صبح دعائیں بٹورنے نکلنا ہنسی بانٹنے نکلنا خسارے کا سودا تو نہیں۔

ادھر دیکھیے میری طرف میں جب دفتر کے لیے آتا ہوں ناں تو اس سے کہیں زیادہ بے چینی سے نکل کر آتا ہوں، میری بیوی کو میری نوکری سے چڑ ہے اس کام سے چڑ ہے، اسے مجھ سے نفرت ہے وہ کہتی ہے وہ میرے ساتھ اس لیے رہتی ہے تاکہ وہ مجھے ایک ہی سانس میں مرنے نہ دے، وہ دیر سے میرے گھر جانے پر مجھے رات بھر سونے نہیں دیتی، وہ دن بھر کی مصروفیات کا حساب مانگتی ہے، اسے لگتا ہے میرے دفتر میں پورے اسٹاف کا ۸۵ فیصد لڑکیوں پر اس لیے مشتمل ہے کیونکہ مجھے راجہ اندر بنے رہنے کا شوق ہے، لیکن کافیہ کیا آپ نے کبھی مجھے ڈسٹرب دیکھا۔ اچھی لڑکی زندگی یہی ہے یہاں مزاجوں میں یکسانیت کبھی نہیں ہوتی ہر معاملے میں تضاد ہوتا ہے، تبھی زندگی کا سفر مسلسل رہتا ہے، اگر سب کو اچھا مل جائے تو اللہ کو کون یاد کرے گا اور خود ہم کیا ایک جیسی زندگی گزارتے گزارتے تھک نہیں جائیں گے۔'' وہ دھیمے انداز میں غیر محسوس انداز سے اس کے بکھرے وجود میں حوصلے اور ہمت کا سیمنٹ بھر رہا تھا درزوں میں رکی سانسیں ایک کے بعد ایک تمنا کے دل میں جمع کر کے پھر سے اسے زندہ رہنے پر اکسا رہا تھا۔

وہ کچھ نہیں بولی تھی، مگر اس کے دیکھنے سے ہی وہ جان گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے، لہٰذا بولا۔

''مجھے تم میں زندگی بانٹنے کی جو لگن اور تحریک دکھائی دیتی ہے وہ بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے، تم ایک اچھی لڑکی ہو اور مجھے تمہارے ساتھ کام کرنا اچھا لگتا ہے۔ تمہاری ایمانداری، محنت کا میں معترف ہوں، مجھے لگتا ہے اگر کبھی میں کہیں کسی راستے میں کسی گولی کا نشانہ بن گیا تو میرے بعد تم میرے کارواں کو باآسانی چلاسکتی ہو، میرے بعد بھی یہ کاز ختم نہیں ہوگا۔''

''مرشد پلیز آپ ایسے نہ کہیں بھلے موت تلخ حقیقت سہی مگر میں دعا کرتی ہوں، آپ تک آنے کا راستہ دیر تک بھولی رہے یا پھر میری اتنی دعائیں ہوں آپ کے گرد کہ اسے کوئی جگہ نہ ملے، مرشد آپ ایک بہت اچھے انسان ہیں اور ہمارے معاشرے اور دنیا میں اچھے انسانوں کی اتنی کمی ہے کہ آپ کا دم غنیمت لگتا ہے۔'' وہ مسکرانے لگا تھا، اپنی تعریف پر نہیں اپنی کامیابی پر کہ اس نے نہایت مہارت سے اسے اس ٹینشن سے نکال لیا تھا جہاں اس کا نروس بریک ڈاؤن بھی ہوسکتا تھا اور وہ جذباتیت سے اپنے آپ سے مایوس ہوکر کوئی غلط قدم بھی اٹھا سکتی تھی۔

''کافیہ جو کام آپ کل کرنے والی تھیں وہ ہم کیوں نہ آج کرلیں لانگ ڈرائیو سے آپ کا موڈ کچھ اور بہتر ہوجائے گا۔''

''شہریار اگر آپ تھوڑا سا رائٹ ٹرن لے لیں تو میں اپنے بیٹے کو اسکول سے لے لوں گی۔''

''جی بہتر......'' اس نے مختصر کہہ کر گاڑی اس کے اشارے پر ڈال دی پھر وہ لوگ حماد حسان کو لے چکے تو وہ شرارتاً بولا۔ ''پہلی کال پر جو فون رکھا گیا تھا کیا وہ اس بے بی کی وجہ سے تھا یا پینتیس سال والے بے بی کی وجہ سے۔'' وہ کچھ نہیں بولی تھی شرمندہ سی مسکرانے لگی تھی، مگر حماد حسان نے تو فوراً اس سے دوستی کرلی تھی، سفر کے اختتام پر دونوں نے ایک دوسرے کا پتا لینے کے ساتھ ساتھ اپنا بایو ڈیٹا تک ایک دوسرے کو دے دیا تھا، وہ دونوں کے باتونی ہونے پر رشک کر رہی تھی کیونکہ آج تک ایک ہی سانس میں اتنے لفظ کہنے کی اسے حسرت ہی رہی تھی، سب کا خیال تھا وہ بات نہیں کرنا چاہتی مگر درحقیقت اسے بولنا

اور بے دھڑک بولنا ہی نہیں آ سکا تھا، شروع سے وہ لفظوں کی ساخت اس کو ادا کیے جانے والے لہجے میں اس قدر محو ہو جاتی تھی کہ پھر جواب یاد ہی نہیں رہتا تھا اور یہ عادت اب اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ وہ اب اگر کہیں زیادہ بولنا ہوتا تھا تو وہ تھک جاتی تھی۔

''یہ لیں کافیہ آپ کی بتائی ہوئی جگہ پر ہم پہنچ چکے ہیں۔'' وہ حیران رہ گئی تھی وہ سارے راستے خاموش رہی تھی، مگر ہاں حماد بولتا رہا تھا اور وہ بہت شارپ لڑکا تھا یقیناً پتہ وہ ہی سمجھاتا رہا تھا، وہ حماد کے ساتھ وزیٹنگ روم میں پہنچی تھی، ملیحہ آفریدی کو پیغام دے دیا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ دس منٹ بعد وزیٹنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔

''تم...... کافیہ خیریت......؟'' وہ پریشانی میں شہریار مرشد اور حماد حسان کو نظر انداز کر گئی تھی، شہریار مرشد خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، کافیہ نے اسے تھام کر اپنے قریب بٹھا لیا تھا۔

''ملیحہ ہم تمہیں یہاں سے چاچو سمیت لینے آئے ہیں۔'' اس نے مدعا بیان کیا وہ چونک گئی۔

''کیا تم مجھ پر کوئی احسان کرنے والی ہو...... دیکھو میں ایک غیور نسل سے تعلق رکھتی ہوں۔'' وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی، تبھی شہریار مرشد نے کہا تھا۔

''میں نہیں جانتا تم میرے ادارے کے لیے کام کر سکتی ہو مگر کافیہ اگر تمہاری صلاحیتوں پر کچھ یقین رکھتی ہیں تو میں چاہتا ہوں کیوں نہ ہم اس اعتماد کو آزما لیں۔''

بہت مختصر مگر جامع بات تھی، شہریار مرشد نے اسے اپنے ادارے کے فیملی رومز میں رہنے کی اجازت دی تھی، معقول تنخواہ کی آفر کی تھی، اس نے اپنے چاچو سے بات کر کے کوئی فیصلہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ سوچنے کی مہلت دے کر واپس لوٹ آئے تھے۔ راستے میں ہی اس نے ملیحہ آفریدی کی داستان اسے کہہ سنائی تھی، تب اس نے بہت حیرت سے اسے دیکھا تھا کچھ لمحے چپ رہا تھا پھر آہستگی سے بولا تھا۔

''محبت...... بہت زیادہ ٹوٹ کر محبت بے ریا ایک عورت ہی کر سکتی ہے، جس عورت کا دل اس جذبے سے خالی ہے وہ صرف مجسمہ ہے، خالی خولی مجسمہ جسے صرف سجایا جا سکتا ہے، صرف سراہا جا سکتا ہے، محبت سے سنوارا نہیں جا سکتا۔''

اسے اس کے فلسفے سے کوئی اختلاف نہیں تھا، اس لیے خاموشی سے بیٹھی رہی، پھر دفتر سے اپنی گاڑی لے کر گھر پہنچی تو عذیر حسان کو ڈرائنگ روم میں غصے سے ٹہلتے پایا، حماد کو دیکھ کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

''بھیا غصے میں لگتے ہیں۔'' وہ ہراساں نظر آنے لگا تھا، شہریار مرشد سے ملنے کے بعد کی ساری شوخی غائب ہو گئی تھی، اس نے نرمی سے اسے اپنے ہونے کا احساس دلایا۔

''گھبرانے کی کوئی بات نہیں بھابھی ہیں ناں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے وہ کمرے میں پہنچی تھی وہ بولنے کے لیے منہ کھولنے ہی والا تھا کہ اس نے رسان سے کہا۔

''گھر میں کوئی نہیں ہے، کیا ہم خاموشی سے اپنے معاملات حل نہیں کر سکتے۔ آپ جانتے ہیں حماد میرے ہی نہیں آپ کے بارے میں بھی بہت اچھی رائے رکھتا ہے کوشش کیجئے اس کی یہ رائے بدلنے نہیں پائے اور یہ بھی دھیان رکھیے میری طرف سے آپ اسے بدظن نہیں کر سکتے......'' اب وہ صوفے پر بیٹھ چکی تھی، وہ صرف اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا رہ گیا تھا۔

''تم...... اگر تم سمجھتی ہو عیشاء کے معاملے کو لے کر تم مجھے دیر تک بلیک میل کر سکتی ہو تو یہ غلط ہے، تمہیں خوشی ہوگی وہ مجھ سے اپنی مرضی سے طلاق لے رہی ہے۔''

''طلاق......'' اسے صدمہ ہوا تھا اس لڑکی کے پاس پورا کا پورا عذیر حسان تھا، اولاد تھی، پھر وہ اس انتہائی قدم تک کیونکر پہنچی تھی۔

''وہ ایسا کیوں کر رہی ہے کیا تم نے اسے اس سلسلے میں ٹارچر کیا ہے؟'' وہ جو سمجھی کہنے لگی اور وہ ہواؤں سے مخاطب ہو کر بولا۔

''میں سمجھتا تھا عیشاء مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے کہ وہ میرے فلرٹیش سے بھی کمپرومائز کر لے گی، مگر وہ بھی عام سی ایک لڑکی ہے، اس نے اس معاملے کو ایشو بنا لیا، دیا علی سے ملاقات کو اس نے ہمارے تعلق کا اختتام بنایا، میں نے اسے کافی سمجھایا مگر وہ میری ماننے کو تیار ہی نہیں ہے اور میں...... تمہیں پتا ہے میں بہت زیادہ کسی معاملے میں اصرار نہیں کرتا، ویسے بھی مجھے یہ شادی برقرار رکھنی مشکل ہو رہی ہے اب میں اس جھنجھٹ سے ہمیشہ بچ کر رہوں گا، عورتیں شادی کے بعد ساری ایک جیسی ہو جاتی ہیں یعنی ناقابل برداشت......'' وہ سکتے کی کیفیت میں پوچھنے لگی۔

''تم نے واقعی عیشاء سے محبت کی تھی عذیر......'' پتا نہیں وہ محبت ناپنا چاہتی تھی اس سوال سے یا شاید ایک ہلکا سا مارجن لینے کی متمنی تھی کہ عذیر حسان جھوٹ ہی کہہ دے ''مجھے عیشاء سے کبھی محبت نہیں تھی، محبت تو مجھے تم سے ہے......'' مگر وہ اس سوال پر ہنس پڑا تھا۔

''محبت......؟ مجھے شاید یہ کسی سے بھی نہیں ہو سکی، میرا مزاج ہی نہیں ہے محبت کو زیادہ دیر تک حواسوں پر سوار رکھنے والا بہت دن ہو جائیں تو مجھے خود اندر سے بے چینی شروع ہو جاتی ہے کہ کیا میرے لفظوں کا طلسم ختم ہو گیا ہے کہ کوئی لڑکی مجھ پر مر مٹنے کو آمادہ نہیں ہو رہی سو یہ تھرل زندگی لگتا ہے، گھر بار اور ایک بیوی یہ میرا ہیڈک نہیں سو اچھا ہوا جو ہو گیا۔'' وہ رونا نہیں چاہتی تھی، مگر کچن میں چائے بنانے کے بہانے اٹھ کر چلی آئی اور روئے گئی، آج اسے خود میں اور عیشاء میں کوئی فرق نہیں لگ رہا تھا، وہ اس کی طرح بے نیل و مرام کھڑی تھی اور اس کا دل اس کے غم سے پھٹا جا رہا تھا، اس لیے نہیں کہ وہ ٹھکرائی گئی تھی، بلکہ اس لیے کہ کبھی وہ دل کے سنگھاسن پر پورے مان سے متمکن تھی اور اب وہاں سے اٹھا کر پھینک دی گئی تھی تو داسی بھی نہیں رہی تھی وہ کتنی دیر تک اس کا دکھ مناتی رہی، پھر اپنی مصروفیت کی طرف لوٹ آئی، مگر ایک شام وہ حیران رہ گئی، جب عیشاء اپنے بیٹے کے ساتھ اس سے ملنے اس کے گھر آ گئی۔

''میں عیشاء عماد ہوں......'' اس نے اس نام کے حوالے پر گزر جانے والے دکھ کا اسے پرسہ دیتے ہوئے دیکھا اور وہ نم آلود آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی پھر کتنی ساعتوں بعد بولی۔

''مجھے لگتا تھا کافیہ، عذیر ایک مشکل مگر بہت ڈیسنٹ انسان ہیں، جنہیں آپ سمجھ نہیں سکیں اور جنہیں محبت دے کر اپنا بنایا جا سکتا ہے ان کی باتوں کی حسرت تنہائی کا راگ بے توجہی کا ڈھونگ اور لفظوں کا جادو تھا، جس نے مجھے ٹرانس میں لے لیا میں نے محبت کے بدلے گھر کی خواہش کی میں آزمانا چاہتی تھی وہ مجھ سے کتنے مخلص ہیں، پھر جب انہوں نے میری منشاء بھی پوری کر دی تو میں نے آنکھ بند کر کے ان پر اعتبار کر لیا، تن من سے انہیں اپنا تسلیم کر لیا، مگر بہت سا وقت گنوا کر کھلا وہ ایک کھوکھلی شخصیت ہیں، جنہیں نئی نئی دنیائیں دریافت کرنے کا جنون کبھی گھر کا نہیں ہونے دے گا وہ ان مردوں میں سے ہیں جنہیں ہوٹلنگ اور باہر کے کھانوں کی چاٹ لگی وئی ہے، انہیں گھر کا کھانا کبھی مزے کا نہیں لگتا بس پھر

میں نے سوچا جب گھر والے کو باہر رہنے کا شوق ہے تو پھر میں کس کے لیے گھر کی بنیاد بن رہی ہوں، میں نے فیصلہ کرلیا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، میں نے اس جیسے کسی شخص سے محبت کرنے کا کبھی نہیں سوچا تھا، مگر ہائے ری قسمت ایک ہرجائی مرد شوہر کے نام پر ہر عورت کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔"

"سب مرد ضروری نہیں عذیر حسان ہوں، میں نے بہت سے مرد دیکھے ہیں جو اعلیٰ ظرف اعلیٰ نفس ہوتے ہیں۔" اس نے فوراً اس کی سوچ کی تصحیح کی، اس نے بے بسی سے ہنس کر دیکھا اور کہا۔

"میں کیا کروں، میری قسمت میں ایسا مرد لکھا تھا پھر مجھے دوسروں کے تجربوں کا کیا یقین میں نے جس شخص پر یقین کیا وہ جھوٹا نکلا تو یہاں سب جھوٹ ہے محبت اعلیٰ نفس اور اعلیٰ ظرفی سب، بس اس لیے میں اپنے ماموں کے پاس امریکہ جارہی ہوں، میں اپنی پسند کی شادی کی وجہ سے اپنے گھر بھی واپس نہیں جاسکتی، میں ٹوٹی ہوں مگر میں یہ ان کے سامنے جاکر کیوں مانوں کہ میں ٹوٹ گئی ہوں، ماموں نے مجھے خود امریکہ بلوالیا ہے، لیکن ان کی شرط ہے کہ میں دانیال کو لے کر نہیں آؤں گی وہ اس شخص کی کوئی نشانی میرے ساتھ نہیں دیکھنا چاہتے وہ عذیر کا کوئی عکس نہیں دیکھنا چاہتے میرے ہمراہ۔"

"مگر دانیال تمہاری اولاد ہے صرف عذیر کی نہیں ہے کیا اس نے تم سے دانیال زبردستی لینے کی بات کی ہے......" اس نے اسے حوصلہ دینا چاہا اور وہ آنسو ہوگئی۔

"نہیں اسے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا دانیال میرے ساتھ رہے یا کسی چلڈرن ہوم میں وہ کہتا ہے یہ خفیہ شادی تھی، اس لیے وہ خود اس کا کوئی ثبوت اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتا، مگر میں پھر بھی یہاں آگئی مجھے یقین ہے کافیہ تم نے جس طرح عذیر کے ساتھ نباہ کیا تو تم بہت زیادہ مضبوط اعصاب کی مالک ہو تم میں خاص دل ہے...... ایسا دل جو میرے بچے کو صرف عذیر کی اولاد سمجھ کر اپنی اولاد کی طرح پال لے گا۔"

"مگر یہ بچہ کیا یہ تم دونوں کے اس فیصلے کو مان لے گا۔ یہ صرف چار سال کا ہے۔"

"ہاں اسے بہت جلد زندگی کو سمجھ لینا چاہئے۔ یہ تمہیں بہت تنگ کرے گا میں نے اس کے بہت ناز اٹھائے ہیں، مگر تم اسے جس حال میں رکھو گی رہ لے گا کچھ وقت لگے گا پھر اسے عادت ہوجائے گی کافیہ تم فلاحی کام کرتی ہو تم سمجھنا کہ کسی انجان شخص کا بچہ ہے جسے تم نے چلڈرن ہوم سے لے کر پال لیا ہے۔" اس کا دل رکنے لگا تھا اس نے کھینچ کر بچے کو سینے سے لگالیا یہ عذیر کی اولاد تھا اس کا اپنا بیٹا۔ بچہ اس کی ممتا کی گرمجوشی پر رونے لگا تھا، اپنی ماں کے بچھڑنے پر بلکنے لگا تھا مگر اس کی یہی قسمت تھی۔

جو ماں یا باپ اپنی زندگیوں پر قانع نہیں ہوتے جنہیں زندگی ڈسکور کرنے کا کریز ہوتا ہے ان کی اولاد ایسے ہی رل جاتی ہے، یہاں تو اس کی قسمت یاور تھی کہ سامنے کافیہ سجاد تھی محبت کو اوڑھنا بچھونا سمجھنے والی محبت پر سب کچھ لٹادینے والی۔

عیشاء اپنا بیگ سنبھال رہی تھی، جب اس نے کہا تھا۔

"تم جب چاہو اس سے ملنے آسکتی ہو عیشاء۔" اس نے پشت موڑ لی تھی۔

"نہیں کافیہ اب میں اس سے کبھی ملنے نہیں آؤں گی، میں عذیر نہیں ہوں کہ تمہاری محنتوں پر اپنے نام کو چمکاؤں یہ آج سے تمہارا بیٹا ہے، تم اسے جس طرح چاہو اپنے سانچے میں ڈھال لینا یہ ابھی بہت چھوٹا ہے، مجھے کچھ عرصے بعد بھول جائے گا، تم اسے پھر یاد بھی مت دلانا ہوسکتا ہے میری زندگی پھر اس کو ماں ہونے کا احساس دینے کے لیے متحمل نہ ہوسکے تو یہ مایوس ہوجائے اور مایوس ہونا کیا ہوتا ہے تم جانتی ہو کافیہ تم بہت جانتی ہو۔"

وہ اب چلنے لگی تھی بچے نے دوڑ کر ماں کو پکڑ لینا چاہا تھا مگر کافیہ نے اسے سنبھال لیا تھا۔

عذیر شہر سے باہر بزنس کے سلسلے میں غائب تھا حماد حسان اور ممی کو یہ بات معلوم تھی مگر صرف حماد نے اس کی بات کا یقین کیا تھا، ممی اسے سرتاپیر جھوٹ سمجھ کر بھول جانا چاہتی تھیں، سو اس کی ہر بات رد کرنا ان کا پہلا فریضہ تھا، مگر اس نے ان باتوں پر دھیان دینا چھوڑ دیا تھا، اس نے پہلی فرصت میں دانیال کو نرسری میں داخل کروادیا تھا، ای بہنوں نے پوچھا اس کی بابت تو اس نے یہی کہا کہ ایک مجبور ماں کا بیٹا ہے جس کے شوہر نے اسے چھوڑ دیا ہے، شازیہ بچے کو دیکھ کر بار بار بے سبب کہتی تھی۔

"شکل سے عذیر بھائی کی شباہت آتی ہے کیا سچ مچ یہ کسی اور کا بیٹا ہے۔" وہ نظریں چراجاتی اس نے معاملے کی نزاکت اور گھر بسائے رکھنے کی تمنا میں اس سچ کو اپنی ممتا کے پردے میں چھپالیا، بہنیں بھی خاموش سچ جان چکی تھیں، لیکن اپنے گھروں میں مطمئن تھیں، لہٰذا انہوں نے اس معاملے کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا، رہا عذیر تو اسے اپنی غلطیوں پر ڈھٹائی دکھانے کی اتنی عادت تھی وہ جب واپس لوٹا تو بچے کو صرف ایک نظر دیکھ کر لاپرواہ ہوگیا، جانتا جو تھا کافیہ اس کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گی۔

یہ ہی بہت تھا سو وہ حماد، دانیال کے ہمراہ سماج میگزین کی طرف متوجہ ہوگئی، آج وہ چھ ماہ بعد دفتر آئی تھی، عموماً روزانہ مختصراً کچھ کام کرکے بھی وہ کہیں کسی رپورٹ کے سلسلے میں مصروف ہوتی تھی، کبھی کسی کے انٹرویو کے سلسلے میں ہراساں، سو آج ریلیکس ہوکر وہ اپنے روم میں بیٹھی تھی، میگزین جاچکا تھا، اس لیے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا کہ اسے بہت اچانک ملیحہ آفریدی یاد آگئی وہ کمرے سے نکل کر شہریار مرشد کے کمرے کی طرف بڑھی۔

وہ شہریار سے جیلوں میں خواتین کے ساتھ سلوک کی رپورٹ ڈسکس کرنے جارہی تھی، بہت قریب پہنچی تھی تو حیران ہی رہ گئی تھی۔

"ملیحہ تم...... ارے تم نے دفتر کب سے جوائن کیا۔" وہ ساری شرارت بھول کر اس کی طرف بڑھی تھی اور ملیحہ آفریدی نے شکر ادا کیا تھا، اس کے آنے کا ورنہ مسٹر بشیر ارشاد سے جان چھوٹنی اسے دشوار لگنے لگی تھی۔

"تم کہاں ہوتی ہو میں تو تھک گئی ہوں تمہارا پوچھ پوچھ کر اتنی مصروف ہو تم کہ بس مجھے لگنے لگا تھا شاید میں اب تم سے کبھی مل ہی نہیں سکوں گی، لڑکی آخر کیا کرتی پھر رہی ہو تم، مجھے تو تمہاری کارکردگی یہاں آکر پتا چلی ہے۔" وہ گلے سے لگی خوش تھی اور اس کی اس خوشی کی بابت پوچھنا نہیں پڑ رہا تھا، آنکھوں کی قندیلیں لو دے کر جل اٹھی تھیں، کچھ کری ایٹو کام نے جیسے اسے پھر سے زندہ کردیا تھا۔

"تم بہت اچھی لگ رہی ہو، ملیحہ اب لگتا ہے تمہارے اندر جیون سے سانس بھرا ہے۔" ملیحہ آفریدی مسکرانے لگی تھی۔

"پتہ نہیں...... مجھے یہ نہیں پتا میرے اندر کتنا جیون، یہ دل بھوگ چکا ہے، مگر اس دفتر میں میں جب سے آئی ہوں تب سے مجھے لگتا ہے زندگی نے دھتکارتے دھتکارتے یکدم مجھے گلے سے لگالیا ہے، کافیہ جب آپ ہر طرف سے رد کردیئے جائیں، آپ کی صلاحیتیں مشکوک ٹھہرادی جائیں، آپ کی سوچ سب کے لیے تمسخر بھرے قہقہے سے زیادہ کچھ نہ رہے تو جو پہلا شخص آپ کو تھام کر بھرے مجمعے میں پکار کر کہے" تم اگر کچھ کرنا چاہو تو تم سب کچھ کرسکتی ہو کیونکہ تمہارے اندر ہاری ہوئی امیدیں مری نہیں ہیں، صرف رد کردیئے جانے سے نیم جان ہیں، میں تمہیں یقین دیتا ہوں میں تمہیں پاؤں بھر زمین آسمان

مستعار کرتا ہوں اور دیکھنا چاہتا ہوں اسے تم گھر کیونکر کرسکتی ہو۔'' سو کافیہ سماج پلیٹ فارم نے مجھے یہ ادھار دیا ہے، جس کا قرض تازندگی مجھ پر واجب رہے گا۔'' کافیہ سجاد مسکرا کر اسے دیکھے گئی پھر ہولے سے اسے سینے سے لگا کر جذب سے بولی۔

''تم جو چاہو کرسکتی ہو ملیحہ آفریدی کیونکہ تم کچھ کرنا چاہتی ہو اور جو دل کچھ کرنا چاہتے ہیں ناں ان کے سامنے خدا رحمتیں بچھا دیتا ہے، وہ اپنی قسمت بنانے والوں کو اکیلا نہیں چھوڑتا وہ کہتا ہے تم نکلو جو لینا چاہتے ہو، بدل ڈالو، زندگی جن کا حق ان میں جھولی بھر کر بانٹو میں تمہیں تہی داماں نہیں رکھوں گا، تم میرے بندوں کی فلاح کے لیے ایک قدم اٹھاؤ گے میں دس قدم تمہاری بھلائی میں اٹھاؤں گا، تم ایک دو گے میں ستر واپس کروں گا اور ملیحہ آفریدی کتنی خوشی کی بات ہے، اگر وہ رب ہمارے ایک کام کو پسندیدہ نظر سے دیکھ لے، قبول کرلے ہمارا عمل۔'' ملیحہ آفریدی اس سے متفق تھی، اس لیے خاموشی سے پھر سے اپنے کام میں لگ گئی۔ اور وہ مڑ کر اس کا کاندھا تھپتھپا کر شہریار مرشد کے کمرے کی سمت مڑ گئی۔

''خیریت ہے آپ کو مجھ سے کس سلسلے میں ڈسکشن کی ضرورت پیش آگئی۔'' وہ کاپی چیک کررہا تھا، مگر پوری توجہ سے اس کا استقبال کیا تھا۔

''آپ اگر مصروف ہیں مرشد تو میں تھوڑی دیر بعد آجاؤں گی۔'' اس نے کہا مگر اس نے فوراً پوری توجہ اس کی طرف سمیٹ دی۔

''تم اتنی فارمل مت ہوا کرو میں نے پہلے بھی کہا ہے کافیہ آپ اس دفتر کی کلید ہیں، پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں فارغ ہوں یا مصروف، کافیہ ہم جس شعبے میں ہیں یہاں ہمیں بھی چوبیس گھنٹے الرٹ ہی رہنا پڑتا ہے، صحافت اور اچھی قسم کی صحافت جز وقتی نہیں، کل وقتی ذمہ داری ہے، اب بتایئے کیا معاملہ ہے۔''

وہ سامنے کی کرسی سنبھال کر بیٹھ گئی تھی۔

''میں وہاں جن عورتوں سے ملی ہوں ان میں بہت سی ایسی ہیں جو صرف ان خاندانوں کی آپس کی چپقلش کی وجہ سے کیس میں انوالو کردی گئی ہیں جو بغیر جرم ہی کے سزا بھگت رہی ہیں کچھ عورتیں ایسی ہیں مرشد جو اپنی جان کے بچاؤ کے لیے جھوٹے الزامات پر خاموشی سے جیلوں میں قید ہیں کیونکہ وہ جانتی ہیں باہر نکلتے ہی وہ عزت کے نام پر قتل کردی جائیں گی کچھ ایسی ہیں جنہیں معلوم ہے وہ باہر نکالی گئیں تو ان کی منزل گھر نہیں ہوگی بلکہ...... مرشد جیلوں میں عورتوں کے ساتھ جو سلوک میں نے دیکھا وہ زمانہ قدیم سے بھی بدتر ہے لیکن اگر یہی سب کچھ میگزین کے ذریعے عوام کی عدالت میں پیش کردیا گیا تو طوفان آجائے گا تمہاری بیک کی وجہ سے کسی نے مجھ سے باز پرس نہیں کی مگر سب کی آنکھوں میں وہ چاہے اے ایس آئی ہو ایس پی ہو ڈی ایس پی ہو یا انسپکٹر آف جیل سب کی آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی اس لیے میں ڈرتی ہوں کہ......''

''ارے آپ ڈرتی ہیں' کیوں کیا زندگی کی وجہ سے' کافیہ میری زندگی بے کار ہے اگر اسے میں صرف اپنے لیے جیا اور مرگیا ہاں اگر کسی کاز کی خاطر موت آئی تو خوش قسمتی ہے میری، رہا میگزین یا پرچے کی سرکولیشن کم ہونے کا ڈر تو میں نے کبھی یہ سب پیسے کے لیے نہیں کیا' تمہیں بتاؤں کافیہ جب میں نے یہ خیال مما' پاپا کے سامنے پیش کیا تو وہ مجھ پر اور بہت سے لوگوں کی طرح ہنسے تھے ان کا خیال تھا دنیا میں انسان ہر عمل صرف اسی صورت میں کرتا ہے یعنی نفع کمانے کے لیے میں واحد شخص ہوں جو نقصان

کمانے کے لیے پیسہ خرچ کررہا ہوں میں نے کہا پاپا آپ نے جی بھر کے کمایا آپ سے زیادہ دولت کمانے کے ہنر سے کوئی واقف نہیں پیسہ آپ کی طرف خود چل کر آتا ہے ہمارے پاس اتنا ہے اگر ہماری تین نسلیں بھی بیٹھ کر کھائیں تو بھی کم نہیں پڑے گا پھر کیوں روکتے ہیں آپ مجھے اگر میں دل اور محبت کمانے نکلنا چاہتا ہوں۔

پاپا نے بس ایک نظر تولا تھا مجھے پھر بخوشی راستہ دے دیا تھا میں وہاں سے نکلا تو صرف ایک خیال تھا دوستوں میں گیا تو کچھ صرف پاگل کہہ کر چپ ہوگئے اور کچھ میرے ساتھ ہولیے پھر مجھے گمان گزرا مجھے صرف امیر طبقہ ہی سپورٹ کرسکتا ہے کچھ مہینے اسی بے وقوفی کی نذر ہوگئے تب آہستہ آہستہ کھلا میں جن کی آواز بننا چاہتا تھا درحقیقت وہی ہیں جو میری بات اوروں کے مقابلے میں زیادہ بہتر سمجھتے ہیں مجھے ڈونیشن یا افرادی قوت یہ سب مڈل اور لوئر کلاس نے دی اور اس وقت مجھ پر کھلا کہ ایلیٹ سوسائٹی جو بظاہر ایک دوسرے سے جڑی ہے اندر سے کس قدر ٹوٹ پھوٹ کس قدر تفریق کا شکار ہے یہاں اگر کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہے تو ثواب کا خیال تک نہیں رکھتا وہ خبر اور تصویر سے آگے نہیں دوڑتا واہ واہ کے سوا کوئی کمائی نہیں ہوتی۔

میں نے اس ماحول میں سیکھا کہ فلاحی کام اور نیکی ایک جذبہ ہے جو کسی کے دل کو بھی چھوسکتی ہے اس کے لیے بہت زیادہ اپر کلاس یا ہائی اپر کلاس ہونا ضروری نہیں ہے جب میں نے یہ جانا میرے اندر ناکام ہونے کا احساس جو تھوڑا بہت بچا تھا وہ بھی جاتا رہا سو تمہیں اس کا بھی ڈر نہیں ہونا چاہیے یہ ایک کاز ہے ایک نیک کام اور اس میں برکت خود خدا ڈالنے والا ہے رہا پرنٹ میڈیا تو وہ بہت کم اسٹیبلشمنٹ کی انگلیوں پر ناچتا ہے ایسے پرچے اور اخبار انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جو ہولڈر رکھتے ہیں میڈیا پر لیکن اس پرنٹ میڈیا سے مکمل طور پر کسی کو کک آؤٹ نہیں کرسکتے پھر ہمارے ساتھ عوام ہے اور یہ طاقت بہت بڑی طاقت ہے اب کہو کیا ڈر رہ جاتا ہے۔''

وہ مسکرانے لگی تھی کتنے منٹوں میں حالات و واقعات کا تجزیہ کرکے درست جواب نکال لیا تھا یہی تو ہنر تھا اس کے پاس وہ مطمئن ہوگئی تھی اور وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''ہم چھوٹا سا پودا لگالیں تو ہوا ماحول سب ناموافق لگتا ہے سرد موسم حرارت چھین لینے کو لپکتا ہے اور گرم ہوا ساری تازگی چوس لینے کو دوڑتی ہے لیکن پودا جو زمین سے پیوست ہو وہ یہ سرد گرم جھیل کر تناور درخت ضرور بنتا ہے چھایا دیتا ہے پھل دیتا ہے ہماری زندگی اور کوئی بہت مختلف کام بھی کسی زمین میں لگنے والے کسی پودے کی پہلی سانس کی طرح ہے میں جانتی ہوں ہماری راہ میں بہت رکاوٹیں آئیں گی بہت تکلیفیں جھیلنی پڑیں گی مگر سچائی کی طاقت کچھ کرلینے کا جنون ہمیں راحت دے گا۔'' وہ اب مڑ کر اس کے سامنے کھڑی تھی اور سامنے کھڑا شخص ہر معاملے میں اس کی طاقت تھا وہ مطمئن کھڑا اسے مزید بولتے سننے کا متمنی تھا اور وہ بول رہی تھی۔

''کیا ہم جس جس شعبے میں کام کرچکے ہیں یا کررہے ہیں وہاں کے افراد کو اپنا ہم خیال نہیں بناسکتے سب افراد کبھی بھی ہماری طرح نہیں سوچ سکتے یا وہ نہیں سوچ سکتے جو ہم چاہیں لیکن ان میں سے ہم خیال گروپ بنایا جاسکتا ہے ایسے جیسے ابھی جیل میں عورتوں کے سلوک پر فیچر جانا ہے کیا ہم ان خواتین کی دادرسی کے لیے جو صرف خاندانی آن بان یا کسی بھی قسم کی ذاتی دشمنی یا عناد کی وجہ سے جیل میں سڑ رہی ہیں قانونی مدد نہیں کرسکتے کیا ہم غریب بچوں کی کسمپرسی کی منظر کشی کرتے کرتے ان بچوں ان چھوٹوں کے

لیے کوئی چیریٹی فنڈ ریز نہیں کر سکتے جوان کے لیے تعلیم اور روزگار ساتھ ساتھ پیدا کر سکے شام کے اسکولز وغیرہ بہت پرانی بات ہو چکے ہیں ان کی افادیت وہی پیسوں کی وجہ سے ناکام ہو گئی ہے لیکن کیا ہم اس رسم کو بہتر انداز میں نہیں شروع کر سکتے ہم ہنر اور تعلیم کو یکجا نہیں کر سکتے یا ہنر اور نوکری کے بعد تعلیم کو نہیں لاسکتے۔'' وہ اسے دیکھ رہا تھا پھر مسکرانے لگا تھا۔

''بہت پرانی باتیں ہیں یہ سب مگر زندگی میں نیا پن لاسکتی ہیں نوکری کے بعد بہت کم وقت بچتا ہے تعلیم کا اور یہ بہت کم لوگ ہیں جو اس پیٹرن کو اس خیال کو تقویت دیں مگر کام پہلے قدم' پہلی اینٹ سے تو کہیں نا کہیں شروع ہوتا ہی ہے ناں تو میں کروں گا اس کام کی شروعات میرے کچھ بہت اچھے جاننے والے ہیں لائرز تمہارے اس خیال کو میں تعبیر دوں گا۔'' وہ سر جھکا کر اس جان لینے اور اس کی ہر بات مان لینے والے کی لمبی حیاتی کی خاموش دعا مانگنے لگی۔

☆......☆......☆

''آخر آپ میرے پیچھے ہی کیوں پڑ گئے ہیں دیکھیے مرشد صاحب کے دوست کی حیثیت سے میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے آپ میری ذاتیات میں دخیل ہوں۔'' وہ کام کرتے کرتے روکھے لہجے میں بولی، مگر سامنے بیٹھا شخص ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا اسے پرواہ ہی کب تھی مزے سے پیپر ویٹ کو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے خاموشی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''آخر آپ اتنے فارغ کیوں رہتے ہیں۔'' وہ بلا آخر پھٹ پڑی تھی تب وہ مسکرانے لگا تھا۔

''دراصل شہریار اتنا کام کر لیتا ہے کہ مجھے کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور میں اس سے دل کو تقویت دیتا رہتا ہوں کہ میرے باوا کے آباؤ اجداد نواب ابن نواب رہ چکے ہیں۔''

''نواب ابن نواب ہونا کوئی فخر کی بات نہیں ہے آپ کیا ہیں یہ اہم ہوتا ہے۔'' وہ بحث پر آمادہ ہو چکی تھی اور یہی تو وہ چاہتا تھا اتنے دنوں سے اسے ٹیکل کر رہا تھا اور اب وہ آہستہ آہستہ کھل رہی تھی۔

''تم پیدائشی چڑچڑی ہو یا بڑے ہونے کے بعد امپروو کیا ہے۔'' اگلا سوال انتہائی بے تکا تھا۔

''آپ آخر کیا چاہتے ہیں......؟'' وہ بور ہو گئی اور وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

''صرف یہ جاننا چاہتا ہوں آپ ہمیشہ سے اتنی ہی بور ہیں یا صرف پوز کرتی ہیں۔''

وہ تپ گئی۔

''آپ آخر اس کی ضرورت ہی کیوں محسوس کرتے ہیں کہ اپنے قیمتی وقت کا کچھ حصہ اس بے مصرف ایکسرسائز میں صرف کریں کہ میں حقیقتاً بور ہوں یا پوز کرتی ہوں۔'' وہ کرسی پر سیدھا ہو بیٹھا پھر شرارت چھپا کر سنجیدگی سے بولا۔

''معلوم نہیں مجھے یہ عادت شروع سے ہی کیوں ہے، مجھ سے اداس اور زندگی سے بے زار لوگ برداشت نہیں ہوتے، میری اولین کوشش ہوتی ہے ان کے منہ پر مسکراہٹ بکھیر دوں۔''

اس نے ایک خبر کی سرخی نکالتے ہوئے اسے گھورا پھر چبا چبا کر بولی۔

''حالانکہ میرا تجربہ بتاتا ہے آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو اچھے خاصے بندے کو زندگی سے بے زار کر دیں۔''

''ارے میرے لیے اپنے دل میں اتنا بغض مت پالیے مسلمان ویسے بھی کینہ اور عناد نہیں رکھتا۔''

وہ اب کچھ نہیں بولی تھی، مگر رویے سے ظاہر تھا ٹیمپر لوز کر چکی ہے وہ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''بہت کم لوگ غصے میں اچھے لگتے ہیں مس آفریدی کیا آپ جانتی ہیں یہ بات۔''

''مسٹر سمرقند آپ یہاں کیا کر رہے ہیں......'' ملیحہ آفریدی اس امداد پر سامنے متوجہ ہوئی، اسفند کا سمرقند بنتے دیکھنا بہت دلچسپ معاملہ تھا شہریار مرشد اب اسفند دلاور کی کرسی کے پاس کھڑا تھا۔

''کیوں سر یہ آج کل میرے دفتر کے چکر کیوں لگ رہے ہیں، خیریت تو ہے تمہاری انٹیلی جنس نے کہیں کوئی رپورٹ شپورٹ تو نہیں بھیج دی تمہاری ٹیبل پر۔'' یہ شہریار مرشد تھا روکھا انداز یکلخت کہیں جا سویا تھا اور اسفند دلاور اس کے ہاتھوں کو کاندھوں پر محسوس کر کے اور ریلیکس ہو گیا تھا۔

''اچھا ہوا تم آ گئے میں دراصل تم سے ہی پوچھنا چاہتا تھا تم نے اتنی تھکی ہوئی قوم کو دفتر میں کیوں رکھا ہوا ہے۔''

''تھکی ہوئی قوم......'' کھی کھی کھی...... وہ ہنسنے لگا تھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگی تھیں، شہریار مرشد مسکرا بھی سکتا ہے وہ اس پر حیران تھی اور وہ ہنس رہا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے مس آفریدی، مرشد پر اتنی حیرت تو آج تک اس کی ممی نے نہیں کی اور آپ اتنی حیران ہو رہی ہیں۔''

''وہ دراصل یہ کبھی مسکراتے نہیں ہیں ناں اس لیے میں سمجھی......'' وہ کوئی معقول بات نہیں کر سکی تھی اور وہ اس سے حظ لے رہا تھا پھر تھما تو بولا۔

''دراصل یہ شروع سے بہت چیٹر ہے یہ سمجھتا ہے لڑکیاں سنجیدہ مردوں کو بہت پسند کرتی ہیں اس لیے پوز کرتا ہے ورنہ اس سے بڑا مسخرہ کوئی نہیں۔''

''سر آپ کو مسٹر مرشد کے خلاف کچھ کہنے کا یا رائے دینے کا کوئی حق ہم نے نہیں دیا۔'' وہ تپ گئی تھی اس سے سب برداشت ہو سکتا تھا مگر شہریار مرشد کے خلاف کمنٹ اس کا دماغ گھما دیتا تھا اور یہ جسارت اسفند دلاور کر چکا تھا، اس کے چہرے سے کبیدگی ظاہر تھی، تبھی وہ مڑا تھا۔

''خوب ٹور بنا رکھی ہے تم نے یعنی یونین کی صدر تک آپ کے گن گا رہی ہیں، یعنی دفتر کے باقی مردوں کا اسکوپ تو ختم ہی سمجھو۔''

''اسفی بکواس نہیں، تم میرے کمرے میں چلو ملیحہ کو تنگ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''ملیحہ! اتنے پیار سے ملیحہ......'' زیر لب بڑبڑا کر وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر ملیں گے ملیحہ جی ابھی میٹنگ کافی اچھی رہی......'' وہ خاموش رہی تھی اور اس نے اس کا کالر پکڑ کر آگے کیا پھر مڑ کر بولا۔

''اس نے جو بھی بکواس کی ہے ملیحہ میں آپ سے اس کی معذرت کرتا ہوں دراصل یہ جولی بہت ہے۔''

''ہیں مگر میری امی تو کہتی ہیں انہوں نے مجھ جیسا سنجیدہ بچہ آج تک نہیں دیکھا۔'' وہ پھر درمیان میں کود پڑا تھا، تبھی وہ زبردستی اسے دروازے کی طرف دھکیل کر جس رپورٹ کے سلسلے میں بات کرنے آیا تھا اسے ڈسکس کر کے باہر نکل گیا وہ ستون سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''آ گئے آپ، ہو گئیں ملیحہ جی سے باتیں۔'' وہ گھور کے اسے کھینچ کر اپنے کیبن میں گیا۔

''یہاں میری کچھ عزت بنی ہوئی ہے کیوں میرا دشمن بنا ہوا ہے۔'' شہریار نے اسے دھکا دے کر صوفے پر بٹھایا اور وہ ہنسنے لگا۔

"تجھے پتا ہے مجھ سے شروع سے برداشت نہیں ہوتا، اگر کوئی تیری تعریف کرنے لگے یاد نہیں بچپن میں بھی کیسا جان پر کھیل جاتا تھا، تجھے ڈانٹ کھلوانے کے چکر میں......" وہ پھر سے ہنسنے لگا تھا پھر شرارت سے اس کا چہرہ دیکھ کر بولا۔

"لیکن تمہیں یاد ہے ناں تمہاری ہر شکایت ہر واقعے کے مضمرات سے تو سب متفق ہوتے تھے مگر سب یہی کہتے تھے مرشد ایسا نہیں کرسکتا یہ تو بہت نائس بچہ ہے۔"

"ہاں بس یہیں جان جلتی تھی اتنی محنت پر بھی سب اندھا اعتبار کرتے تھے، تجھ پر سب کو معلوم تھا ناں بچہ فلاحی دماغ رکھتا ہے ہر چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے والے دردمند سے خوامخواہ کی ہمدردی ہو جاتی ہے اسے، اس لیے میری منصوبہ بندی ہمیشہ فیل ہو جاتی تھی، ہاں لیکن خطروں سے کھیلنے سے یہ ہوا کہ میں پولیس میں بھرتی ہو گیا، آج جو کچھ ہوں تجھے لیٹ ڈاؤن کرنے کی خباثت کی وجہ سے ہوں۔"

"بکواس نہیں مجھے تجھ جیسا اچھا دوست نہیں ملا آج تک نہ ملے گا۔"

"اچھا چاہے میں تجھے شوٹنگ پوائنٹ پر دھکیل کر پیچھے سے ہٹ جاؤں۔"

"ناممکن میری محبت سے تیرا دل خالی تو نہیں ہے تیری آنکھ بتاتی ہے یہاں میں ہی ہوں۔"

"اچھا اتنا حسن ظن ویسے آپس کی بات ہے میں نے شفٹ کر دیا ہے۔"

"کیا کسے شفٹ کر دیا ہے......" وہ پڑھتے پڑھتے چونک گیا اور وہ مسکرانے لگا۔

"یہاں اس سائیڈ سے تجھے شفٹ کر کے پے انگ گیسٹ کی جگہ خالی کی ہے جو سراسر پین گیسٹ بنے جا رہا ہے۔"

"محبت کا اثر لفظوں سے کھیلتا ہے! سچ بتا کسے دی ہے جگہ؟"

"میری آنکھوں میں جھانک لے معلوم ہو جائے گا کون ہے......" اس نے تولنے والی نظروں سے اسے دیکھا، پھر سنجیدگی سے بولا۔

"یہ فلرٹ ہے یا شادی کا کوئی ارادہ۔" اس نے گھونسا جڑ دیا کندھے پر پھر آنکھیں نکال کر بولا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے اسفند دلاور فلرٹ میں پی ایچ ڈی کر رہا ہے یار ہو کر تیرا یہ پوچھنا اچھا نہیں لگا بول بھی کسی غلط راہ کی طرف مڑتے دیکھا تو ہاتھ پکڑ کے کہہ میں محبت کے قابل نہیں پھر اگر میں محبت کا پیچھا لوں تو سزاوار۔"

وہ اطمینان سے اسے دیکھے گیا پھر سر ہلا کر بولا۔

"سیلف میڈ لوگوں کے گھر میں سورج دیر سے نکلتے ہیں، لیکن اگر گھر کا چراغ اتنا روشن ہو تو کوئی دل راستہ نہیں بھولا کرتا اسفی مجھے تمہاری پسند پر فخر ہے، تم واقعی دل والے ہو۔"

"ہاں مگر بات سے پہلے کہہ دینا یہ دل والا کار والا نہیں ہے، ایک سروس جیپ ہے، گھر تک حکومت کا ہے مگر گھر بنانے کی خواہش رکھتا ہوں، گاؤں میں کچھ زمین ہے نوکری سے رخصت ہوا تو ایک گھر ضرور تحفہ دے سکتا ہوں اسے، اس کے علاوہ میں زیادہ کا نہ طلب گار ہوں نہ دے سکتا ہوں، ایمانداری میرا ایمان ہے۔ اس لیے اصل میری پسند پر اگر وہ بھی خوش رہ سکے تو بات آگے بڑھانا ورنہ اپنے دل میں رکھ کر پی جانا اسے، میں حقیقت پسند ہوں، اس لیے سمجھتا ہوں محبت شادی کے بعد زیادہ پائیدار رہتی ہے کیونکہ بہت سے رشتوں کو سنبھال کر رکھنے میں پھر خود بخود محبت آپ کو سنوار دیتی ہے، ہم خوبیوں خامیوں سمیت ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں، اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہوتا اور پہلے کی محبت

میں تعلق صرف خوبیوں پر قائم ہوتا ہے، اس لیے خامیوں کی دھوپ دل کی محبت چھاؤں کو کھا جاتی ہے، تم سمجھ گئے ناں تم نے میرا کیس کیسے دائر کرنا ہے......" وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا، پھر مسکرا کر بولا۔

"آنٹی کی محنتیں رائیگاں نہیں گئیں تم واقعی حالات کی بھٹی سے کندن ہو کر نکلے ہو۔"

"ہاں مگر سونے کا بھاؤ آج کل کچھ گر گیا ہے، سوچ لینا یہاں بھی ذات کو گھاٹا نہ ہو جائے۔"

"بکواس......تو نہیں سدھر سکتا۔" وہ اس خیال سے متفق نظر آنے لگا، پھر کچھ دیر تو بیٹھا مگر پھر دفتر سے کال آنے پر ایمرجنسی کا راگ الاپتے ہوئے عازم سفر ہوا، اس کے جانے کے بعد اس نے ملیحہ آفریدی سے خود کو بات کرنے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا، پھر وہ اس سے بات کرنے ہی والا تھا کہ وہ اشمل سے مطمئن انداز میں لونگ روم میں بیٹھی بھاپ اڑاتے کپ کی دوسری طرف سے بولی تھی۔

"نہیں اشمل مجھے یہ شادی وادی نہیں کرنی میں اندر سے بہت کھردری ہو چکی ہوں، مجھے لگتا ہے میں سامنے والے سے انصاف نہیں کر سکوں گی۔"

"آخر کیوں تم ایسا کیوں سوچتی ہو، تمہیں اللہ نے اتنا اچھا دل دیا ہے پھر اچھا دل کسی کے ساتھ برا کیسے کر سکتا ہے۔" وہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھی سو جواباً ملیحہ پہلے اسے کتنی دیر تک دیکھتی رہی پھر ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔

"میں نے یہ بات کبھی کسی سے شیئر نہیں کی، لیکن تم سے کہتی ہوں میں اندر سے ڈری ہوئی لڑکی ہوں، مجھے محبت نے ڈرا دیا ہے یہ جن رشتوں میں سب سے زیادہ خالص اور بے ریا ہو سکتی تھی میں نے اسے ان ہی رشتوں میں لالچی اور نامرد پایا ہے سو مجھے لگتا ہے میں ساری زندگی اب اس پر اعتبار نہیں کر سکوں گی اور کسی کی زندگی کو اپنا سب کچھ سونپ دینے کی ہمت کرنا کار دشوار ہے، پھر میرے چاچو میری ایسی ذمہ داری ہیں جن کو میں کچھ خوشیوں پر بے مول تو کیا مول بھی نہیں اٹھا سکتی۔"

"تم بہت اچھی لڑکی ہو ملیحہ میرا دل چاہتا ہے تم ایک مکمل زندگی گزارو۔"

"مکمل زندگی! یہ تو تمہارا بھی حق ہے پھر کیوں تم زندگی کو اجازت نہیں دیتیں کہ سرخ جوڑا پہنے۔" وہ قدم موڑ گیا دو دل ایک دوسرے کے سامنے کھلے ہوئے تھے اور وہ ان کے اندر کے سچ کو سن کر بے ایمانی نہیں کر سکتا تھا اور وہ تھیں کہ اس سے بے خبر بیٹھی ہوئی دل کا حال کہہ رہی تھیں، نیا سوال کھڑا تھا، اس کے سامنے اور سوچ بہت پرانی کہانی کا در کھٹکھٹا رہی تھی۔

"میں گھر کی بڑی لڑکی ہوں بہت ذمہ داریاں ہیں میری، میں نے پندرہ برس سے محنت کا سفر شروع کیا تھا مگر اب تک سفر میں ہوں گھر کی ہر ذمہ داری سے میرا دامن بندھا ہے اور میرا جیون ان کے بیچ گھونٹ گھونٹ سانس کھینچ رہا ہے، میری ماں کہتی ہیں میں ان کی بیٹی نہیں ہوں اور میں بھی یہی سمجھنے لگی ہوں کہ میری تمنائیں اس رشتے کے ہاتھوں رہن ہیں میں تین بہنوں کی شادی کر چکی ہوں، میرے دو بھائی ہیں دونوں جاب کرتے ہیں، شاید اب گھر بھی بسا لیں مگر مجھ پر یہ خوشی اتاری ہی نہیں گئی، میری ماں کہتی ہے اگر میں نے بھی گھر بسا لیا تو ان کی ذمہ داری کون اٹھائے گا، بھائیوں نے اعلیٰ خاندان میں پیر جما لیے ہیں اس لیے اب وہ گھر نہیں آتے، میں ہی چراغ ہوں اس گھر کا۔" وہ چپ ہو گئی تھی اور جیون، خالی ڈھنڈار جیون بولنے لگا تھا۔

ملیحہ آفریدی اپنی اور اس کی زندگی سے حالات میچ کر رہی تھی دونوں کے دل محبت کے قبیلے کے فرد تھے اور محبت کرنے والے یونہی آنسو آنسو مرتے ہیں تاکہ دوسرے دل رنگ مہک بن کر جی سکیں، ملیحہ

آفریدی کو لگا تھا اشمل اس کے دل سے کہیں قریب آ گئی تھی۔

یہ کوئی بہت عام سا دن تھا، جب شہریار مرشد نے اسے اپنے کیبن میں بلوایا تھا، وہ گئی تھی تب اس نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''اگر کوئی چلچلاتی دھوپ میں ہو اور سایہ آ کر کہے وہ ساری دھوپ پی لے گا تو کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔''

اشمل نے چونک کر اسے دیکھا پھر مسکرا کر بولی۔

''آپ کا اشارہ کس مرد کی طرف ہے سر......'' شہریار مرشد بھی مسکرانے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔

''تم بہت ذہین لڑکی ہو تمہارے خیالات میں جانتا ہوں، مگر پھر بھی تمہارے کیس پر کام کر رہا ہوں، کیونکہ ایک اچھی زندگی ہر فرد کا حق ہے، لیکن اس وقت میں ایک بڑے بھائی کی حیثیت سے تم سے ملیحہ آفریدی کی متعلق تمہاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔'' اشمل کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں، پھر کپکپائے لہجے میں بولی تھی۔

''مجھے بہت اچھا لگتا ہے سر جب آپ مجھے اپنی زندگی کا اتنا قیمتی رشتہ سونپتے ہیں، میری عمر کی کمائی ہے سر۔'' وہ لمحہ بھر کو ٹھہری پھر ملیحہ آفریدی کے خیالات حرف با حرف کہہ سنائے۔ وہ سر ہلا کر گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔

جس دن میگزین کی کاپی گئی اس دن اس نے ملیحہ اور کافیہ دونوں کو اپنے روم میں بلایا۔

''خیریت سر......'' ملیحہ اس طرح بلائے جانے پر کچھ کنفیوز تھی مگر کافیہ مطمئن تھی اس کے مزاج کو سمجھتی جو تھی کہ وہ بے وجہ وقت ضائع کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

''مجھے معلوم ہے آپ بے حد ذمہ دار ہیں، لیکن آج کچھ گھومنے کا پروگرام ہے، ہمارے پیچھے اشمل ہے ناں وہ سب سنبھال لے گی، آج ہم کہیں انوائیٹ ہیں شام کی چائے پر۔''

''اچھا سر لیکن یہ صرف آپ دونوں کا انوی ٹیشن ہو گا میں بن بلائے مہمان نہیں بننا چاہتی۔'' اس نے صاف دامن بچانے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''پتا نہیں تمہارے لیے اس بات کی کتنی گنجائش ہے یا معلوم نہیں اس رشتے کو اپنی زندگی میں کیا اہمیت دیتی ہو، مگر مجھے تم اشمل کی طرح عزیز ہو تمہیں دیکھ کر جو تعلق دل نے بنایا ہے اس کی اہمیت صرف محسوس کرنے کی چیز ہے سو میں اسی حوالے سے کہتا ہوں تم ہر اس جگہ انوائٹ ہو جہاں میں انوائٹ ہوں، کافیہ، اسفند کی طرح میری بہت اچھی دوست ہے اور تم اشمل کی طرح میری بہن ہو۔ میرے پاس اپنے سوا کوئی رشتہ نہیں کیا یہ رشتہ مجھے مستعار نہیں دو گی۔''

مانگنے کے انداز میں دے دینے کا یہ ہنر صرف یہی شخص جانتا تھا کافیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے ملیحہ آفریدی خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑی تھی وہ آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد پولیس کالونی میں بنے ایک گھر کے سامنے رکے تھے۔

''اسفند دلاور......'' ملیحہ کا منہ بن گیا تھا کافیہ کو وہ شخص اس کی شرارتیں اچھی لگی تھیں اس لیے وہ ایکسائیٹڈ تھی، شام کے چار بج رہے تھے، مگر گھر میں ہو کا عالم طاری تھا، وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے، جب وہ صوفے پر بیٹھ کر سنجیدگی سے بولا تھا۔

''ایک شخص ہے اس کی زندگی میں تنہائی اور خاموشی کے سوا اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے کیا پھر بھی کسی

کا دل اس کی طرف نہیں مڑے گا......'' ملیحہ آفریدی چونکی تھی اور کافیہ نے اسے چونکتے دیکھ کر اس کی بات کی غرض و غایت جانی تھی، اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی اور وہ بولنے لگا تھا۔

''وہ شروع سے اکیلا ہے جب لوگوں کے رشتے دوست اتنے سارے ہوتے ہیں وقت کم پڑ جاتا ہے، میں تب سے اس کے ساتھ ہوں جب اس کے پاس وقت بہت سارا تھا اور محبت ماں کے سوا کہیں کسی چہرے میں نہیں تھی وہ شروع میں مجھ سے اسی بات سے چڑتا تھا کہ میرے پاس ہر رشتہ ہے اور وہ ہر رشتے، ہر بندھن سے تہی داماں ہے اسی خار کو وہ مجھ پر جھوٹ موٹ کی شرارت بھرے الزامات میں رکھ کر نکالتا تھا، میں اس کے اندر اتر چکا تھا، اس لیے کبھی اس سے دل نہیں موڑ سکا، پھر وہ ٹریننگ پر تھا، جب ماں نام کا حوالہ بھی چھن گیا وہ بہت تنہا ہو گیا تھا، تب اس نے تنہائی کا یہ مصرف نکالا ادھر آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔'' وہ ملیحہ کو ساتھ لیے گھر کا کونا کونا دکھاتا پھرا پھر بیڈ روم کے سامنے دہلیز پر جا رکا، پھر جذبات سے مغلوب آواز میں بولا۔

''گھر کے کونے کونے پر انکل آنٹی کی تصویریں ہیں میری محبتیں ثبت ہیں، یہاں یہ وڈیو کیسٹ ہیں یہی سب کچھ اس کا اثاثہ حیات ہے، کام سے تھک جاتا ہے تو یہاں آ کر ان یادوں سے زندگی میں رنگ بھرتا ہے پھر کیا برا ہے اگر وہ چاہے اس کی زندگی میں کوئی سچ رنگ بھر دے خوشیوں پر تو اس کا بھی حق ہے ناں اگر یہ خوشی وہ تم میں ڈھونڈ رہا ہے تو کیوں انکاری ہو۔'' کافیہ اس کے برابر کھڑی تھی، مگر وہ پتا نہیں وہاں تھی یا نہیں بس چپ تھی۔

''تمہاری اس چپ کو میں کیا سمجھوں۔'' ملیحہ آفریدی نے اس کے چہرے پر نظریں جما دی تھیں، پھر کرلا کر بولی تھی۔

''میں اندر سے بہت زیادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں، سر اس لیے میں وہ لڑکی نہیں ہو سکتی جو اسفند جیسے انسان کو سنوار سکے میرے گرد رشتے نہیں ہیں پھر میں کیسے ان کی حسرت کو محسوس کروں، اور یہ بھی تو ہے سر انہیں اور مجھے ہمدردی کی نہیں محبت کی تلاش ہے سو کھوجنے دیجئے ناں اس محبت کو ہمیں پھر پڑاؤ کرنے کے لیے عمر پڑی ہے۔'' شہریار مرشد کچھ نہیں بولا تھا چائے پی کر وہ اٹھ گئے تھے، پھر تیسرے دن کی بات تھی جب اسفند دلاور اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''تمہیں تمہاری محبت کھوجتی پھر رہی ہے اور تم دروازے بند کر کے کہتی ہو تم ابھی تک تشنہ کام ہو۔'' وہ نظر چرا گئی اور وہ بولا۔

''مجھ سے زیادہ تم جانتی ہو رشتوں کے بارے میں میرے پاس تو یہ کبھی تھے ہی نہیں لیکن تمہارے پاس تھے مگر وقت کے ہاتھوں چھن گئے۔ پھر تم اس بندھن کو زیادہ محسوس کرو گی یا میں، ملیحہ میں تو چاہتا ہوں میں جو خالی دامن ہوں، تمہارے اندر رشتوں کی بٹی ہوئی محبت کو ایک راستہ دوں اسے مجسم کر کے چھو لوں، پی لوں مرشد مجھے کل ملا تھا، اس نے کہا تم نے اسے انکار کر دیا، تب میں نے اس سے یقین بن کر کہا تھا تم کچھ بھی دے سکتی ہو کسی دل کو بس حسرت نہیں دے سکتیں، انکار نہیں دان کر سکتیں، کیوں کہ محبت نے بھی کبھی تمہیں انکار کیا تھا تم دل ٹوٹنے کی کسک جانتی ہو اس لیے دل نہیں توڑ سکتیں۔'' وہ کچھ نہیں بولی تھی ایک گھر کا خواب اندر ہی اندر برف کے نیچے سبز شگوفے کی طرح کسمسانے لگا تھا، اور وہ بالکل اس کے قریب آن رکا تھا۔

''ملیحہ تمہارے چاچو کی بابت مرشد نے مجھے بتایا میں نے انہیں دیکھا نہیں ہے، مگر مجھے ان کے

ہونے پر فخر ہے، کیونکہ وہ ہیں تو آج محبت ہے ایسے دل ہوتے ہیں تو محبت زندہ رہتی ہے، لیکن تم نے سوچا تم اپنی محبت کے سوا ان سے ہر محبت چھینتی جا رہی ہو وہ ایک انسان ہیں، آزاد انسان مگر تم انہیں قیدی بنائے ہوئے ہو کیا انہیں صرف ایک بیٹی کی محبت چاہئے، کیا دوست ساتھی اور معصوم چہکاروں کی محبت پر ان کا حق نہیں، تم نے سوچا کیا ایک گھر سے نکالے جانے پر، وقت اتنا ظالم تھا کہ وہ اولڈ ہوم جیسے در و دیوار کی نذر ہوئے تم نے کبھی ان کی آنکھوں میں جھانکا ہے ملیحہ۔'' وہ رکا پھر تڑپ کے بولا۔

''نہیں ملیحہ تم نے ان کی آنکھوں میں نہیں جھانکا ورنہ وہاں زندگی کی طرف کھلنے والی ایک کھڑکی کی حسرت تم سے چھپی نہیں رہتی، ایک چھوٹے سے گھر کے خواب ان کی آنکھوں کی کور میں سو گئے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں وہ خواب مر چکے ہیں تم انہیں اپنے گھر کی دہلیز کیوں نہیں دینا چاہتیں، ایک کمرہ ایک بیڈ ایک لیمپ آخر یہی کب تک زندگی کے کبھس میں انہیں گفٹ دو گی، تمہیں نہیں معلوم، لیکن تم تھکی زندگی کی بہت ساری تھکن اپنے ساتھ گھر لے جاتی ہو، خواب دیکھنے سے ڈرتی آنکھوں کی اوٹ سے پھر اس تھکن کو چاچو کے کمرے میں چھوڑ آتی ہو، نمکین پانیوں میں تیرتی تھکن، کیا صرف چاچو کا یہی نصیب ہے، ایک خوب صورت زندگی کیا ان کا حق نہیں یا تمہارا حق نہیں یا پھر میرے دل کا حق نہیں۔''

وہ پگھل کر بہنے کو تھی، نمکین پانی آنکھوں میں بھر آئے تھے اور وہ جانتا تھا وہ کتنا اچھا مقرر ہے سو اس کے دونوں کاندھے تھام کر بولا۔

''میں سیلف میڈ آدمی ہوں، نہ زمینیں ہیں نہ جائیداد نہ بینک بیلنس ہاں بس اچھا محبت کرنے ایمانداری پر کٹ مرنے والا دل ہے اور آنکھ کو خوبصورت گھر کے خواب دیکھنے سے میں نے کبھی نہیں روکا اور بس بے دردی یہاں آ کر ٹھہر گئی ہے بتاؤ ناں کیا کروں۔'' وہ جواب دینا چاہتی تھی، مگر جواب کی بجائے رونے لگی تھی، پھوٹ پھوٹ کر اور وہ آسودگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''رولو میں نے سنا ہے جب بارش کھل کر ہو جائے تو آسمان کا رنگ بہت شفاف اور پیارا لگنے لگتا ہے قوس و قزح کے ساتوں رنگ جھلملانے لگتے ہیں اور کسی کی آنکھ میں یہ رنگ دیکھنا سب سے دلکش منظر ہوا کرتا ہے۔''

''پلیز یہ آپ خواتین کے پرچوں والے ڈائیلاگ مت بولیے زندگی اتنی بہت دلکش نہیں اور آپ کی صنف وہ تو ویسے ہی ایسے ڈائیلاگ کو وقت کا زیاں سمجھتی ہے۔''

''ٹھیک ہی تو ہے بس بات سمجھ آنی چاہئے باقی سب خیر ہے، ہاں لیکن کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے یوں بھی موڈ بنایا جا سکتا ہے اچھا اب بتاؤ اپنی جیت کے ڈنکے بجوادوں یا منہ...ر کر لوٹوں......''

''چاچو سے جو کہنا چاہتے ہیں خود کہیے گا۔'' اس کا لہجہ کپکپا گیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''یعنی میرے خواب ادھورے نہیں رہیں گے۔'' وہ سر جھکا کر کام کرنے لگی تھی اور وہ شہریار مرشد کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

''جیت لیا میدان بس اب شادیانے بجوا ہی دو......'' لحہ بھر کو رکا پھر نفی میں سر ہلا کر بولا۔

''مگر نہیں یار یہ ممکن نہیں ہے......'' شہریار مرشد نے اسے دیکھا۔

''اب کیا مسئلہ ہے میری جان سب ہی کچھ تو ٹھیک پلان کے مطابق ہو چکا ہے......''

''ہاں سب کچھ ٹھیک پلان کے مطابق ہے، مگر تیرے بغیر میری شادی ہو ہی نہیں سکتی۔'' اس نے منہ...ر کے کہا تو وہ مسکرانے لگا۔

''عجیب گھامڑ آدمی ہے میں کہاں جانے والا ہوں بے فکر رہ، تیری پوری شادی کی ذمہ داری مجھ پر ہے اب تو ٹھیک ہے ناں۔''

''نہیں میرے شہریار مرشد تم میری بات کا مطلب نہیں سمجھے......'' وہ اسے جان کر گھیر رہا تھا اور وہ کام میں مصروف اس کی چال سمجھے بغیر نئی طرح دے بیٹھا تھا۔

''او بابا کیا ہے تمہاری بات کا مطلب اب مجھے سمجھا بھی دو۔'' وہ مسکرانے لگا پھر گلے میں بانہیں حمائل کر کے بولا۔

''ثانیہ حمید الدین کے بارے میں خیالات ابھی تک ایک جگہ فوکس نہیں ہوئے کیا۔'' کام کرتے کرتے یکدم اس کے ہاتھ رک گئے تھے۔

''تم...... تمہیں کیا لگتا ہے ثانیہ کا یہ ہجر میری بدولت ہے۔'' وہ جرح پر آمادہ تھا اور وہ واقعے کے اندر اتر جانے کا خواہاں۔

''تم نے بھی اس سلسلے میں مجھے اعتماد میں نہیں لیا، ہمیشہ شادی کے تذکرے پر یہی کہتے تھے تم کرنے پر آمادہ ہو تو میں بھی کر لوں گا شادی، اسی لیے تو میں آج موڈ بنا کر آیا تھا، آخر معاملہ کیا ہے ثانیہ سے میری پچھلے پانچ سال سے کوئی ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی وہ میرا فون ریسیو کرتی ہے گھر بھی بدل چکی ہے، لیکن تم نے آج تک اس کا نیا پتا نہیں دیا کیوں؟''

''پتا نہیں کیوں شاید وہ تم سے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی ہوگی۔''

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو، آخر بات کیا ہے۔ سچ بتاؤ کیا معاملہ ہے، شادی تو ہو نہیں سکتی ورنہ مجھے ضرور علم ہوتا پھر کسی ولن کے نہ ہوتے ہوئے اس دوری کا مطلب......'' وہ اس کے چہرے کو تکنے لگا پھر خاموشی سے اٹھ گیا۔

کافیہ اور وہ اپنے پروجیکٹ میں مصروف تھے، بڑی پرانی فائلیں کھل رہی تھیں، بڑے بڑے نام سامنے آ رہے تھے، جو جیل میں عورتوں کی زبوں حالی اور جبراً قید رکھنے کے مجرم تھے، کافیہ کا قلم ہر کہانی کی آسان لفظوں میں بیانیہ منظر کشی کر رہا تھا۔ شہریار مرشد کی فوٹو گرافی اس پر سہاگہ تھا، بہت مخالفتیں اور دھمکیاں آ رہی تھیں، مگر وہ اپنے کام میں مصروف تھے۔ ملیحہ آفریدی ان کے ہمراہ تھی اور اسفند دلاور ان کی مضبوط بیک بنا ہوا تھا، لیکن اس مصروفیت کے باوجود اس کے اندر خیالات کا طومار بندھا ہوا تھا وہ موقعے کے انتظار میں اور اس کی جاسوسی پر آمادہ بھی تھا، اس لیے وقت بہت لطف گزر رہا تھا۔

یہاں تک کہ اسے ایمرجنسی کال آ گئی، اس نے ریسیو کی آج کل مصروفیت کی وجہ سے شہریار مرشد بہت کم دفتر میں رہتا تھا اور وہ آج بہت غیر متوقع اس کے دفتر آیا تھا۔

''ہیلو میں ثانیہ بول رہی ہوں، کیا تم آ سکتے ہو میرے پاس میرے گھر۔'' وہ خاموش رہا کیا کہتا کیا نہ کہتا اور وہ خود سے بولی۔

''مجھے معلوم ہے پچھلی بار تم مجھ سے بہت ناراض ہو کر گئے تھے، لیکن اس بات کو ایک ڈیڑھ ماہ ہو گیا ہے، کیا ابھی تک تمہارا غصہ نہیں اترا پلیز میرے گھر چلے آؤ میں ممی سے ملنے ہاسپٹل جانا چاہتی ہوں ڈرائیور کہیں گیا ہوا ہے، سنو ناراضگی میں میرے گھر کا پتا تو نہیں بھول گئے۔'' اس نے ریسیور رکھ کر سی ایل آئی پر نمبر دیکھا اور اگلا نمبر گھما کر گھر کا پتا معلوم کرنے کی سعی کی پھر پانچ منٹ بعد ہی وہ بتائے گئے پتے پر جا رہا تھا، پانچ سال کی خاموشی کو لفظ ملنے والے تھے، دروازہ واچ مین نے کھولا تھا وہ ایک ملازم کے ہمراہ

ڈرائنگ روم تک پہنچا تھا وہ جذباتیت کے تحت آ تو گیا تھا لیکن سوچ رہا تھا اگر ثانیہ نے پہچاننے سے انکار کر دیا خفگی میں، تو کافی سبکی ہوگی، لیکن وہ جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو وہ دروازے کو ہی دیکھ رہی تھی، لیکن اس کے دہلیز پر خاموشی سے آن کھڑے ہونے پر بھی اس کے انتظار میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

''بے بی یہ صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''کرم دین کس صاحب کی بات کر رہے ہو میں نے تو تمہیں صرف مرشد کے آنے اور عزت سے اسے لانے کا حکم دیا تھا۔''

''ثانی میں اسفند ہوں۔ اسفند دلاور کیا تم مجھے بھول گئی ہو۔'' اب وہ کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا، اس کے سامنے کھڑے ہونے کے باوجود اس کی انتظار کرتی آنکھیں۔

''اسفندر دلاور...... میں کسی اسفند دلاور کو نہیں جانتی، آخر تمہیں جرأت کیسے ہوئی میرے گھر آنے کی تم...... تمہیں میرے گھر کا پتہ کیسے معلوم ہوا۔''

''یہ بعد کی باتیں ہیں چلو میں تمہیں ہاسپٹل لے جاؤں...... نہیں کرم دین تمہیں ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں، میں کوئی مجرم نہیں ہوں، علاقے کا ایس پی ہوں، اس لیے مطمئن رہو میں تمہاری بیگم صاحب کو بہت حفاظت سے گھر ہی چھوڑ جاؤں گا۔'' اس نے اپنا آئی ڈی کارڈ دکھا کر مطمئن کرنا چاہا، مگر ملازم ضرورت سے زیادہ وفادار تھا۔'' بی بی صاحب کیا حکم ہے۔''

''ٹھیک ہے کرم دین میں ہاسپٹل اسفند کے ساتھ ہی جا رہی ہوں، پپا کا فون آئے تو بتا دینا۔'' اسفند دلاور نے اس کی پیشوائی کی مگر وہ گھر کے چپے چپے سے ایسے واقف تھی کہ کیا آنکھ والا ہو سکتا تھا۔

''تمہیں شاید میری امپرومنٹ پر حیرت ہو...... تمہارے سامنے میں کسی چیز سے ٹکراتی نہیں۔'' وہ پتا نہیں کیا جاننا چاہ رہی تھی کیا اپنے بارے میں اس کی رائے یا شاید اس سے پہلے روا رکھے جانے والے رویے کی معذرت وہ بھی خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

''تم نے کچھ نہیں کہا کیا مجھ سے ناراض ہو۔''

''نہیں اچھے دوستوں سے میں کبھی ناراض نہیں ہوتا اور بہت اچھے دوستوں کے بہت دل کے قریب چہروں سے تو بالکل نہیں ہاں یہ ضرور پوچھنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں کہ تم مرشد سے کیوں خفا ہو۔''

''مرشد سے میں ناراض نہیں ہوں، بس ویسے ہی کبھی کبھی میٹر ڈاؤن ہو جاتا ہے۔'' صاف واضح تھا وہ اِس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی اور یہ بات اس جیسے زیرک بندے سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔

''آنٹی ہاسپٹل میں کیوں ایڈمٹ ہیں۔''

''ویسے ہی ڈاکٹر سے ملنے کا شوق تھا اس لیے چلی گئی ہیں، وگرنہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے۔''

''یہ تم مرچیں کیوں چبا رہی ہو۔'' وہ چڑنے لگا تھا۔ اور وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے ہونٹ چباتے ہوئے بولی تھی۔

''جب میں نے فون مرشد کو کیا تھا تو اس نے تمہیں کیوں بھیجا، کیا وہ کوئی بہت بڑا پولیٹیشن ہو گیا ہے، سماج چلاتے چلاتے وہ اس قدر ڈرائی بھی ہو سکتا ہے میں نہیں جانتی تھی۔'' غلط فہمی نری غلط فہمی تھی، جو شہریار مرشد کی زندگی میں زہر گھولنے والی تھی اس لیے اس نے گلا کھنکار کے اصل صورت حال بتانے کی کوشش کی۔

''وہ اس وقت دفتر میں نہیں تھا، فون میں نے ریسیو کیا تھا تمہارا پتا بھی ٹیلی فون ڈیپارٹمنٹ سے

پوچھ کر آیا ہوں، لیکن تمہیں میرے خلوص کی کوئی قدر نہیں ہے، پہلے تو تم اتنی ناقدری نہیں کرتی تھیں محبت کی۔'' وہ خاموش رہی تھی۔

''تم کچھ نہیں بولو گی آخر ایسا کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ کہ تم اتنی کھردری ہو گئی ہو۔''

''تم مجھے دیکھ کر پوچھ رہے ہو، میرے ساتھ کیا ہوا ہے، میں فطرت سے محبت کرتی تھی، مصور تھی اور مجھ سے...... ایک حادثے نے سب کچھ چھین لیا دے دینا اور ہوتا ہے اس میں انسان میں نرمی پیدا ہوتی ہے، لیکن کسی سے زبردستی چھین لینے سے انسان ایسا ہی روڈ ہو جاتا ہے جیسی میں، میرے کتنے خواب تھے زندگی کے بارے میں، مگر ان بے وقوف بچوں کی وجہ سے۔''

''کون سے بے وقوف بچے......'' وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ بے تاثر بول رہی تھی۔

''ماں باپ کی دولت کے بل پر آوارہ گردی کرتے ہوئے بے وقوف بچے، انہوں نے سیکنڈری کلاس بھی پاس نہیں کی تھی اور ماں باپ نے انہیں گاڑی کی چابی دے کر کہا تھا جاؤ اگر نقصان کر دیا تو بھی تمہارے باپ کے پاس اتنا ہے کہ وہ نقصان پورا کر سکتا ہے اور بس ایک موڑ کاٹتے ہوئے بالکل اچانک غلط ٹرن لیتے ہوئے انہوں نے میری کار کو ٹکر مار دی، فل اسپیڈ کا دھچکا میری کار پول سے ٹکرا کر الٹی ہو گئی، پھر مجھ پر سے جو قیامت گزرنی تھی گزر گئی اور جاگنے پر کھلا وہ شام میری زندگی کا ہر رنگ ادھار کی طرح جبراً اٹھا لے گئی تھی، میں خالی ڈھنڈار ہو گئی تھی، تب میں نے خود سے سمجھوتہ کرنا سیکھا میں نے کلاسز لیں، بریل کی میں نے نئے سرے سے زندگی ڈھونڈی اور آج! آج میں بریل انسٹی ٹیوٹ میں ٹیچر ہوں، لیکن یہ وہ زندگی نہیں ہے جس کے میں نے خواب دیکھے تھے، میں نے پتا نہیں کیا کیا سوچا تھا مگر ساری لکیریں سب خالی ہو گئیں۔''

''تم خفا ہو ایک حادثے نے تمہیں ساری دنیا سے خفا کر دیا ہے۔'' وہ ہاسپٹل آ چکے تھے وہ گاڑی کو اچھی جگہ دیکھ کر پارک کر رہا تھا، اس لیے وہ خاموش رہی تھی، وہ ہاسپٹل میں داخل ہوئے تھے، آنٹی سلیمہ اسے شناسا نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

''تم...... اگر میں غلطی نہیں کر رہی ہوں تو تم اسفند ہو ناں مرشد کے دوست۔''

''یہ اسفند دلاور ہے مما اور اتنا مکمل ہے کہ اسے مرشد کی ذات کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ چونک کر پلٹا اس کی آنکھیں ساکت تھیں، مگر چہرے پر مکمل بے زاری چھائی ہوئی تھی، حالانکہ ایک وقت تھا مرشد کے اسی نام سے اس کے چہرے پر رنگ بکھر جاتے تھے۔

''بس کچھ عمر ہو گئی ہے اور کچھ اس لڑکی کا غم کھائے جاتا ہے، میری زندگی میں کسی کی ہو جائے تو سکون سے مر سکوں گی، لیکن اس نے تو شادی کا معاملہ ہی ختم کر دیا ہے، کہتی ہے زندگی اب اکیلی ہی گزارنی ہے، آپ کو میری خوشی رکھنی ہے، دیکھنی ہے تو اس معاملے کو ختم سمجھیں، مگر میں ماں ہو کر کیسے اسے اس کے حال پر چھوڑ دوں، دیکھو اس لڑکی کی وجہ سے ہی مجھے شوگر ہو گئی ہے۔''

''پلیز مما شوگر آپ کے میٹھا کھانے کی وجہ سے ہوئی ہے، میرے دکھ کا چرچا مت کریں۔''

''شٹ اپ ثانی بی ہیو یور سیلف یہ طریقہ نہیں ہے ماں سے بات کرنے کا......'' وہ بڑبڑا کر چپ ہو گئی تھی، اور وہ ان کی دل دہی میں لگ گیا تھا، مرشد کا موبائل ٹرائی کر کے اسے بھی پیغام ڈکٹیٹ کروا چکا تھا آدھے گھنٹے بعد رابطہ ہوا تھا، آنٹی سے بات کر کے وہ اپنی مجبوری بتا رہا تھا اور وہ اس کے اتنے کام کرنے پر اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

''تم دونوں مل کر ستا رہے ہو، دیکھ لینا پچھتاؤ گے میرے بعد۔''

''اللہ نہ کرے آنٹی ایسا کچھ نہیں ہوگا، آپ بے فکر رہیں، آپ کی نک چڑھی کے لیے میرے علاوہ اوپر والے نے کوئی اور پیس نہیں بنایا وہ ضدی ہے تو میں مہا ضدی ہوں، نہیں......بس یہاں سے نمٹ کر میں ہاسپٹل آتا ہوں، آپ نے مما کو فون کر کے بلوالیا ہوتا، تھوڑی ڈھارس رہتی، رکیں میں خود فون کردوں گا، آپ بس اپنے آپ کو سنبھالے رکھیں آپ ٹھیک رہیں گی تو دعاؤں کا سلسلہ رہے گا نا مضبوط، وگرنہ سوچ لیجئے کتنے دشمن ہیں آپ کے بیٹے کے آپ کی کوتاہی اور میری فوتگی۔''

''بس بس جان مت جلاؤ میری ٹھیک ہوں میں اور دعائیں بھی کرتی رہتی ہوں، بس تمہیں اللہ ثابت قدم رکھے۔'' دعا سلام کے بعد موبائل آف کر دیا اور وہ کمرے میں رکھے صوفے پر ٹک کر اسے دیکھے گیا۔

''آخر تمہارا کیا مسئلہ ہے تم مرشد سے کیوں شادی نہیں کرنا چاہتیں۔''

''تم اگر اس کے دفتر کے ماحول سے واقف ہو تو مجھ سے یہ سوال ہرگز نہیں کرتے۔''

''آخر کیا ہوا ہے اس کے دفتر کا ماحول مجھے تو اچھا خاصا بلکہ بہت پیارا لگتا ہے۔'' وہ طرح دے گیا اور وہ چڑ کر بولی۔

''یقیناً جس دفتر میں لڑکیوں کی اتنی کھیپ ہو وہاں کوئی برا کیسے محسوس کر سکتا ہے، حسن و خوب صورتی سے آنکھیں سینکنا کسے برا لگتا ہے۔''

''ثانیہ تم بہت زیادہ غلط سوچ رہی ہو میں مانتا ہوں تم اس کے دفتر کی کسی لڑکی کو نہیں جانتیں لیکن تم شہر یار مرشد کو تو جانتی ہو نا پھر یہ باتیں ان کا کیا مقصد ہے۔''

''صرف اتنا ہی کہ میں شہر یار مرشد جیسے انسان سے شادی نہیں کر سکتی، وہ فلاح کی آڑ میں صرف اپنی زندگی کا وقت حسین لڑکیوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے اور آج کل......آج کل تو ایک اور لڑکی کے نام کا شہرہ ہے اس کے ساتھ، ہاں کیا بھلا سا نام ہے کافیہ سجاد اچھی لکھاری ہے، لیکن انسانوں کی پہچان نہیں ہے اسے۔''

''کافیہ سجاد ایک شادی شدہ لڑکی ہے، اس کا ایک گھر ہے اولاد ہے، تمہیں مرشد کے ساتھ اس کا نام نتھی نہیں کرنا چاہئے وگرنہ تم میں اور ایک گنوار لڑکی میں کیا فرق ہوگا، ثانیہ ہم بچپن سے ساتھ ہیں، کیا کبھی تم نے شہر یار کو اس سمت دوڑتے پایا ہے، جواب اس پر الزام دھر رہی ہو۔''

وہ کچھ نہیں بولی تھی اور وہ اٹھ گیا تھا دروازے سے باہر نکل رہا تھا، جیپ میں بیٹھنے والا تھا کہ شہر یار مرشد کی کار رکی تھی، کافیہ سجاد اس کے ساتھ تھی وہ سر جھٹک کر ثانیہ حمید الدین کی باتوں کا تاثر زائل کرنا چاہتا، مگر دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھ کر بار بار اس کے جملے اسے ڈنگ مار رہے تھے۔

''تم یہاں؟ جا رہے ہو!''

''نہیں آ رہا ہوں، خیریت کہاں مصروف تھے۔'' اس کا لہجہ خوامخواہ تپ گیا تھا، جب وہ غصہ صحیح نکال نہیں پاتا تھا تو ایسے ہی شاندار موڈ میں ہوتا تھا۔

''کس بات سے خفا ہو کیا ثانیہ سے ملاقات کر بیٹھے ہو۔'' وہ کتنی جلدی جان گیا تھا، حقیقتاً وہ واقعی اس لڑکی کو اس کے دل میں اتر کر جان چکا تھا، مگر وہ لڑکی اپنی بے وقوفانہ سوچ کے ہاتھوں تنگ تھی۔

''سنو اسفی تم کافیہ کو ان کے گھر ڈراپ کر دو گے۔'' وہ بالکل ٹھیک فیصلے پر پہنچا تھا جس موڈ میں اس وقت ثانیہ تھی کافیہ سجاد کو دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو جانا لازمی تھا اور اپنے ساتھ اور دوسروں کا موڈ برباد کر دینا

بھی لازمی تھا، سو اس نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔

''چلیے میں وہیں سے گزروں گا۔'' کافیہ سجاد نے خاموشی سے اسے خدا حافظ کہہ کر اس کی جیپ کی طرف قدم بڑھا دیے تھے، پھر وہ گاڑی باہر نکال چکا تھا، جب کافیہ نے سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

''کیا مسز مرشد بہت زیادہ غصیلی ہیں کسی کی بھی پروا نہیں کرنے والیں۔''

''ہاں وہ کچھ ایسی ہی ہیں، آپ بتایئے آپ آج کہاں مصروف تھے دونوں۔''

''وہ ایک اچانک کیس آ گیا تھا شوہر نے بیوی کو تیزاب سے جلا دیا تھا، پسند کی شادی تھی، مگر گھر کی پریشانیوں سے تنگ آ کر اس نے بیوی پر غصہ نکال ڈالا، لڑکی تو بری طرح جل گئی ہے اسفند اگر آپ اسے دیکھیں ناں تو کانپ جائیں، اس کی گردن کا سارا حصہ پگھل گیا ہے، چہرہ مسخ ہو گیا ہے، لیکن وہ لڑکی ابھی زندہ ہے، پڑوسیوں نے اس کیس کی اطلاع سماج کو دی تھی، ہم وہیں گئے تھے، شواہد جمع کرنے کیس کی ایف آئی آر درج کرانے سے لے کر ملزم کی گرفتاری کی بابت سرگرمی، بہت بکھیڑے تھے، لڑکا دراصل ایک سابق ایم این اے کا بیٹا ہے اور لڑکی مڈل کلاس فیملی سے تعلق رکھتی ہے، ہمیں اتنی دیر ہو گئی آپ بور تو نہیں ہو رہے مسٹر اسفند......'' وہ بولتے بولتے رک گئی ہاتھ کے اشارے سے صرف رائٹ لیفٹ بتا رہی تھی، مگر اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی اور وہ آنکھوں میں تحسین لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ واقعی ایک اچھی انسان ہیں، آپ اور مرشد جیسے لوگ پوری قوم کا آدھا فیصد بھی ہو جائیں ناں تو یہ ملک سنور سکتا ہے۔'' وہ پھیکی ہنسی ہنس کر رہ گئی۔

قامت میں کوئی دوسرا ہم سا نہیں نکلا
ہم لوگ ہر اک عہد میں مصلوب ہوئے ہیں

ذہن میں مرشد کا دہرایا شعر گونجنے لگا تھا وہ اتر چکی تھی، ٹیرس سے عذیر حسان اسے گھور رہا تھا، اسفند دلاور نے اس کے چہرے کی کبیدگی سے اندازہ لگایا تھا، اسے اس طرح ڈراپ کیا جانا پسند نہیں آیا، وہ شہر یار سے اس کی بابت سب جانتا تھا، اس لیے اس کی قدر اور عزت اس کے دل میں کہیں زیادہ تھی، وہ جیپ موڑ چکا تھا اور دل کے اندر کہیں اپنے کالج فیلو خادم ایاز کی سنائی نظم گونج رہی تھی، وہ بھی ایک کمال لڑکا تھا، جو کماتا تھا سب پر نچھاور کر دیتا تھا اور اس میں دوست دشمن کی تمیز نہیں تھی گھر کوئی نہیں تھا مگر سب کے دلوں میں رہتا تھا، ہر وقت دل و جان سے ہر کسی کی مدد کو آمادہ ملتا تھا، پھر ایک دن ایک ایکسیڈنٹ میں کسی بس کو آگ لگی تھی اور وہ فٹ بورڈ پر کھڑے ہونے کے باوجود بس سے دور نہیں بھاگا تھا بلکہ اندر گھس کر لوگوں کی جانیں بچا رہا تھا، پھر کیسے وہ آگ کی لپیٹ میں آیا بچ نہیں پایا، سب ہراساں کھڑے رہ گئے دو تین افراد نے جان پر کھیل کر اسے باہر نکالا مگر اس وقت تک وہ پچاس فیصد جل چکا تھا، تین دن موت د زیست میں رہ کر خالق حقیقی سے جا ملا اور آج بالکل اچانک اسے خادم ایاز یاد آ گیا تھا، کافیہ سجاد کی بھی تو یہی کہانی تھی، وہ ایک مخالف ماحول میں جی رہی تھی اور بہت سے ناموافق حالات میں جیتی زندگیوں کو اس جھلستی آگ سے نکال رہی تھی، تل تل خود جل رہی تھی، لیکن دل کی ضد تھی کہ ہر ایک پر بارش کی طرح برسنا اور سائے کی طرح چھا جانا تھا وہ اسے سوچ رہا تھا اور دل خادم ایاز کی نظم دہرا رہا تھا۔

کم ہیں لوگ درختوں جیسے
خود ہو جن پر دھوپ کی چادر
اوروں پر ہو اس کا سایہ

دل اور وہ دونوں متفق تھے اور وہ سماج کی طرف سے بنائے جانے والی ورکر کالونی کی طرف اڑا جا رہا تھا، جہاں اس نے چاچو سے ملیحہ کا ہاتھ مانگنا تھا وقت یکدم خوب صورت ہو گیا تھا، پھر جب جواب ہاں میں ملے تو دل کی خوشی الگ بات تھی، سب سے پہلے اس نے یہ خوشی رات گئے شہریار مرشد سے شیئر کی تھی، وہ بہت مسرور ہوا تھا، ملیحہ کو اس نے مبارک باد دی تھی، لیکن ریسیور رکھ کر پلٹا تو اسے موڈ آف کیے پایا تھا۔

''خیریت یہ تمہیں کیا ہوا میٹر کیوں ڈاؤن ہے۔''

''بس ویسے ہی کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' وہ صاف چھپا گیا مگر شہریار مرشد کے لیے وہ ایک کھلی کتاب کی طرح تھا۔

''تم مجھ سے کچھ نہیں چھپا سکتے آخر بتاؤ کیا معاملہ ہے۔''

''ثانیہ بالکل بدل گئی ہے پہلے یہی لڑکی فلاح و بہبود کے کاموں پر جان دیتی تھی، میرے جھوٹ موٹ کے تمہاری طرف منسوب عشق کے قصوں پر جی کھول کر ہنستی تھی، کہتی تھی تم جس قدر جھوٹ بولتے ہو اس قدر مجھے شہریار مرشد پر یقین بڑھتا جاتا ہے ساری دنیا بھی مل کر کہے مرشد فلرٹ کرتا ہے تو میں کہوں گی وہ اگر ایسا ہے مجھے تب بھی قبول ہے، کیوں کہ وہ شہریار مرشد ہے، دکھی انسانیت کا خدمت گار اور مجھے اس سے اسی لیے محبت ہے کہ وہ اس خدمت کے جذبے میں ہر جذبے کو بھول جاتا ہے، حالانکہ کبھی کبھی اسے میں بھی یاد نہیں رہتی، لیکن مجھے اچھا لگتا ہے، پھر......؟

پھر وہ اتنی کیوں بدل گئی ہے، آنکھیں چلی جانے سے دل محبت کا چہرہ بھول جاتا ہے نہ اس کی فطرت و کردار پر انگلی اٹھاتا ہے وہ اس حادثے سے اس قدر کیوں بدل گئی ہے۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

''وہ کہتی ہے اب مجھے شادی کر لینی چاہئے میری آئیڈیل عمر گزر رہی ہے شادی کی۔''

''یعنی ......؟'' اس نے اگلا سوال داغا اور وہ صوفے پر آن بیٹھا۔ پھر پشت گاہ سے سر ٹکا کر ڈھیلے لہجے میں بولا۔

''وہ صرف اتنا برا رویہ اس لیے اپنائے ہوئے ہے تاکہ میں اس سے بددل ہو جاؤں پانچ سال سے وہ اسی روش پر قائم ہے اسے لگتا ہے میں بھی انسان ہوں اس لیے کبھی نہ کبھی بلا آخر اپنا راستہ بدل لوں گا، مگر وہ نہیں جانتی میرے دل کا ہر راستہ صرف اس تک ہی جاتا ہے۔''

''لیکن وہ تمہیں بددل کیوں کرنا چاہتی ہے یہ سوال اٹھتا ہے۔'' وہ قریب ہو بیٹھا اور اس نے گھور کے دیکھا تو کہا۔

''نہیں سوال یہ اٹھتا ہے تمہیں یہ ستارے کس نے لگائے تمہاری ذہانت کا معیار تو بہت خطرناک ہے۔'' لمحہ بھر کو رکا پھر دکھ سے بولا۔

''وہ پاگل لڑکی سمجھتی ہے وہ اب میرے قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتی تو اسے میرے ساتھ چلنے کا کوئی حق نہیں ہے، اس نے میرے اس سماج کے خیال کو رنگ دیے تھے ہمارا مونوگرام تک اس نے ڈرا کیا...... سماج کالونی ویلفیئر کا جو کام اسٹیپ بائی اسٹیپ اب میں کر رہا ہوں وہ سب اس نے ہی ایک خواب کی طرح مجھ میں پھونکا میرے دل میں بویا، پھر میں کیسے مان لوں کہ میری بے جا مصروفیات اور اپنے دفتر کی فی میل ورکز سے تعلقات کے تحت میں اس کی نظر میں معتوب ہوں، تمہیں پتا ہے یہ ثانیہ کا خیال تھا مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں ممتا محبت خدمت اور ایمانداری اور کام کرنے کی لگن سب سے

زیادہ ہوتی ہے، اس لیے تم سماج میں فی میل اسٹاف سب سے زیادہ رکھنا، حالات کے ہاتھوں ٹھوکر کھائی ہوئی عورت ہی عورت کا انسانیت کا اور معاشرے کا دکھ سمجھ سکتی ہے، تم اس کے اندر حالات سے ناراضگی اور جبر سے نفرت کو اس سماج کی تھرو مثبت استعمال کرنا وہ تمہیں بہترین رزلٹ دیں گی۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا، اور وہ بیڈ کی دراز سے پلندا نکال کر اس کے سامنے ڈال کر بولا تھا۔

''اگر اسے مجھ سے میرے کام سے میرے کام کے طریقے یا میری ورکر ساتھی لڑکیوں سے پرخاش ہوتی تو وہ اس طرح سماج کی اور میری کامیابیوں کی خبروں کی کٹنگ سنبھال کر نہیں رکھتی، وہ یہ سارا کام ابھی تک کر رہی ہے اس کی ممی نے بتایا وہ میری ہر خبر کو بریل رسم الخط میں ان کی زبانی لکھتی ہے اور پھر بار بار پڑھتی ہے کیا نفرت کرنے والوں کو کوئی اس طرح دل سے لگا کر رکھتا ہے۔'' بات اور دلیل دونوں مضبوط تھے اور اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اس کے دل سے محبت کی یہ نہر نکال کر رہے گا۔

اور پھر واقعی وہ سچا محب صادق ہی بن گیا تھا سچی جھوٹی، کھٹی میٹھی باتوں کے ہنڈولے میں اسے جھلائے پھرتا تھا اس کی تلخ سے تلخ بات کو ہنس کر ٹال جاتا تھا، یہاں تک کہ ڈیوٹی کے ساتھ ساتھ یہ دل سے محبت کی نہر نکالنے کی کوشش کامیاب ثابت ہوئی تھی، کچھ مہینوں بعد دماغ کی اوور ہالنگ کے بعد وہ سمجھ سکی تھی کہ وہ زندگی کا بہت اچھا وقت جو مرشد کو دے سکتی تھی اس کے ساتھ مل کر سماج تنظیم کو دے سکتی تھی، وہ اس نے گنوا دیا تھا، وہ آج لنچ کے لیے نکلے تھے، وہ کار میں بیٹھی تھی اور وہ اندر اسے لینے گیا تھا۔ لنچ ٹائم میں کافیہ سجاد ملیحہ آفریدی، اشمل بھی ساتھ نکلی تھیں، تب اس نے چونک کر دیکھا تھا۔

''یہ اسفی کی جیپ میں کون محترمہ تشریف فرما ہیں۔'' اشمل نے لہجے کی کاٹ محسوس کر کے فوراً غلط فہمی دور کی۔

''یہ ثانیہ صاحبہ ہیں اپنے شہریار مرشد کی منگیتر یہ دونوں ایک دوسرے کے بہترین دوست ہیں، مگر بس جب سے ثانیہ بی بی بصارت سے محروم ہوئی ہیں، تب سے کچھ چڑچڑی اور غصہ ور ہو گئی ہیں۔''

''ثانیہ صاحبہ اور بصارت سے محروم۔'' کافیہ کو دھچکا لگا تھا، ملیحہ کے چہرے پر بھی ہمدردی آ گئی تھی، اس لیے اشمل کے منع کرنے کے باوجود دونوں اس سے علیک سلیک کرنے آگے بڑھ گئی تھیں، ثانیہ نے ان لوگوں کے نام سنے تو جیپ سے اتر کر دفتر کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر ان کے کام کو سراہنے لگی، آج اس کا لب و لہجہ بالکل مختلف تھا، وہ تینوں باتوں میں مگن تھیں، جب شہریار اور اسفند دلاور اندر سے برآمد ہوئے۔

''خیریت یہ اتنی ساری خواتین مل کر ہم مردوں کی گوشمالی کا کون سا پلان بنا رہی ہیں بھئی۔''

اشمل، کافیہ، ملیحہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''کچھ بھی نہیں سر ہم تو بس ایسے ہی باتیں کر رہے تھے۔'' ملیحہ نے صفائی دینے میں پہل کی اور اسفند دلاور ہنسنے لگا۔

''واہ بھئی تیرا رعب، میری ہونے والی کتنا ڈرتی ہے تجھ سے اتنا تو کبھی مجھ سے نہیں ڈری۔''

''پلیز آپ پہلے مرشد بھائی کے مقابلے کا کوئی کام کر کے آئیں، پھر جھاڑیے گا رعب۔'' ملیحہ سے اتنی توقع اسے نہیں تھی، مگر اسے اتنے ریلیکس ہو کر اس کا بات کرنا اچھا لگا تھا، بالآخر یہ اس کا دیا گیا اعتبار اور یقین ہی تو تھا جو اس کی ذات میں اس قدر اعتماد آیا تھا۔ بہر حال فیصلہ ہوا تھا وہ سب مل کر کسی اچھے سے ہوٹل میں لنچ کریں گے، سب کی رائے گولڈ اسٹار کی طرف تھی، یہ نیا ہوٹل تھا، ابھی ایک ہفتہ پہلے اس کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی تھی، سنا تھا بہت اچھا ہے، سو شہریار مرشد کی کار اس سمت اڑی جا رہی تھی، سب

نے بہت انجوائے کیا تھا اس ڈنر کو اچانک انہیں اپنے اردگرد زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوئے، ان سب نے بمشکل جان بچائی تھی، گلاس وال سے گولیاں بارش کی طرح برس رہی تھیں، کئی منٹ تک یہ سلسلہ جاری رہا تھا، اسفند کے رنگ کرنے پر موبائلز آئی تھیں، مگر حملہ آور جا چکے تھے سب خیریت سے تھے، بس کافیہ سجاد کا بازو چیرتی ہوئی ایک گولی نکلتی چلی گئی تھی۔

''یہ صرف دھمکی تھی ورنہ جس طرح لاعلمی میں ہمیں ٹریپ کر کے گولیاں برسائی گئی ہیں ہم میں سے کسی کا بچنا بھی ناممکن تھا۔'' سب شہریار مرشد سے متفق تھے، پھر وہ ایف آئی آر درج کروا کر قریبی ہاسپٹل میں کافیہ سجاد کی بینڈج کے لیے رکے ہوئے تھے، جب شہریار مرشد کے موبائل پر بیپ ہوئی۔

''یس ہیلو......'' نمبر کی ترتیب بتا رہی تھی وہ کسی بوتھ کا نمبر تھا اور ثابت بھی یہی ہوا تھا۔

''بہت تیز دوڑنے والے منہ کے بل گرتے ہیں کیا یہ ضروری ہے یہ پورا قافلہ ہی موت کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔'' اسفند دوسرے موبائل سے بوتھ کی لوکیشن جاننے کی تگ و دو میں تھا، مگر ناکام رہا تھا، تب دو دن بعد کھلا تھا یہ سابق ایم این اے کی کوشش تھی، شہریار مرشد نے اسفند کے کہنے پر ادھوری کہانی کے ساتھ اپنی جان جانے کا خدشہ اس حملہ کا اس سے تعلق واقعات اور چند گواہیوں کے تحت پرنٹ کر دیا کافیہ نے اس کا مقصد پوچھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''سامنے کی بات ہے اسفند کی دماغی چالوں کے تحت ان جھوٹی گواہیوں کے باوجود ہم سچے تو ہیں ناں، اس لیے ہمارا ضمیر مطمئن ہے رہا اس سارے معاملے کو پریس میں لانے کا تو اس سے دو فائدے ہوئے ہیں، ایک تو ایم این اے محتاط ہو جائے گا، دوسرے وہ دوسری کارروائی کرتے ہوئے سو بار سوچے گا یہی ہماری کامیابی ہے۔''

''لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس کیس کی آڑ میں کوئی اور دل کی بھڑاس نکال لے اور وہ جائے جیل کی سلاخوں کے پیچھے۔''

''بھلے جائے، کافیہ مجھے اس سے ذرا ہمدردی نہیں، وہ اتنا بڑا ہے کہ ہم محض اس کیس کی تھرو اس کی مزید اگلی پچھلی چارج شیٹس نکال لیں گے، بس سمجھو اس کی کوئی بھی کوشش مزید اس کے گرد پھندا تنگ کر دے گی، اس لیے وہ کول رہ کر اپنی ریپوٹیشن برقرار رکھنا چاہے گا، اس لیے کوئی قدم نہیں اٹھائے گا رہا اس کی آڑ میں کوئی اور تو سامنے کی بات ہے اس شہر میں ہی نہیں اس سماج تنظیم کی وجہ سے اس پورے ملک میں ہمارے اتنے دشمن ہیں کہ انگلیوں پر نہیں گنے جا سکتے، سو میں تو اس پر یقین رکھتا ہوں، موت کا ایک دن معین ہے اور بس......'' وہ خاموش ہو گیا تھا، مگر اس کی سوالیہ نظریں اس پر ابھی تک جمی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا کافیہ کوئی الجھن......''

''الجھن نہیں سوال ہے، مرشد اتنے دنوں کی بھاگ دوڑ میں یہ سوال میں بھول گئی تھی، لیکن آج میں خود کو روک نہیں پا رہی یہ پوچھنے سے کہ آپ نے اپنے شادی شدہ ہونے کا جھوٹ کیوں بولا تھا مجھ سے۔'' لہجے میں ایسی کوئی بات تھی ضرور کہ وہ ہر کام چھوڑ کر اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ آپ ایک اچھے دوست کی حیثیت سے یہ سوچیں گی کہ اس دن کی بات خدانا خواستہ آپ کے ساتھ کوئی بھونڈا مذاق یا دل لگی تھی۔'' وہ لمحہ بھر کو رکا پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''اس دن جو کیفیت آپ کی تھی مجھے لگتا تھا اگر آپ کو فوراً ہی نہ سنبھالا گیا تو آپ ٹوٹ کر چور چور

ہو جائیں گی۔ بس پھر اچانک میرے ذہن میں وہ ترکیب آئی یہ فطری بات ہے اگر انسان کے سامنے اپنے جیسا یا اپنے دکھ سے ملتا جلتا دکھ رکھ دیا جائے تو وہ لامحالہ سوچتا ہے وہ کوئی اکیلا تو نہیں جو دکھی ہے، اسے خود بخود موازنہ کر کے اپنا دکھ چھوٹا لگنے لگتا ہے اور یہی بات اس کے ہاتھ سے صبر و ضبط کا دامن چھوٹنے نہیں دیتی، سو میں نے فوری طور پر وہ دکھ تراشا تاکہ آپ جو عذیر کی وجہ سے میرے سامنے اپنی ذات کی ہونے والی سبکی کو محسوس کر رہی تھیں، یکدم سوچیں یہ سب سبکی تو میں ہر لمحہ جھیلتا ہوں، اس لیے میرا دکھ بڑا ہے، یہ اور بات میری ذاتی رائے کچھ اور ہے۔'' وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔ آنکھوں سے جاننے کی جستجو تھی تبھی وہ پھر سے بولا تھا۔

''انسان دنیا میں جس طرح اپنے آباؤ اجداد کے بل پر عزت نہیں پا سکتا، اسی طرح وہ اپنے ساتھ جڑے ہوئے رشتوں کی خامیوں اور برائیوں کا بھی جواب دہ نہیں، اگر وہ خود اچھا ہے تو اس کا ضمیر مطمئن ہونا چاہئے کہ اس نے دنیا سے ایک برا انسان کم کر دیا ہے اور پھر آخرت میں بھی تو صرف خود کسی انسان کے اپنے ذاتی اچھے ہونے پر سزا اور جزا کا فیصلہ ہونا ہے، وہاں دوست، رشتہ دار، شوہر، بیٹا، بیٹی، ماں باپ کسی کی نہ اچھائی اس کے کام آئے گی نہ ان کی غلطیوں کا عذاب ہو گا، ماسوائے ان غلطیوں کی پوچھ کے جن کا ان کے بڑوں پر راہنمائی کا فرض عائد تھا، مگر وہ اس میں کوتاہی کر گئے۔''

وہ اب مطمئن تھی دنوں کی خلش سیکنڈوں میں دور ہو گئی تھی، وہ نئے سرے سے اس کیس کی رپورٹ کو جانچ رہی تھی، کام ہمیشگی کی طرح جاری و ساری تھے کہ ملیحہ اور اسفند کی ثانیہ اور شہریار مرشد کی بات پکی ہو گئی، وہ سب اس خوشی میں شریک تھے، دانیال اب آٹھ برس کا ہو گیا تھا، حماد کالج میں جانے لگا تھا گھر میں اس کی مخالفت پہلے دن جیسی تھی، مگر اب دو بہت مضبوط سپورٹر تھے اس کے گرد، اماں کو اس کی اس کامیابی کی بہت خوشی تھی اور عالیہ اور شازیہ جب ملتیں یہی کہتی تھیں۔

''تمہیں سلام ہے بجو تم نے غیر کو اپنا کر دکھایا ہے۔ دانیال اپنی ماں کو تو شاید بھول ہی گیا ہے۔'' وہ مسکرانے لگتی تھی اس بات پر، آخر وہ کیا بتاتی کہ جو وہ سوچتی تھیں، وہ سب کچھ اس گھر میں اس پر ہو گزرا تھا۔ کل ہی کی تو بات تھی، جب دونوں کی آپس کی محبت اور اس کی جھکاؤ کو دیکھ کر عذیر نے عیشاء کا رخنہ ڈالا تھا۔

''تمہاری مما یہ نہیں عیشاء ہیں، تمہیں معلوم ہے۔'' عذیر حسان کا خیال تھا معصوم ذہن اس بات پر چیخ پڑے گا، کافیہ کے لیے پرابلم کھڑی کر دے گا، عیشاء کی کھوج میں اس سے دور ہو جائے گا، مگر وہ سب معاملات میں وجدان کی رہنمائی کی قائل تھی، اس لیے بچے کو بہت آرام آرام سے اس کے بارے میں بتاتی رہی تھی، عیشاء کی دوسری شادی اور دانیال کے یہاں آنے کے بارے میں وہ اسے بتا چکی تھی، ماں سے وہ کبھی کبھی باپ کے نہ ہوتے ہوئے بات بھی کر لیتا تھا، وہ خود بات کرواتی تھی، کیونکہ تھوڑی سی سچائی بہت زیادہ ہوک کو جنم دیتی ہے یہی وجہ تھی اس نے کوئی پردہ نہیں رکھا تھا، عیشاء خود اس سے کافیہ سجاد کے اچھے ہونے کی قسم کھاتی تھی، اس کے احسانوں کو بڑھ چڑھ کر بیان کرتی تھی، پھر وہ خود گواہ تھا اس کے شب و روز کا لہٰذا اس کی ذات سے کیونکر متنفر ہوتا یہی وجہ تھی جب یہ انکشاف ہوا تو اس نے مطمئن لہجے میں کہا تھا۔

''میں جانتا ہوں پاپا عیشاء میری ممی ہیں، لیکن مجھے پالا مما نے ہے، اس لیے مجھے اپنی ماں سے زیادہ اس سے محبت ہے۔ شاید میں اپنی ماں سے ملوں تو بہت تڑپ کر ملوں، فطری بات ہے جو چیز مدتوں بعد

ملے اس کے ملنے کی خوشی دیدنی ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود اگر ایک فیصلہ کرنا ہوگا تو وہ صرف میری مما ہوں گی، جن کے پاس میں عمر بھر رہنا چاہوں گا جن سے محبت کرنا چاہوں گا۔'' وہ سب سن کر کس قدر خوش ہوئی تھی اور آج وہ بے حد خوش تھی، جب عذیر حسان کے چیخنے چلانے پر وہ دونوں اس کے گرد آن کھڑے ہوئے تھے۔

''ضروری نہیں بھیا چیخ چیخ کر اپنی بات منوائی جائے، آخر حرج ہی کیا ہے اگر بھابھی اس شادی کی ہر رسم میں شریک ہونا چاہتی ہیں۔'' عذیر حسان کا منہ کھلا مگر لفظ کہے بغیر بند ہوگیا، ممی اور وہ کس قدر کھینچ تان کر رکھتے تھے مگر اس لڑکی نے پھر بھی سیندھ لگالی تھی وہ منظر سے جاچکا تھا، اور حماد اس کے قریب آ کر کہہ رہا تھا۔

''آپ ایزی ہو کر تیار ہوں، ڈرائیور کے ساتھ میں خود آپ کے ساتھ چلوں گا، آپ کو جتنی دیر پارٹی اٹینڈ کرنی ہے کیجیے گا۔''

آفس کے کام میں ہمیشہ اس نے دس بجے کے بعد کا کوئی کام رپورٹ یا انٹرویو یا ریسرچ پروگرام نہیں رکھا تھا، پھر جہاں چھ بجے کے بعد کی مصروفیات ہوتی تھیں وہاں وہ ڈھارس کے لیے خود حماد کو بلوالیتی تھی، وہ براڈ مائنڈڈ تھا، سمجھتا تھا اس کا کام، مصروفیت اس کی پہلی ترجیح، اس کا گھر تھا، یہ بھی جانتا تھا اس لیے اس کی ساری توانائیاں اس کے ساتھ تھیں، بالکل آج کی طرح وہ ہمیشہ کی طرح اس کی پشت پر تھا وہ تیار ہو رہی تھی، حماد اور دانیال بھی اس کے ہمراہ تھے۔

آج اسفند اور ملیحہ کی مایوں اور شہریار مرشد اور ثانیہ کی مہندی تھی، دونوں کی تقریب ایک ہی ہال میں تھی، سب نے اسے دیکھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا تھا، شہریار کی طرف سے اشمل، ملیحہ اور کافیہ مہندی کی رسم کر رہی تھیں، خوب ہلا گلا ہو رہا تھا، جب ملیحہ اس کے گلے سے آ کر لگی۔

''تم نے مجھے کس قدر خوشیاں دی ہیں کافیہ اگر تم مجھے یہاں لے کر نہ آتیں تو مجھے مرشد جیسا بھائی، اسفند جیسا شریک سفر کیسے ملتا۔'' کافیہ سجاد مسکرا رہی تھی اور شہریار مرشد نکاح سے پہلے کے معاملات نمٹا رہا تھا۔

''جو مانگنا ہے مانگ لے پھر مت کہنا اپنی بہن کو خالی ہاتھ بھیج دیا ہے۔'' چاچو............ مسکرا رہے تھے اور ملیحہ آفریدی رونے لگی تھی۔

''پاگل لڑکی کیوں روتی ہو...... دیکھو اتنا پیارا بلونگڑے جیسا جیون ساتھی دے رہا ہوں پھر کیوں آنسو بہہ رہے ہیں، بھائی کے ہوتے ہوئے آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے یار۔'' اس نے اسے کھینچ کر لپٹا لیا اور وہ بولی۔

''کبھی بدل لیے گا مت مرشد بھائی میرا تو واحد رشتہ اور میکہ سب آپ کے دم سے ہے۔''

''بے فکر رہو یہ ثانیہ ہے ناں یہ کبھی بھی شہریار مرشد کی یادداشت گم نہیں ہونے دے گی، اور پھر میں بھی تو ہوں نا پولیس سے تو ویسے ہی دنیا ڈرتی ہے۔'' اسفند دلاور نے دلداری کی اور وہ بھیگی پلکوں میں مرشد کی خوشیوں اور اپنے میکے کے سدا آباد رہنے کی دعا وقت کی سمت اچھال رہی تھی۔ وہ قریب کی کرسی پر بیٹھ گئی تھی اور بہت اچانک شہریار مرشد کی آواز آئی۔

''یہ نظم اس پیاری سی لڑکی کے نام جو ہماری دوست بھی ہے، ہماری ہمت بھی۔'' وہ چونک کر مڑی شہریار مرشد اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر وہ اس سے پہلے ہی سنا رہا تھا۔

چاہے گھور اندھیرا ہو
ظلمتوں کا ڈیرا ہو
رات جب بھی آئے گی
چاند جگمگائے گا
تارے مسکرائیں گے
ہم دیے جلائیں گے

اور یہ ہنر اس لڑکی سے زیادہ کون جانتا ہوگا، انگلیاں جلنے کے باوجود دیے جلانے اور جلاتے چلے جانے کی رسم اس سمت سے آئی ہے وہ سب اس کے قریب چلے آئے تھے۔

''کہاں سے آتی ہے اتنی روشنی، کون سا چاند ہے آنچل میں......'' اسفند دلاور نے شرارت دکھائی اور دانیال عذیر بھاگ کر اس کے گلے سے جھول گیا۔

''میں ہوں ناں اپنی ماں کا چاند ان کے راستے کی روشنی۔'' حماد عذیر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوگیا، روشنی اطراف میں بکھر رہی تھی اور اندر کہیں پروین شاکر کا لہجہ۔ اس کا حوصلہ بن کر گونج رہا تھا۔

ہاں مجھے نہیں پروا
اب کسی اندھیرے کی
آنے والی راتوں کے
سب اداس رستوں پر
ایک چاند روشن ہے
تری موہنی صورت

وہ اسی سرخوشی میں تھی، اور وقت خوب صورت لمحوں سے اچھی یادیں بنتا آگے بڑھتا جا رہا تھا، محبت ایک ہنر تھا، اس نے آزمایا اور سرمو فرق نہ پایا۔ یہ دل زندگی حالات سب بدل سکتی ہے، بس جنوں شرط ہے، یقین کامل کی دھن ہو اور اس کے پاس یہ سب کچھ تھا اس کا دامن دے کر بھی کب خالی تھا ایک نہیں وہ اس وقت دو روشن چاند کی روشنی میں نہائی ہوئی تھی، دور دور تک سویرا تھا، راہیں ہموار صاف شفاف تھیں، چلنا دشوار نہیں تھا اور چلتے رہنے پر پھر منزل بھی کب دور رہتی تھی، وہ ابھی سے منزل کی سرخوشی کو دل میں سانس لیتے دیکھ رہی تھی، زندگی کے یہی لمحے تھے اور یہ لمحے ساری خوشیوں سمیت اس کے اپنے تھے، اس کا دامن بھرا ہوا تھا، دعا محبت اور زندگی ہر نعمت سے یہی اس کی ریاضت کا مال تھا، اور اس کے دل کو کافی تھا۔

○ ○ ○ ○ ○

صبح اول کا سورج

اس نے کوئی تیسری بار اس عالی شان محل کی طرف دیکھا تھا، جو کسی بھی طور وائٹ ہاؤس سے کمتر نہیں لگ رہا تھا مگر اسے اس شان و شوکت پر اتنی زیادہ حیرت نہیں ہوئی تھی، کیونکہ وہ پاکستان کی شہری تھی، ایسے ملک کی شہری جہاں قدم قدم پر وائٹ ہاؤسز کیبلز بکھرے پڑے ہیں، لیکن عالمی اعداد و شمار ثابت کرتے ہیں ہم غریب ہیں، جس ملک کے لوگ محض ایک عید پر صرف ایک رات میں ایک ارب کی خریداری کرلیں ہوسکتا ہے وہ واقعی غریبی کی ہر تشریح پر پورے اترتے ہوں اور اس معاملے میں اس کی ذہانت صفر پوائنٹ پر جا اٹکی ہو۔

بقول اس کی کولیگ عصمہ ربانی کے جو ایک متمول خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور جسے یہ نوکری محض جسٹ فار انجوائمنٹ سے زیادہ کچھ نہیں لگی تھی اس کو خواہ مخواہ کی دردسری گردانتی اس کا خیال تھا وہ ضرورت سے زیادہ سوچتی ہے، اس لیے اداس رہتی ہے سو پہلی فرصت میں اسے چاہیے وہ سوچنا چھوڑ کر بس جینا شروع کردے، جو جیسا ہے اسے ایسا ہی کی بنیاد پر سرسری دیکھتی گزر جائے، کیونکہ کار کے شیشے صاف کرتے بچے آئندہ آنے والی صدی میں بھی شیشے صاف کرتے پائے جائیں گے، ورکشاپ کے چھوٹے آئندہ کسی بھی نسل میں یکدم بڑے نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ان کی کیمسٹری میں یہ عنصر قدرت نے ہی نہیں رکھا پھر تم کون ہو دنیا اور خدا سے لڑنے والے۔

کلرکی کرنے والے سدا کلرک ہی رہیں گے اس لیے کہ اس سے آگے تک جانے والے راستے پر پہلے ہی اتنا رش ہے کہ ان کے قدم رکھنے کی جگہ نہیں، ہاں رشوت کے ذریعے رئیس ابن رئیس بن کر شجرہ نسب کسی شہنشاہ سے ملانے کا معاملہ ہو تو یہ کام بخوبی ہوسکتا ہے یہ اس ملک کی ریت ہے کہ یہاں آپ رشوت دے کر اپنا شناختی کارڈ ہی نہیں برتھ سرٹیفکیٹ تک بدل سکتے ہیں، اعلیٰ تعلیمی اسناد تو یوں روپوں میں بکتی ہیں کہ صرف پیسہ معتبر اور باوزن لگتا ہے۔"

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ روپے کی قدر آج کل گر رہی ہے، لیکن اس کی آنکھیں گواہ تھیں، قیمت روپے کی نہیں انسان کی گر گئی تھی اور ہونا تو چاہیے تھا اس سوچ کے بعد وہ ہرگز ہرگز اس محل کے سامنے کھڑی نہ پائی جاتی، دو لفظ کہہ کر امارت پر کوئی اچھا سا انقلابی فقرہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالتی، مگر وائے افسوس پورے دفتر میں کاشفہ حسان کے علاوہ کسی نے اس بار گراں کو اٹھانے کی ہامی نہیں بھری، پوری میٹنگ میں اس کے ایڈیٹر انچیف مسٹر رضی شاہ نے سب کی ہی طرف دیکھا اور کمرے کی فضا میں ایک سوال گونجا۔

"کون جائے گا ریان رشید سے انٹرویو کرنے۔"

سب نے چونک کر دیکھا پھر یوں بے پروا نظر آنے لگے جیسے ریان رشید قطعاً توجہ کے قابل نہیں تھا، مسٹر رضی شاہ نے غصے میں فائل بند کی تھی، تب اچانک اس نے ہمت کر کے کھڑے ہو کر کہا تھا۔

"میں جاؤں گی سر یہ ذمہ داری میرے ذمے ہے۔" باریک فریم کی اوٹ سے مسٹر رضی شاہ نے تحسین سے دیکھا تھا۔ پھر مسکرا کر بولے تھے۔

"مجھے یقین تھا، اس کام کو تمہارے سوا کوئی کر ہی نہیں سکتا تھا ریان رشید کسی عام رپورٹر کے بس کی چیز بھی نہیں ہے۔"

سب نے اس تعریف پر سر سے لے کر پیر تک اس کا جائزہ لیا تھا، پھر دعاؤں اور نیک تمناؤں کے حصار میں اسے دفتر سے تیسرے دن جب رخصت کیا تو وہ اپنے فوٹو سیشن کی پوری ٹیم لے جانے پر کمربستہ تھی، مگر نمیر رزاق نے اس خواہش پر سوڈا واٹر پھیرتے ہوئے اس کا کاندھا تھپک کر کہا تھا۔

"پہلے ماحول کا جائزہ لے لو کاشفہ حسان، یہ ریان رشید کوئی سوفٹ ڈرنک نہیں بہت سخت پتھر ہے، جس سے عموماً ہمارا پریس لڑتا رہتا ہے، اسے اوپن کرنے کے لیے ویک پوائنٹ ڈھونڈتا پھرتا ہے، مگر وہ ہم میں سے ہو کر بھی ہمارے سے کہیں بلند اور کانفیڈینشل فائل بن چکا ہے، جس پر سنہری فیتہ لگا کر اس کی قیمت اور بڑھ گئی ہے، وگرنہ پہلے وہ انہی خاک اڑاتی گلیوں میں پھرا کرتا تھا، مگر اس کی آواز حلق سے باہر نہیں نکل پائی تھی، لیکن اس پر اب یورپ کا ٹیک چپکا ہوا ہے اور وہ بہت قیمتی ہے۔"

اس نے توجہ سے سنا اس کی آنکھوں میں توجہ سے دیکھا، پھر متوازن لہجے میں بولی۔

"میں نہیں جانتی وہ شخص کتنا اہم ہے، لیکن میں اس پر اور تم پر یہ ضرور واضح کردوں گی کہ میں غیر اہم نہیں از کلیئر۔"

پھر رات بلکہ تین دن سے دوہرائی جانے والی اس کی شخصیت کے پوائنٹ آؤٹ کرتی تفصیل کو دہراتی وہ بغیر فوٹو گرافرز کے محض حالات کا جائزہ لینے تنہا چل پڑی تھی اور اس وقت وہ اس محل نما کوٹھی کے

اس طرف درخت سے ٹیک لگائے اس محل اور محل کے باہر کھڑے گارڈز کو حفظ کر رہی تھی بظاہر وہ ڈرپوک اور دبو قسم کی لڑکی بھی نہیں تھی، لیکن سفید مرمر کے محل سے لپٹی سرد مہری اور خاموشی اسے متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ جز بز بھی کر رہی تھی، پتہ نہیں یہ ریان رشید کون ہو، کیسا ہو، تنہا جانا ٹھیک بھی ہوگا یا نہیں۔

کئی سوالات دماغ میں چکرا رہے تھے، مگر قدم بڑھا کر واپس لوٹا لینے کی تو اس کی بھی خو نہیں تھی، سو دل کڑا کر کے بیگ سنبھالے بڑی سی چادر کو مزید اپنے گرد لپیٹتی وہ سڑک کراس کرتے اس سفید مرمر کے محل کے سامنے جا کھڑی ہوئی، گارڈ نے تیز بینی سے جائزہ لیا اور وہ اپنے نیوز لائن کا کارڈ ڈھونڈنے لگی، بیگ میں الا بلا میں سے کارڈ برآمد کر لینا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا اور وہ یہ کارنامہ کر گئی تھی، اس لیے اس کا دوسرا قدم بااعتماد تھا۔

''پلیز مسٹر ریان رشید کو یہ کارڈ پہنچا دیجئے۔''

''لیکن میڈم وہ کسی سے نہیں ملتے۔''

''اوکے مگر میں کسی سے نہیں میرا نام کارڈ کی پشت پر لکھا ہے، آپ سے پوچھیں تو بتا دیجئے گا کاشفہ حسان ان سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''جی بہتر لیکن آپ نے پہلے سے وقت لے رکھا ہے۔'' دوسرے گارڈ نے وزن دار سوال کیا تو وہ مسکرائی۔

''شاید آپ کو یاد نہیں رہا، ابھی آپ نے کہا وہ کسی سے نہیں ملتے سو وقت لینا کار دشوار ہی ہوا ناں۔''

''جی ای.....'' دونوں گارڈز نے لڑکی کی طراری کو حیرت سے دکھا، پھر ایک نے محل کے اندر کا گیٹ کھولا اپنی عارضی رہائش گاہ میں جا کر انٹر کام سے کاشفہ حسان کے متعلق حکم لیا اور باہر آیا تو کافی جز بز تھا۔

''ٹھیک ہے آپ جا سکتی ہیں اندر۔'' کاشفہ حسان نے فاتحانہ انداز میں دیکھا، کیونکہ گارڈ کی آنکھوں میں واضح لکھا ہوا تھا۔

''حیرت ہے، آپ اندر جانے والی واحد خاتون ہیں سنیے واپس لوٹیے گا تو اپنا چہرہ ضرور کروایئے گا کہ'' اور اس نے اس کے بعد کا سارا خوف اندر اتار لیا۔ سج سج قدم اٹھاتی اندر داخل ہوئی اور طویل ترین روش کو دیکھا اسے اپنا اولڈ کیمپس اور اس کی تپتی دوپہریں اور گنگناتی شامیں یاد آ کر رہ گئیں، طویل و عریض اور شفاف سی تارکول کی سڑک اور دونوں اطراف لگے ہوئے گھنے درخت اور بہت دور مرمر کا محل جو باہر سے بھی بہت واضح نظر آتا تھا، وہ چلتے چلتے یہاں کے رہنے والے مکینوں کو سراہ رہی تھی، ہر چیز میں خوب صورتی، نفاست کا دخل تھا، پھر وہ بڑے سے نفیس ڈرائنگ روم میں پہنچا دی گئی۔

آدھے گھنٹے بعد داخلی دروازے پر لگی موتیوں کی جھالروں میں جلترنگ سا بجا، لیکن سامنے جو شخص کھڑا تھا وہ کسی طور ریان رشید سے مشابہہ نہیں تھا، اس کی فائل میں لگی کئی سال بیشتر کی تصاویر اس نے اچھی طرح ازبر کر لی تھیں، کیونکہ بائیس برس بعد سے اس کے خال و خد میں خود وقت بھر کر اندازہ لگانا تھا کہ حال کے ریان رشید کیسے ہو سکتے ہیں۔ بقول رضی شاہ صاحب کے بائیس سال میں ان کے آرٹیکل تو

کئی روزناموں میں چھپتے رہے ہیں۔ بکس بھی سامنے آئی ہیں، تصویر پھر کبھی انہوں نے نہیں دی اور ایشین اخبار کو تو انہوں نے کبھی اپنا آرٹیکل دینے کے قابل بھی نہیں سمجھا اور اسے اسی ایشین اخبار کے لیے ان کا انٹرویو درکار تھا، مگر سامنے کھڑی شخصیت......

اس نے پرسوچ نگاہیں مخاطب کے چہرے پر گاڑیں تو مخاطب ڈھیلے سے انداز میں صوفے پر سامنے آ بیٹھا پھر ہنس کر بولا۔

''شاید میں آپ کے لیے قطعاً اجنبی ہوں، لیکن مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔''

اس جملے پر حیرت ہی ظاہر کی جا سکتی تھی، سو اس نے بھی حیرت سے اسے دیکھا اور وہ ادا سے بولا۔

''شاید آپ کے لیے یہ حیرت کا مقام ہے، لیکن آپ نہیں جانتیں، میرے لیے آپ خود کسی قدر حیرت کا باعث ہیں۔''

''جی میں سمجھی نہیں مسٹر۔''

''مجھے تدمیر حسین کہتے ہیں، ویسے آپ میر بھی کہہ سکتی ہیں۔''

''بہت شکریہ تعارف کا ہاں تو مسٹر تدمیر آپ کو کس بات پر حیرت ہوئی ہے۔''

''آپ کے لکھنے سے زیادہ آپ کے زندہ رہنے پر۔'' کھٹاک سے کہہ کر وہ خاموش بھی ہو گیا اور وہ دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔

''میں سمجھی نہیں مسٹر تدمیر۔''

''حالانکہ آپ کے کالمز رپورٹیں اس قدر پر مغز ہوتی ہیں کہ مجھے نہیں لگتا کہ آپ اتنی بھی ڈل ہو سکتی ہیں، سادہ سی بات بھی نہ سمجھنے والی۔''

''دیکھئے جب میں لکھ رہی ہوتی ہوں تو تمام تر پہلوؤں کا پہلے سے مطالعہ کر چکی ہوتی ہوں، پھر جو سچ لگتا ہے اسے صفحہ قرطاس پر منتقل کرتی چلی جاتی ہوں، فالتو اور اضافی بیل بوٹے کاڑھنے سے مجھے سدا سے الرجک رہی ہے۔''

''یہی تو کہہ رہا ہوں آپ اتنا سچ لکھ کر بھی کیسے زندہ ہیں، آپ پر ابھی تک فائرنگ نہیں کی کسی نے کہ پھر سینہ فگار گنتے اور سوچتے یہ داغ کس آگہی کے ہیں۔''

وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگی کہ یہ شخص جو بھی تھا بہت فیئر اور منہ پھٹ تھا اور اسے ایسے لوگوں کو سراہنے میں خاص مزا آتا تھا، بقول اس کے جس طرح دھرتی کا حسن حسین لوگ نہیں اس کے سراہنے والے ہیں اسی طرح حقیقت میں زندگی سچ میں نہیں سچ کو آگے سے آگے پھیلانے والے اس کا دفاع کرنے والوں میں ہے، ان کے دم سے ہے۔

''کیا سوچنے لگیں آپ کاشفہ حسان۔'' اس نے اس کے چہرے کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکی۔

''کچھ بھی نہیں مسٹر تدمیر حسن بس سوچ رہی تھی کہ اس محل میں رہ کر بھی آپ برملا سچ بول سکتے ہیں۔''

''یعنی درپردہ آپ کہنا چاہتی ہیں اس محل کے گارے مٹی میں جھوٹ کا سیمنٹ لگا ہے۔''

وہ جز بز ہوئی کہ انٹرویو لینے سے پہلے آیا بات بگاڑے یا نہ بگاڑے اور وہ اس کی سوچ کو شارپ

انداز میں آنکھوں سے لے اڑا ہنسے گیا، پھر تھما تو بولا۔

''ویسے ایک بات کہوں۔''

اس نے ساری سماعتیں اس کی طرف لگادیں تو وہ اور شریر ہوکر بولا۔

''آپ ! اگر آپ یہ کہیں تو میں کہوں گا آپ اس معاملے میں قطعاً غلط بیانی سے کام نہیں لے رہی ہیں، ویسے چاچو کے سامنے یہ ثابت کرنے مت بیٹھ جایئے گا پتہ نہیں انہیں لکھے ہوئے سچ اور سچ بولنے والوں سے کیا پرخاش ہے کہ ایک نہیں سنتے اور محل بدر کردیتے ہیں۔''

''اچھا! ایسا ہے تو پھر آپ یہاں اب تک کیونکر ہیں۔''

اس نے مزے سے چیونگم کا ریپر پھاڑا ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا پھر مسکرا کر بولا۔

''سامنے کی بات ہے مس کاشفہ حسن چاچو دراصل سال کے بارہ مہینوں ...... نہیں شاید صحیح اردو بارہ مہینے ہے، ہاں تو چاچو عموماً باہر ہی رہتے ہیں، ناں اس لیے یہاں اس محل کی دیکھ بھال کرنے کے لیے انہیں کوئی ایسا ملازم درکار ہے جو ان سب چیزوں کی دیکھ بھال تو کرے، لیکن ملازم کی نظر سے نہ دیکھے یونو ملازموں کو کسی چیز کے تباہ ہونے نہ ہونے سے کیا غرض، انہیں تو صرف تنخواہ درکار ہوتی ہے اور یہاں یہ سہولت ہے کہ پارٹ ٹائم ملازم تین وقت کے کھانے پر مفت میں دستیاب ہے نہ میرے آگے کوئی ہے نہ پیچھے، اس لیے چاچو کے لیے میں موزوں ترین ہی ہوا ناں، پھر سیدھی سی بات ہے میں نے آج تک چاچو کے سامنے سچ بولنے کی کوشش ہی نہیں کی، اس لیے خوب نبھ رہی ہے۔''

''یعنی محض ان آسائشات اور آرام پر آپ نے اپنے اندر کے سچ کو قربان کردیا۔''

''عموماً یہی دستور زمانہ ہے میں نے کون سا نیا کام کیا ہے ویسے جمہوریت کا دور ہے جناب اس لیے جس کی اکثریت تقلید کرے وہی ڈھنگ اپنا لینا چاہئے۔''

''جب کہ یہ اصول پسندی کے خلاف ہے ضروری تو نہیں اکثریت کسی نیک اور درست چیز کے لیے ہی اسٹرگل کررہی ہو، سو فیصد تو ہمیں اپنے دماغ اور ضمیر کی آواز پر ہی کرنا چاہئے۔''

''ہا آ ضمیر کی آواز ...... شاید آپ پرانی فلمیں زیادہ دیکھتی ہیں کیونکہ عموماً ضمیر کی آواز اور دماغ کے شور شرابے اسی دور کے ثمرات ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں آج کے نئے دور کی عدالت کبھی اتنی تخیلاتی نہیں ہوتی، جتنی فلموں میں دکھائی جاتی ہے۔''

''کیا بات ہوئی یہ۔'' اس نے حیرت سے دیکھا اور یہ بجا تھا وہ جتنی حیرت دکھاتی کم تھا، مگر سامنے والا مطمئن تھا، فوراً بولا۔

''سیدھی سی بات ہے جس طرح ہم نے کبھی سر کے درد کو نہیں دیکھا تھا، بناٹی وی کے کہ کتنا خوب صورت ہوسکتا ہے، اسی طرح ضمیر کی آواز بیک گراؤنڈ میں چلتے ہوئے بھی بغیر کیمرے کے کیسی لگتی ہے۔ آج تک نہ جان سکے تھے اس لیے ضمیر اور دماغ کے فیصلے پر کبھی معرکے نہیں لڑ سکے ویسے آج کل ٹرینڈ کچھ کچھ بدل رہا ہے۔''

وہ ایک اشتہار کا حوالہ دے کر خاموش ہوگیا، خود کو ثابت کرنے لگا تو وہ ایسی بونگی دلیل پر تپ گئی۔

''شاید مگر کرپٹ لوگوں کے لیے ہر دور کرپٹ ہی رہتا ہے۔''

وہ تپ گئی تو پھٹ بھی پڑی، مگر وہاں ہنوز روز اول تھا تمام تر سکون اطمینان کے وہ ویسے ہی مگن بیٹھا تھا۔

''آپ شاید بہرے ہیں۔''

''بے فکر رہیے وقت پڑنے پر میں اندھا بھی ہوسکتا ہوں یہ بتایئے برائی کے لیے آپ کا ضمیر کیا کہتا ہے۔''

''صرف یہ ہی کہ برائی جب تک انفرادی رہے تو برائی رہتی ہے، اجتماعی صورت اختیار کرلے تو وہ فیشن بن جاتی ہے اور اس پر لوگ حرف گیری نہیں کرتے، اسے سراہتے ہیں۔''

''ایکسیلنٹ ارے آپ تو اچھی خاصی انٹلیکچوئل ہیں، میں تو خواہ مخواہ آپ کو صرف صحافی سمجھ رہا تھا۔''

وہ اٹھا گراموفون کے قریب گیا، ایک میلوڈی ساؤنڈ ٹریک لگا کر واپس آبیٹھا، وہ خاموشی سے اس کی حرکتیں دیکھ رہی تھی، مگر جب فیض احمد فیض کی ''لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے'' نظم شروع ہوئی تو اس نے اسے طنز سے دیکھا۔

''مسٹر تدمیر حسن اس قسم کا ساؤنڈ ٹریک ایسا نہیں لگتا جیسے ظالم کے سینے پر مظلومیت کے تمغے سجادیئے جائیں، جیسے زخموں پر نمک پاشی کرنے کے لیے پوراٹن آپ کے حوالے کردیا جائے۔''

''اوہوں ایسا لگتا ہے مگر ایسا ہے نہیں۔''

''مطلب۔'' حیرت سے دیکھا۔ تو وہ مسکرایا۔

''مجھے نہیں پتا ایسے موقع پر اگر کوئی فلاسفر ہوتا تو مزید کیا کرتا یا کہتا، میں نے تو بس یونہی جملہ کہا ہے ویسے یہ میرا ہی نہیں چاچو کا بھی پسندیدہ ہے۔''

''اسی پر تو حیرت ہے ان کو ہی کیوں پسند ہے کیا سیاست دانوں والی ماسک پیروڈی کے شائق ہیں آپ کے چاچو۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا تو گمان ٹھہرا وہ اپنے چاچو کا دفاع کرے گا، مگر بولا تو وہ تکتی رہ گئی اور وہ کہے گیا۔

''آپ میرے چاچو کی صلاحیتوں کو کم سے کم حاصل ضرب دے رہی ہیں، کاشفہ وگرنہ کیا یہ ان کی صلاحیتوں کا اوج نہیں کہ یورپ تو ان کے گن گاتا ہی ہے۔ ایشین نیوز ایجنسیز بھی ان کے پیچھے خوار رہتی ہیں سو ثابت ہوا چاچو ماسک پیروڈی نہیں کرتے بلکہ ماسک ایکٹنگ میں ان کا دور دور تک مدمقابل نہیں وہ لی جنڈ کریکٹر ہیں مجھے تو گمان ہے اس صدی میں تو ان کے جیسا دوسرا دستیاب ہونا ناممکن ہے، کیونکہ میرے چاچو ابھی تک بیچلر ہیں۔''

''جی ای۔'' اسے پتہ نہیں اس خبر سے حیرت ہوئی یا صدمہ مگر وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی، پھر گلا کھنکار کے بولی۔

''آپ سے سبھی باتیں ہوگئیں بلکہ اب ہوتی ہی رہیں گی، کیونکہ آپ کی صاف گوئی کی میں دل سے قائل ہوگئی ہوں، مگر کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اب مسٹر ریان رشید سے میری ملاقات کروادیں۔''

''ملاقات! میں تو ابھی تیار ہوں مگر بھلا اس گھٹے ہوئے ماحول میں ملاقات کا کیا مزا آئے گا، آپ

کہیں تو کسی اچھے سے ہوٹل میں یہ نشست رکھتے ہیں، ہوٹل مہران کیسا رہے گا۔" وہ جواب بھی نہ دے پائی تھی کہ اس نے فیصلہ ڈن بھی کر دیا، وہ گومگو کی کیفیت میں ڈرائنگ روم میں آنے والی ٹرالی کو دیکھتی رہی، ملازمہ چائے بنانے کے لیے قریب ہی بیٹھ چکی تھی۔ سو مزید کچھ بھی نہ کہا گیا، اس سے پھر وہ دوسرے دن ہوٹل مہران پہنچی تو وہاں بھی تدمیر حسن کو ہی متمکن پایا۔

آج گرے رنگ کے خوب صورت سوٹ میں تازہ شیو کیے ہوئے وہ پہلے سے زیادہ خوب صورت لگ رہا تھا، مگر وہ عام لڑکی نہیں تھی کہ اس کی خوب صورتی کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتی، اس لیے بیٹھتے ہی کھردرے لہجے میں بولی۔

"آپ نے مسٹر ریان رشید سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا، مگر مسٹر تدمیر میں دیکھ رہی ہوں یہاں بھی آپ اکیلے بیٹھے ہیں۔"

اس نے مسکرا کر استقبال کیا، پھر سوال سنا تو... رک کر بولا۔

"کیا کہوں مس کاشفہ میں جب سے دنیا بنی ہے تب سے اکیلا چلا آیا ہوں اور امکان اغلب ہے، دنیا ختم ہونے پر بھی محترمہ حوریں۔ یہی فرماتی ہوں گی کیا بات ہے تدمیر حسن آپ اب بھی اکیلے بیٹھے ہیں۔"

"پلیز مسٹر تدمیر سنجیدگی اختیار کریں۔"

"سنجیدگی! مس کاشفہ میں تو پیدا ہوتے ہی رنجیدہ ہو گیا تھا، آپ ہی بتائیے کیا یہ دنیا اس قابل ہے کہ اس میں رہا جائے۔"

"مسٹر تدمیر حسن۔"

"پلیز آپ مجھے میر کیوں نہیں کہتیں دیکھیے آپ تدمیر حسن نہ بھی کہیں گی تب بھی مجھے اپنا اور اپنے والد کا نام ہرگز نہ بھولے گا۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہو، لیکن مجھے اجنبی مرد سے بے تکلف ہونا قطعاً اچھا نہیں لگتا۔"

"اف کیا کہہ دیا، میں آپ کو اجنبی لگتا ہوں، جناب یہ میں وہ ہوں کہ ایک بار دیکھ کر ہی لوگ دھڑ سے کہہ دیتے ہیں جناب آپ کو ہم نے 70 کی دہائی میں ایک فلم میں دیکھ رکھا تھا، اور آپ سے تو یہ دوسری بار مل رہا ہوں اور آپ۔"

"مسٹر تدمیر میں بہت عدیم الفرصت ہوں۔" وہ بھنا کر اٹھ کھڑی ہوئی، تیز نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ اس نے سگریٹ سلگا لی وہ حیرت زدہ ہو کر اسموکنگ پر ٹوکنے والی ہی تھی کہ اس نے سنجیدگی کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے لب ہلائے۔

"آپ چاچو سے دو دن بعد مل سکتی ہیں۔" دھواں فضا میں اچھالا پھر والٹ سے پے منٹ کر کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

"آئی ایم ساری مس کاشفہ میں نے واقعی آپ کا بہت وقت برباد کیا مگر پتہ نہیں مجھے پہلی نظر ہی کیوں گمان ہوا تھا آپ کی نظریں تنہائی اور خاموشی پگھلانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہیں، لیکن یہ غلطی تھی، بھلا میں نے آپ سے یہ حق لینا ہی کیوں چاہا، حالانکہ ہم تو اجنبی ہیں، ایک دوسرے کے لیے

اس کا دیا کارڈ اس کے سامنے پھینک کر وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکلتا چلا گیا اور وہ اس کے اس رویے کے متعلق حیرت بھی بجا نہ رکھ سکی، دماغ بے طرح تھکن کا شکار تھا۔

وہ تالا کھول کر گھر میں داخل ہوئی، صحن کی لائٹیں آن کرتی وہ اپنے بیڈ روم کی سمت بڑھتی چلی گئی، کپڑے بدل چکی تو اس نے تیز رفتاری سے فریج میں رکھی سبزی نکال کر بنانا شروع کر دی، ماما اور وہ دونوں ہی نوکری پیشہ تھیں، اس لیے جو پہلے گھر آ جاتا شام کے کھانے کی تیاری اس کے ذمے ہو جاتی، اس وقت ساڑھے چھ بج رہے تھے اور ماماں پانچ بجے تک گھر میں ہوتی تھیں، مگر اس وقت دور دور تک ان کا پتہ نہیں تھا۔ اس نے کام کے ساتھ ساتھ F.M بھی آن کر دیا تھا، گانوں کے ساتھ میزبان شاعری سے گانوں کا لطف دوبالا کر رہا تھا، لیکن اس وقت اس سب کے ہوتے ہوئے اس کا دل بستر پر جانے کے علاوہ کچھ نہیں چاہ رہا تھا۔

"ماما بھی تو ہیں آٹھ گھنٹے کام کرنے کے بعد بھی ہر روز شام کا کھانا بناتے ہوئے فریش دکھائی دیتی ہیں، گھر میں داخل ہو تو سرور مل جاتا ہے ان کی گرمجوشی دیکھ کر۔"

اس نے خود کو سمجھانا چاہا کسی حد تک طبیعت بحال ہوئی تو وہ مسالہ پیستے ہوئے آج کی تدمیر حسن کی ملاقات یاد کرنے لگی۔

"عجیب آدمی ہے یہ تدمیر حسن بھی چپ گھنا کوئی بھی اس پر آخری رائے نہیں دے سکتا۔"

ڈور بیل بجی تو وہ تیزی سے دروازے پر سے دوپٹہ لیتی باہر کی طرف دوڑی صحن عبور کر کے دروازے کے ہول سے باہر جھانکا ماما بیگ لٹکائے چند شاپر تھامے تھکی تھکی سی کھڑی تھیں حسب معمول۔

"السلام علیکم ماما......" وہ دروازہ کھول کر تیزی سے ماما سے لپٹ گئی۔ جیسے وہ برسوں بعد ملی ہو ماما سے اور دیکھا جاتا تو یہ اس کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، ماں سے ہمیشہ ہی ایسے لپٹ کر ملتی کہ وہ پریشان ہو کر کہتیں۔

"پاگل ہوئی ہو بیٹا برسوں بعد تو نہیں آئی۔" اور وہ ہر روز یہی کہتی۔

"لیکن آٹھ گھنٹے کی دوری ہی روح فرسا ہے، آپ کو نہیں پتا میں نے اسکول میں کس قدر مشکل سے پڑھا تھا۔"

وہ ہنسنے لگتیں پھر مسکرا کر کہتیں۔

"یہ کوئی بھولنے کی بات ہے تمہاری ایک جان کی وجہ سے پورے بیالیس بچوں کو سنبھالنا پڑتا کلاس کے، کبھی نہیں سوچا تھا میں نے کہ کبھی اسکول ٹیچر بھی بنوں گی، ویسے خدا کا شکر ہے کالج جاتے جاتے یہ خناس بلکہ خفقان دور ہو گیا تھا ورنہ۔" اور وہ ان کے گلے سے جھول کر کہتی۔

"بس ماما دل تو ابھی تک یہی چاہ رہا تھا، مگر آپ پر رحم آ گیا۔"

"اے کاشی کیا سوچ رہے ہو بیٹا۔" ماما اندر آ کر صوفے پر بیٹھ کر بولیں تو وہ ہوش میں آ گئی، مسکرانے لگی۔

"کچھ نہیں سوچ رہی تھی ماما سوائے اس کے کہ اب مجھے آپ کا سہارا بننا ہی چاہیے۔"

"فضول نہیں بولتے تم نے بہت آگے تک پڑھنا ہے بیٹا میں تمہیں سی ایس ایس کرتے یا وکیل بنتے

دیکھنا چاہتی ہوں۔''

تمہاری یہ ضد نہ ہوتی کہ امتحانات کے بعد کے وقت کو تم بور ہو کر گزارنے کی بجائے کوئی جاب کرنا چاہتی ہو تو میں کبھی تمہیں اس نوکری کی بھی اجازت نہیں دیتی، بہر حال یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ یہ نوکری صرف چھ ماہ سے زیادہ نہیں چلے گی، رزلٹ آتے ہی تم نے واپس پڑھائی کی طرف لوٹنا ہے۔''

''لیکن اگر ماما میں ایسا کروں کہ پڑھائی اور نوکری ساتھ ساتھ چلتی رہے میں تجربہ بھی ساتھ ساتھ ہی حاصل کرتی رہوں تو کیا برا ہے۔''

''برا کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم سے میں نے نوکری نہیں کروانی کسی بھی قسم کی ڈگری صرف تمہاری شخصیت میں نکھار کے لیے ہے یہ ہی میری اولین ترجیح ہے۔ یہی وجہ ہے میں نے تمہیں رٹا فیکیشن سے ہٹ کر سمجھنا سکھایا ہے۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں ماما سمجھنا سکھایا ہے تو زندگی کو اپنے طور پر سمجھنے بھی دیجیے آخر آپ ڈرتی کس سے ہیں۔''

''کسی سے نہیں اور سب سے ہی۔'' پرسوچ آنکھوں سے اسے دیکھا، پھر آہستگی سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

''تم ابھی بچی ہو بیٹا اس لیے نہیں جانتیں یہ دنیا کتنی ظالم اور کتنی بڑی ففتھ کالمسٹ ہے یہ درحقیقت ہمیشہ ہی آپ کو دھوکے میں رکھتی ہے، آپ سمجھتے ہیں آپ میں اس قدر ول پاور ہے کہ آپ اسے بدل دیں گے، لیکن یہ بہت...... خاموشی سے آپ کو بدل کر رکھ دیتی ہے، اتنا زیادہ کہ آپ کا آئینہ آپ سے مکر جاتا ہے، سو اچھے بچے بڑوں کے تجربے سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔'' کاندھا تھپتھپاتے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں وہ کچھ دیر تو سوچتی رہی، پھر سبزی کے جلنے کی بو آئی تو دوڑ کر کچن کی طرف بھاگی۔

''او گاڈ'' تیزی سے چولہا بند کیا مگر پھر بھی اچھی خاصی سبزی لگ چکی تھی، اس نے جلدی سے پتیلی بدلی مسالا پیس کر دوسرے چولہے پر قیمے کے ساتھ رکھ چھوڑا، ہلکی آنچ کر کے آٹا گوندھنے کے لیے آگے بڑھی ہی تھی کہ ماما نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ وہ کپڑے بدل کر کچن میں چلی آئی تھیں۔

''تم تھک گئی ہو بیٹا جاؤ آرام کرو میں باقی کام کرلوں گی۔''

''نہیں ماما اب ایسی بھی موم کی ناک نہیں ہوں، آپ کی بیٹی ہوں سو قطعاً نہیں تھکا کرتی۔'' وہ صاف مکر گئی وگرنہ تو دل آرام آرام چلا رہا تھا، ماما نے فرمانبرداری دیکھی تو خود آٹا چھان کر گوندھنے لگیں اور وہ چمچہ چلاتے ہوئے بغور مما کو دیکھے گئی اس کی ماما مشکل سے پینتیس چھتیس کی تھیں، اپنا خیال رکھنے کی باعث اٹھائیس تیس سے زیادہ کی ہی لگتی تھیں، دیکھنے والے، زیادہ تر انہیں اس کی ماما سے بڑھ کر بڑی بہن سمجھا کرتے تھے، لیکن اس سب کے باوجود پتہ نہیں کیوں اسے لگا کرتا جیسے تروتازہ سی مام اندر سے خزاں رسیدہ گلاب سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہیں، نرم جلد میں اسے تشنگی ہی تشنگی خون بن کر دوڑتی محسوس ہوتی اور آنکھوں پر نظر جا ٹکتی تو دم رکنے لگتا، لگتا جوگ بھری استھائی ہجر کے سوا کچھ نہ ہو، دھول یہاں سے وہاں تک اڑتی پھرتی اور تمنائیں بین کرتیں۔ وہ تڑپ جاتی، اس انداز پر تو ماما خوب ہنسنے لگتیں، خوب زور زور سے جیسے خود کو چھپانے کے لیے کوئی بکل ڈال لے۔

اور وہ بی اے کی طالبہ ہو کر بھی چاہتی کہ وہ اس بکل میں سے پوری کی پوری اپنی ماما برآمد کرلے، ویسی ماما جیسے سب کی ہوا کرتی ہیں، مطمئن دکھائی دینے کے دردسر میں مبتلا آسودہ سی مما جو اس کے گھر میں بیٹھ کر انتظار کریں اور انہیں تلاش معاش کی ہلکی سی پریشانی کا بھی سامنا نہ ہوتا۔''

''کیا بات ہے آج ہمارا بیٹا ہمیں اتنے محویت سے کیوں تک رہا ہے، بھئی کیا آج کچھ بدل گئی ہیں بیٹے کی ماما۔''

''نہیں تو ماما بس ویسے ہی دفتر کی پرابلم تھی۔'' وہ تیزی سے مڑ گئی بکل ڈال لینے کی تو اس کی بھی عادت بنتی جارہی تھی، اس کے ڈی این اے میں بکل ڈال کر چھپا جانے کی اضافی صلاحیت ودیعت ہوئی تھی، ماما جانے کس سے چھپتی تھیں اور وہ ماما سے خود کو چھپا لینے پر کیوں کمربستہ رہتی تھی، حالانکہ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی، ہاں مکمل ناکام بھی نہیں ہوئی۔

''آج تم بہت زیادہ گم صم ہو کوئی خاص بات کاشی۔'' ماما برابر والے چولہے پر توا رکھ کر پیڑے بنانے لگیں تو وہ نفی میں گردن ہلا کر نمک کی بوتل کا ڈھکن کھولنے لگی، پھر ڈالنے والی ہی تھی کہ ماما نے روک لیا۔

''کاشی بیٹا آپ تھوڑی دیر پہلے بھی نمک ڈال چکی ہیں۔''

''افوہ سوری ماما مجھے یاد نہیں رہا۔''

''از او کے اب جاؤ آرام کرو میں باقی دیکھ لوں گی۔''

ماما نے زبردستی اسے کچن سے باہر کر دیا تو وہ بیڈروم میں آگئی، تکیے پر سر رکھے اس نے کچھ سوچنے کی کوشش نہیں کی تھی، مگر ماضی خود بخود گھومتا چلا گیا تھا، جب ماما صرف اکیس برس کی تھیں اور وہ ماما کی گود میں تھی، پھر وقت گزرتا چلا گیا، لیکن اسے لگا وہ ابھی تک ماما کی بانہوں پر بوجھ کی طرح دھری ہے، دن رات کی محنتیں تھیں یا تنہائی وہ اکثر ماما سے پوچھا کرتی۔

''ہم اکیلے کیوں رہتے ہیں ماما اور بچوں کی طرح میرے پاپا کیوں نہیں ہیں۔'' تو ماما اسے خود سے لپٹا کر ایک ہی بات کرتیں۔

''تم سمجھو تم ان بچوں کی طرح ہو جن کی ماما نہیں ہوتیں یہ نظام قدرت ہے، بیٹا کسی کے پاپا نہیں ہوتے تو کسی بچے سے وہ رب ماما چھین لیتے ہیں۔''

''لیکن ماما آپ تو کہتی ہیں وہ اللہ میاں کسی سے کچھ نہیں چھینتے۔''

''ہاں یہ سچ ہے بیٹا وہ کسی سے کچھ نہیں چھینتے۔''

''پھر! پھر انہوں نے میرے پاپا کیوں چھین لیے۔''

''انہوں نے آپ کے پاپا نہیں چھینے بیٹا بس اپنے پاس واپس بلا لیے ہیں، اچھا لوگوں کی جتنی دنیا میں ضرورت ہوتی ہے وہاں بھی وہ بہت ضرورتی ہوتی ہیں بیٹا۔''

''ہوتی ہوگی مگر ماما ہمارے گھر میں بھی تو ان کی کمی ہے ناں۔''

''ہے لیکن بیٹا آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کے پاپا ایک اچھے انسان تھے۔''

''او کے مما لیکن آپ نے کبھی ہمیں پاپا کی تصویر نہیں دکھائی، میری فرینڈز کے پاس تو ان کے پاپا

کی شادی کی مووی تک ہے، لیکن مما آپ کی شادی کا تو البم تک نہیں ہے۔''

''وہ بس بیٹا آپ کے پاپا کو شوق نہیں تھا تصویروں اور مووی کا۔''

''واہ یہ اچھا رہا ماما، پاپا نے ہم سے تو نا انصافی کی ناں۔'' وہ بسورنے لگتی پھر وہ بڑی ہوگئی، لیکن اس نے پھر بھی اپنے پاپا کی تصویر نہیں دیکھی، سدا ماما ہی کو کام میں جتے دیکھا اور ہر روز ماما کی تھکن کو کسی آیت کی طرح لمحوں نے دوہرایا تو ہمیشہ اس نے ماضی کو یاد مکرر کیا، پتہ نہیں وہ ماضی سے شکوہ کرتی تھی، اس طرح یاد کر کے یا کسی پر تجسس بچے کی طرح ماضی کے اسٹور روم میں رکھے وقت کے بکس سے کوئی ایسی خوشی ایسی نایاب امید ڈھونڈ نکالنا چاہتی تھی جس پر اس کی ماما کی نظر نہیں پڑی تھی اور وہ ہوسکتا ہے اپنی ماما کی اس تلاش میں ان کی زیادہ بہتر انداز میں مدد کرسکتی تھی، لیکن ہر روز کی اس کاہش اس تگ و دو کا ایک ہی عاد اعظم نکلتا، صفر پوائنٹ اور زندگی ہر روز صفر پوائنٹ صرف پوائنٹ کرتی اس کے قدموں کے ہمراہ چلتی چلی جاتی۔

''کاشی کاشی بیٹا کھانا کھالو۔''

''ابھی سے ماما ابھی تو صرف ساڑھے سات ہوئے ہیں۔'' اس نے اٹھ کر بکھرے بالوں کو ربر بینڈ میں باندھتے ہوئے جواب دیا تو ماما اس کے بیڈ روم کی دہلیز پر آ جمیں۔

''کھانا ابھی نہیں کھا رہیں تو چائے بنا دوں بیٹا۔'' اور وہ ٹک ٹک ماما کو دیکھے گئی، پھر دل کو بہت روکا تھا مگر آنسو تھے کہ چلے آ رہے تھے۔

''ارے کاشی کیا ہوا بیٹا۔'' ماما تیزی سے اس کے قریب چلی آئیں، بانہوں میں سمیٹ لیا اور بولیں۔

''میں تو کب سے تمہاری اتری صورت دیکھ کر ہراساں تھی بولو بیٹا کیا ہوگیا۔ کیوں اتنی گم صم ہو کسی نے کچھ کہہ دیا کیا۔''

''نہیں تو ماما بس ویسے ہی رونا آ گیا۔'' اس نے ماما کے کاندھے سے آنکھیں رگڑیں، مگر ماما کو ٹالنا اب آسان نہیں تھا، سو حال دل کہہ گئی، ماما نے سنا تو ان کا نقرئی قہقہہ اطراف میں پھلجھڑی کی طرح چھوٹا۔

''ماما کتنی اچھی لگتی ہیں لیکن کتنا کم ہنستی ہیں۔'' وہ ماما کو دیکھ کر سوچے گئی، پھر تنہا ہوئی تو اس نے وقت سے گلہ کیا۔

''جن چہروں پر جن لہجوں میں قہقہے گونجتے بھلے لگتے ہیں، سنو وقت بے درد تم ان کے حصے میں ہی اس قدر خاموشی کیوں لکھ ڈالتے ہو تم اور تمہیں بنانے والے رب کو کیا ایسے چہروں پر رحم نہیں آتا۔''

وقت نے سنا تو سر جھکا لیا کیا کہتا سوال لاجواب تھا، جواب نادر کیسے سوجھتا سو دبے قدموں گم ہوگیا۔

☆......☆......☆

آج کی صبح بہت خوشگوار تھی، حالانکہ رات کی سوچوں سے اسے کسلمندی اور بوریت ہو جانی چاہیے تھی مگر حیرت انگیز طور پر اس کا موڈ خوشگوار تھا ماما سات بجے ہی جا چکی تھیں اس کے دفتر کا ٹائم ساڑھے سات بجے تھا لیکن وہ جس سیٹ پر تھی اس کے لیے وہ ہمیشہ ساڑھے دس تک دفتر پہنچتی اور اس وقت نو بج

رہے تھے سو اس نے جلدی جلدی تیاری کی کپڑے وہ رات کو ہی پریس کر لیتی تھی اس لیے اس وقت تیار ہونے میں اسے قطعاً دقت نہ ہوئی پھر ناشتا کر کے دفتر کے لیے نکل گئی دفتر میں کل کی رپورٹ میں دینے کو کچھ نہ تھا وہ پھر سے فائل اور بیگ لٹکائے اٹھ کھڑی ہوئی ارادہ آرٹس کونسل جانے کا تھا مگر اس کی روانگی سے سب ریان محل جانے کا قصد ہی سمجھے سو تمام کولیگز کی متفقہ رائے یہی تھی ضروری نہیں ہر بار ہی اسے کامیابی ہو وہ ابھی طفل مکتب ہے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اسے نوکری کرتے اور اس کی خوش فہمی کی انتہا ہے کہ وہ ریان رشید جیسے خبطی اور گھاگ انٹلیکچوئل سیاسی مبصر اور تجزیہ نگار کو ڈسکور کرنے نکل کھڑی ہوئی ہے۔

اس نے سنا تو بے وجہ عزم کو کمزور پڑتے دیکھا ممکن تھا وہ یہ عزم ٹشو پیپر کی طرح کسی ڈسٹ بن کی نذر ہی کر دیتی کہ مسٹر رضی شاہ حوصلے کی کمک لیے اس کی پشت پر آ پہنچے۔

''نو نو مائی چائلڈ تمہیں قطعاً ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرا ایمان ہے تم ہر وہ کام کر سکتی ہو جو دنیا میں کسی کے بس میں نہیں۔''

''مگر کیوں سر مجھ میں ایسی کیا بات ہے۔'' اس نے سوالیہ انداز میں دیکھا اور چلتے چلتے رک گئی تو مسٹر رضی شاہ نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں پھر جذب و یقین سے بولے۔

''صرف بات! تم میں خاص بات ہے بیٹا اور وہ یہ کہ تم مزیب منور کی بیٹی ہو اور بذات خود یہ حوالہ اس قدر مضبوط و حتمی ہے کہ باقی پھر تمہیں کسی اور حوالے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔''

اس نے پرسکون انداز میں دیکھا یہ رضی انکل ہمیشہ ہی سے ایسے تھے وہ چھوٹی سے تھی تب سے یہی رضی انکل ہی تو تھے جو اس میں یہ یقین انڈیلتے آئے تھے کہ وہ خاص ہے محض اس لیے کہ وہ مزیب منور کی بیٹی ہے۔ بظاہر یہ کسی اور کے لیے غیر اہم سی بات ہوسکتی تھی مگر وہ اس جملے سے واقعی تازہ دم ہو جایا کرتی تھی ماما کی شخصیت اور ڈٹ جانے کی خو اس میں پارے کی طرح دوڑتی تھی۔ ایسے کہ پھر وہ پلٹ کر کبھی بھی رضی انکل سے یہ نہ پوچھ سکنے کی جسارت کر سکی کہ آخر انہیں کیوں لگتا ہے مزیب منور کی بیٹی ہونا ہی خاص بات ہے یا مزیب منور کی بیٹی ہو کر وہ شکست کیوں نہیں کھا سکتی۔

''بی بریو ہنی۔'' انکل رضی نے پھر سے کاندھا تھپکا تو وہ حال میں واپس لوٹی الوداعی جملے کہہ کر باہر نکلی تو لمحہ بہ لمحہ اس سے چڑ رکھنے والا نمیر رزاق بائیک لیے اس کا منتظر تھا۔

''چلیے محترمہ میں آپ کو لیے چلوں۔''

''جبکہ میرے خیال میں مجھے کسی آفریا باڈی گارڈ کی ضرورت نہیں۔''

اس نے کسی ٹیکسی رکشے کے لیے نظریں دوڑائیں تو وہ بائیک کھڑی کر کے اس کے برابر آ کھڑا ہوا پھر بولا۔

''تم ایک کالج گرل ہو کاشفہ دنیا کی خبر بھی نہیں ہے دنیا تمہارے لیے یا تو صرف وہ ہے جو تم نے کتابوں میں پڑھی ہے یا اپنی ماما کی آنکھوں سے دیکھی ہے اور اسے لکھ لو دنیا صرف وہ نہیں ہے دنیا بھیانک اور کھردری حقیقت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اس میں نازکی اور ترحم نام کو نہیں ہے قرض خواہ کی طرح ہوتی ہے یہ ظالم اور بے درد کیا سمجھیں۔''

"یہی کے لکھتے لکھتے اب آپ مجھے سنا سنا کر بھی اپنے فلسفے سے بور کریں گے۔"

"یہ فلسفہ نہیں سچائی ہے کاشفہ دنیا کو تم کسی چھپے ہوئے دشمن کسی نادیدہ دوست نما ففتھ کالمسٹ کی طرح سمجھا کرو تبھی تمہارے اندر حساسیت اور شعور کی گہرائی پیدا ہوگی اور تم دھوکا کھانے میں ناکام ہونے سے بچ سکو گی۔"

"ٹھیک ہے آپ کی یہ بات یاد رہے گی مجھے لیکن اس وقت ان سب باتوں کا کیا مقصد ہے آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"حالانکہ میں تمہیں وقت سے آشنا کرنے والوں میں سے ہوں حیرت ہے تمہیں ابھی تک میری شخصیت کی بابت ابہام ہے۔"

"پلیز مسٹر نمیر میں بہت عدیم الفرصت ہوں۔"

"ٹھیک ہے بے کار میں بھی نہیں ہوں چلو۔ خاموشی سے بائیک پر میرے ساتھ چلو جہاں کہو گی چھوڑ دوں گا۔"

"ارے واہ عجیب دھونس ہے آپ کی' میں نہیں جانا چاہتی تو بس نہیں جاؤں گی۔"

وہ تپ گئی تو وہ اسے گھورنے لگا پھر خود بھی تپ کر بولا۔

"تمہیں پتا ہے کل میں سنگ مرمر کے اس محل کے باہر کتنی گرمی میں تمہارے لوٹ آنے کا منتظر رہا ہوں میرا ایک ایک پل بدحواسی میں گزر رہا ہے مزید دیر کر دیتیں ناں تو باقاعدہ ریڈ کرنے والا تھا میں۔"

"واہ کیا میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ میری جاسوسی کریں۔"

"نہیں کہا ہو گر تمہاری صورت کی یہ معصومیت خوامخواہ ہی بندے کو محافظ بننے پر مجبور کر دیتی ہے ادھر دیکھو تم مجھے کیا ایسا ویسا سمجھتی ہو۔" وہ لمحہ بھر کو رکا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"پورے دفتر میں' میں ایک نمبر کا سیل فش اور سرد مہر مشہور ہوں کیونکہ میں نے ہمیشہ ہی سے زندگی گزارنے کا ایک ٹریک مقرر کر رکھا ہے اور اسی طرح جیتا آ رہا ہوں کہ کسی کے معاملے میں نہ بولو نہ کسی کو اپنے کسی معاملے میں شامل کرو مگر تمہیں دیکھ کر پورے تیس برس کی محنت اور مزاج پر پانی پھر گیا کاشفہ حسان دل چاہتا ہے تمہاری حفاظت کرنے کو تمہاری دیکھ ریکھ رکھنے کو۔"

"یعنی اب اس کے بعد یقیناً آپ محبت کا دعویٰ کریں گے۔"

"قطعاً لیکن میری محبت صالح ہے دوسری قسم کی محبت سے دنیا میں کیا رشتوں کی ایک وہی گھسی پٹی تشریح رہ گئی ہے۔ کاشفہ حسان تم جو چاہو سمجھو میں بزعم خود ہی سہی لیکن تمہارا بڑا بھائی ہوں اور اس رشتے کی جتنی مراعات و ذمہ داریاں ہیں وہ بنا کسی محبت کے مجھے زندگی نے تفویض کر ڈالی ہیں کیا سمجھیں۔"

وہ کچھ کہہ ہی نہ سکی ہر لمحہ چڑانے غلطیاں پکڑ کر اسے شرمندہ کرنے اور ان غلطیوں کو درست کروانے والے نمیر رزاق سے اسے اس انکشاف کی توقع ہی کب تھی سو اس انکشاف کا یہ تو حق تھا کہ دم سادھے اس کی تمام تر شیرنی خود میں اتارتی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے ماما کی تھکن پر نمیر کا حوصلے بھرا وجود ڈھارس لگنے لگا تھا۔

"آئی! آئی ایم سوری نمیر بھائی میں نے آپ کو غلط سمجھا۔"

"ازراو کے چلو میں تمہیں ریان محل چھوڑ دوں گا۔" وہ بنا چوں چرا کیے اس کے پیچھے بائیک پر بیٹھ گئی پھر نرمی سے بولی۔

"ریان رشید دو دن بعد مل سکیں گے آپ مجھے آرٹس کونسل چھوڑ دیجیے گا۔ مجھے آج وہاں ہونے والے سیمینار کی رپورٹنگ کرنی ہے۔"

"او کے۔" کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور موٹر سائیکل سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

☆......☆......☆

بظاہر ان کی عمر بیالیس سال تھی مگر شخصیت کے رکھ رکھاؤ اور پرسنالٹی سے وہ پینتیس سے زیادہ کے نہیں لگتے تھے گندمی رنگت میں غلافی آنکھیں اور سیاہ کرلی بالوں میں کنپٹیوں کے برائے نام سفید بال متناسب ہونٹ اور ہونٹوں میں دبا ہوا "ہوا" کا سگار' کلائی پر بندھی ہوئی ہیرے جڑی راڈو اور اس کی خیرہ کن چمک ان کی شخصیت سے اس طرح انعکاس کر رہی تھی چلتے چلتے بندہ اک بار انہیں دیکھتا ضرور "شاندار" کا خطاب دیتا ہوا آگے بڑھ جاتا لیکن نظر پھر بھی پیچھے رہ جانے والے ان کے عکس میں مدغم ہی رہتی مگر انہیں اس کی پروا نہیں کہ انہیں کتنے لوگ دیکھ کر سراہتے ہیں اور انہیں نہایت خوب صورت شخص گردانتے ہیں درحقیقت خوب صورتی کی بھی ان کی ایک الگ تشریح تھی وہ خوب صورتی وہاں دیکھ لیتے تھے جہاں دوسرا کوئی شخص دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا اور انہیں وہ منظر عام لگا کرتا جس میں ڈھیروں فینسی حسن پینٹ کیا گیا ہو۔

سب کا خیال تھا وہ خبطی تھے مگر درحقیقت وہ جانتے تھے کہ انہوں نے کس قدر تلخ ماحول میں سانس لی تھی گندی گندی چھوٹی سے گلیوں کے ایک جال میں ان کی بھی کچھ یادیں تھیں اور اس کچی آبادی کے ایک کمرے کے گھر میں وہ رہا کرتے تھے جہاں روٹی سے زیادہ بھوک صحت سے زیادہ بیماریاں اور وسائل سے زیادہ مسائل ہر وقت منہ کھولے کھڑے رہتے تھے اور انہوں نے اسی ماحول میں اپنے گھر میں ایک سرخ پھولوں والا پودا گملے میں لگا چھوڑا تھا ان کی ماں کہتی تھیں۔

"پینے کو ہمیں پانی نہیں ملتا تو اس پودے کو کیسے سینچے گا یہاں دن کے چوبیس گھنٹے دھوپ پڑتی ہے کملا نہ جائے گا۔"

مگر انہیں کسی کی پروا نہیں تھی وہ محض اس پودے کی ڈھارس باہر قدم قدم پر بکھری ہوئی گندگی اور غلاظت سے دامن چھڑا لیتے انہیں پڑھنے کا شوق تھا اور یہاں کھانے کے لالے پڑے ہوئے تھے سو چپکے چپکے انہوں نے باہر دوستیاں گانٹھ لیں اماں حسرت سے کہتیں یہ بچہ بھی بگڑ گیا۔ تو بابا کہتے۔

"کیوں تمہیں کیوں خوش فہمی تھی کہ یہ بچہ نہیں بگڑے گا کیا اس ماحول میں رہ کر اس نے ارسطو بننا تھا۔"

"ارسطو نہ سہی انسان ہی بن جاتا کیا ماحول سے کم تر ہوتی ہے تربیت۔"

شکوہ سوال اردگرد پھیرے لینے لگتے تو ابا چڑ جاتے۔

"کیسی تربیت کون سی تربیت تمہیں دن رات ہائی ویلا سے فرصت کب ملتی ہے کہ تم دونوں بچوں کو دیکھو سن رہی ہو ناسمجھی تم نے اپنے مستقبل کو خود تاریک کر لیا ہے ورنہ بڑے بڑے انسان حالات کی بھٹی

سے گزر کر ہی کندن بنے ہیں ہم کسمپرسی میں تھے ضرور لیکن کیا جاتا جو تم ان دنوں کو چراغ کر لیتیں مستقبل کا حسین خواب ان میں دیکھ لیتیں رنگ نہ بھرنے کی استطاعت نہ رکھنے کا دکھ اپنی جگہ تصویر نہ بگاڑتیں میں کلرک سہی میرے بچوں کو میری طرح ہی بننا تو چاہیے تھا مگر پتا نہیں وہ کن راستوں کے مسافر بن گئے ہیں۔"

اماں کچھ نہ کہتیں ہولتی رہتیں اور وہ اپنے سے چھ برس بڑے بھائی کی روز و شب کی حرکتوں پر اماں سے زیادہ ہولتے رہتے۔

یہ بیسویں صدی کے نصف کا زمانہ تھا اور اس زمانے میں معجزے ہونا ہی نہیں بڑے انسان پیدا ہونے بھی موقوف ہو گئے تھے مگر وہ اس حال میں بھی سوچتے تھے کہ اگر بڑا انسان نہ سہی دوسرے درجے کا اچھا شہری تو بن ہی سکتے ہیں کچھ بھی نہ کر سکیں تو کیا یہ ضروری ہے اس ملک کے لیے برا کیا جائے اور اس بات پر ان کا بھائی نعمان رشید خوب ہنستا۔

"پتا نہیں کہاں کی مخلوق تھا اور بھیج دیا گیا یہاں اس دنیا میں مجھے تمہاری ناقدری کا افسوس ہے یار من۔"

وہ نظریں نیچی کر لیتے مگر سگریٹ کی بو انہیں اپنے اندر رچتی بستی محسوس ہوتی وہ اماں کے سامنے بیٹھے ہوتے تو دل چاہتا کہیں۔

"اماں یہ نعمان بھائی ابا کی طرح سگریٹ پینے لگے ہیں ابھی صرف سولہ برس میں۔" مگر کہہ نہیں پاتے آپ ہی آپ زبان میں لکنت آ جاتی اتنی دکھی سی اماں کو ایک نیا دکھ دیتی یہ اطلاع لہٰذا حیرت سے نعمان کو لمبے لمبے سوٹے لگاتے دیکھا کرتے کتنا دھواں بھر گیا تھا ان کے اندر ایسا دھواں انجن میں سے نکلتے انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا مگر وہ انجن تو مسافرت کا کشٹ اٹھائے کسی نہ کسی معلوم منزل کی طرف روانہ تھا مگر یہ نعمان بھائی یہ تو بے منزل بے مراد پھرتے تھے جیسے کھانے پینے سونے کے سوا دنیا میں کچھ نہیں ہے کرنے کو۔

وہ اکثر ان سے بحث کرتے اپنے دوستوں کی کہی باتیں بتاتے ہوئے کہتے۔

"زندگی کا مطلب کام آنا کام کرنا ہے بہتر سے بہتر کی طرف مسلسل سفر کا نام ہے۔" وہ ہنس پڑتے۔

"کون سا سفر اور کون سا کام یہ سب فضول ہی ہے کچھ نہیں رکھا دنیا کی طرف دیکھنے میں یہ ہمارے لیے سوچتی ہے جو ہمیں اس کی پروا ہو۔"

وہ سن کر اڑا دیتے ضروری تو نہیں تھا جس طرح وہ انہیں اپنا ہم نوا نہ کر سکے تھے بن محبت کے ان کے ہمنوا بن جاتے ایک خاص طرح کا ٹھہراؤ بارہ برس کی عمر میں بھی ان میں خون کی گردش کی طرح دوڑتا تھا وہ بے شمار برائیوں میں سے بھی اچھائی ڈھونڈ لیا کرتے تھے۔

پھر انہوں نے پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دیا تھا جب اچانک انہیں اپنے ماحول اور اپنی حالت بدلنے کا خیال خود بخود وجود میں ارتعاش پیدا کرتا محسوس ہوا انہوں نے کمر باندھ لی گھر گلی کی صفائی کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا تو سب نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ یوں جیسے چھوٹا سا بچہ اپنی حیثیت سے

بڑھ کر کوئی کھلونا مانگ لے اپنے دماغ سے آگے تک سوچنے کی ضد کرنے لگے مگر وہ اس کے لیے پہلے سے تیار تھے سو دو برس کی کاوش و محنت سے انہوں نے آ کر اپنے لوگوں کو قائل کر ہی لیا بابا نے بیٹے کے گن دیکھے تو بڑے بیٹے کی ذمہ داری سے فرار چاہنے کے لیے گھر سے بھاگ جانے کا زخم کچھ مندمل ہونے لگا آنے جانے ملنے جلنے والے سب کا یہی خیال تھا۔

"رشید باؤ بیٹے کو سیاست میں لاؤ گے۔" بابا ہنس پڑتے، موڈ میں ہوتے تو کہتے۔

"میرا بیٹا کھرا سچا انسان ہے کہتا ہی نہیں کر بھی دیتا ہے وعدہ ایفا کرنے مشکلات سے گھبرانے کی بجائے خندہ پیشانی سے اس کا مقابلہ کرتا ہے پھر آپ ہی کہیں یہ سیاست دان کیسے بن سکے گا ایک بھی تو عادت نہیں ان جیسی۔"

سب قائل ہو کر ہنس پڑتے اور وہ پڑھائی کے ساتھ ہوٹل میں پارٹ ٹائم جاب بھی کرتے حالات برے اور تعلیم کم تھی تو انہوں نے بیرا گیری بھی کی سامان بھی ڈھویا کسی نہ کسی ورکشاپ میں بھی سر جھکا کر وقت بتایا لیکن اب جبکہ وہ ایم اے انگلش تھے تو ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ریسپشنسٹ کے فرائض انجام دے رہے تھے یہ ان کی منزل نہیں تھی ایک پڑاؤ تھا وہ بہت آگے تک کے خواب دیکھنے والے انسان تھے لیکن زندگی ان کے مقابلے میں بہت سنگ دلی سے سچائیوں سے غازہ لپ اسٹک اتارنے والی ہمراہ بنی ان کی راہ اور سوچ میں تھکن پھیلانے لگی۔

وہ کبھی کبھی مکمل طور پر خود کو نا کام سمجھنے لگتے جب استقبالیہ پر دن میں کئی ہزار بار یو ویلکم مسکراہٹ کے ساتھ ہر آنے والے کا استقبال اور جانے والے کو الوداع کہنا پڑتا یا جب ہوٹل کی سروس سے کسی کو شکایت ہوتی تو وہ جاتے جاتے انہیں بھی کچھ سنا دیتا تب! تب انہیں خود سے زندگی سے شکایت ہی شکایت ہوتی چلی جاتی۔

اور پھر اس دن یہ شکایت جب نعمان رشید کا روپ دھار کر ہوٹل کے کاؤنٹر پر آ کھڑی ہوئی تو وہ حیرت زدہ بھی نہ ہو سکے قدم قدم یہ اس قدر حیرت کے جھٹکے لگے تھے کہ اس کی اہمیت ہی ختم ہو گئی تھی انہوں نے عالموں کے مقابلے میں بے علم کو اونچے سنگھاسن پر دیکھ رکھا تھا سچ کو جھوٹ محبت کو غرض کی ایسی ایسی پرتوں اور غلافوں میں دیکھا تھا کہ پھر کچھ بھی باعث حیرت نہ رہا تھا۔

"جو ہو رہا ہے وہ تو ہونا ہے اور اس غلط ہونے کو روکنے کے لیے جو ہمیں کاوشیں کرنی ہیں وہ بھی صرف ہمارا ہی دردسر ہے سو اپنی انرجی ہم محض انگشت بدنداں رہنے میں کیوں ضائع کریں۔"

وہ عموماً یہ ہی سوچتے لیکن اس دن انہوں نے ایک ایک لمحے یہی بات سوچی اور نعمان رشید ان پر اپنی امارت دولت کا رعب جھاڑ رہا تھا ان کی بے توقیری پر جملے کس رہا تھا۔

"کیا کر لیا پڑھ لکھ کر کیا پا لیا سچ کہہ، سن کر، دیکھو تم ابھی تک ان کہی میں اٹکے ہوئے ہو بالکل آخری سانس کی طرح۔"

انہوں نے سنا تو پوری توجہ سے بھائی کو دیکھا پھر مسکرا کر بولے۔

"ان کہی کا بھی ایک مزا ہے نعمان بھائی جب ہر طرف لفظوں کا شور ہو آپ نہیں جانتے یہ ان کہی کتنی غصب ناک اور کافر لگتی ہے آخری سانس لینے نہ لینے میں جو تھرل ہے وہ جینے میں بھی نہیں لیکن یہ

باتیں آپ نہیں سمجھیں گے۔"

"ہاں میں جاہل ہوں ناں ان پڑھ لیکن دیکھ ریان میں تجھ سے کہیں زیادہ جانتا ہوں دنیا کے بارے میں۔"

وہ کرسی پر سامنے آ بیٹھے۔

"حالانکہ جو جان لیتا ہوتا ہے وہی تو ہماری ذات کا فریب ہے مجھے دیکھیے میں آج بھی اس بچے کی طرح ہوں جس نے دنیا میں پہلی بار آنکھ کھول کے دیکھا ہے اور جتنا دیکھ لیا اس سے بڑھ کر پلکوں کے جھپکنے میں نہ دیکھنے کی تشنگی مجھے کبھی آزردہ مایوس نہیں ہونے دیتی مزید دیکھ لینے مزید عقدے حل کرنے میں جو دلکشی امید ہے وہی میری زندگی کا حاصل ہے۔"

"ہا امید! وہ بھی تجھ جیسے شخص کے پاس محض ڈھائی ہزار کے ملازم پیشہ کے پاس امید ادھر دیکھ میں ہر روز صرف کھانے پر ڈھائی ہزار اڑا دیتا ہوں لیکن میں پھر بھی مایوس نہیں۔"

"غلط فہمی ہے آپ کی ورنہ زندگی کے خلاف ہو جانا ہی آپ کی ناامیدی کا مظہر ہے لوگوں میں موت بانٹنا خود موت کے سکہ بند حواری ہو کر امید کے قتل میں شریک ہو کر بھی آپ کہتے ہیں آپ ناامید نہیں ناامیدی تو آپ کے ہر موئے تن سے چھلکی پڑ رہی ہے نعمان بھائی امید اور ناامیدی رویوں میں نہیں ہوتی کیونکہ انسان کی ہوس بھی بنتی نہیں خواہشیں بے لگام گھوڑے کی طرح ہیں جس پر صرف وہی سواری کر سکتا ہے جو اپنے نفس کو غلام بنا لیتا جانتا ہو امید ہمارا خواب ہے نعمان بھائی ایک اچھی زندگی اچھے ملک کی تعمیر کا خواب اور یہ خواب جب تک کسی ایک انسان میں بھی پھول کھلانے پر مامور ہے امید تب تک نہیں مر سکتی جسم مرتے ہیں نعمان بھائی اور امید روح ہے روح کبھی نہیں مرتی۔"

"شاید! لیکن تم نے خود کی رفتار نہیں دیکھی جب فاقہ ہو آپ کے بچے بلبلاتے ہوئے آپ سے اپنی ضروریات کے لیے احتجاج کریں تو امید آپ کا دامن نہیں بھرتی صرف آپ کا پیٹ روٹی بھر سکتی ہے اور روٹی پیسوں سے خریدی جاتی ہے اور پیسے کہیں سے بھی کمائے جا سکتے ہیں شاید تم نے سنا ہو جان پر بن آئے تو حرام بھی حلال ہو جاتا ہے۔"

"میں نے سنا ہے لیکن شاید آپ نے یہ نہیں سنا دنیا میں انسان کے کبیرہ گناہوں میں جو معاف نہیں کیے جا سکتے شرک کے بعد اپنے وطن اپنے قوم سے غداری بھی ہے رہا فاقے سے گھبرا کر خودکشی کر لینا تو یہ بھی ناامیدی سے ہی جنم لینے والا حادثہ ہے شاید آپ غریب شہر کے فاقوں سے مرنے اور امیر شہر کے ہیرے سے خودکشی کر لینے والے خیال سے چند ساعتوں تک محفوظ ہو سکتے ہیں واہ کیا شعر ہے کہہ کر شاعر کو خراج تحسین بھی پیش کر سکتے ہیں لیکن آپ کسی بھی طرح اس شعر میں بھری ہوئی یاسیت کو خوشگواریت میں نہیں بدل سکتے۔

مایوسی گناہ ہوتی ہے نعمان بھائی ایک مسلمان کبھی مایوس نہیں ہو سکتا جو مایوس ہو جاتا ہے وہ مسلمان نہیں ہوتا جو اللہ کو مانے وہ ناممکن ہے کہ اس بات سے مایوس ہو جائے اللہ اس کی دادرسی کرنے والا مالک کل ہے ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے پھر کیسے ممکن ہے اس کی حالت نہ بدلے۔

نعمان بھائی یہ دنیا دسترخوان کی طرح ہے جس پر انواع اقسام کے کھانے دھرے ہیں اور انہیں

حاصل کرنے کے لیے اپنی مدد آپ کے تحت جدوجہد کرنی ہے پڑتی ہے جہاں کسمپرسی ہے وہاں بھی خوشحالی لائی جا سکتی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ رہے بار بار کوشش پر بھی باب قبولیت بند ملے تو دستک پھر بھی دیتے رہنے ہی میں بندگی ہے اور بندگی اسی کا اعلان ہے کہ ہم نے اسے اپنا مان کر اس کی طرف سے ہر اچھے برے کو اپنا لینے کے لیے اپنی ول پاور سرنڈر کر دی ہے لوگ تو چٹنی سے بھی گزارہ کر لیتے ہیں ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو کئی دن کے فاقے سے ہوتے تھے لیکن پھر بھی شکر کرتے تھے اور شکر ناامیدی کا اینٹی بائیوٹک ہے یہ خبریں اخبار فروخت کر سکتی ہیں سنسنی پھیلا سکتی ہیں لیکن انسانیت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں کیا سمجھے آپ۔"

"یہی کہ تم گلے گلے تک خوش فہمی اور زعم زندگی میں ڈوبے ہوئے ہو مگر ایک وقت آئے گا تمہیں لگے گا تم جسے چھاؤں سمجھ رہے تھے اصل میں وہی تو چلچلاتی دھوپ کا مسکن تھا۔"

"ایسا ہو تو میں تب بھی ناامید نہیں ہوں گا خودکشی نہیں کروں گا۔"

"دیکھوں گا کب تک تم پر یہ سرور چھایا رہتا ہے۔" نعمان رشید اٹھ گئے پھر پتہ چلا وہ ایک پولیس مقابلے میں مارے گئے انہوں نے بھی یہ خبر اخبار میں پڑھی تھی ان کی لاش سردخانے سے لینے گئے تھے تب تک زندگی پر اعتبار رہا تھا مگر خون آلود لاش کے ساتھ لپٹی رسوائیاں سمیٹنی پڑی تھیں تو علم ہوا تھا بے بسی اور احساس بے چارگی کیا ہوتا ہے نعمان رشید دفنا دیئے گئے تھے مگر ہر ہر قدم پر ان کی شہرتیں ان کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی تھیں لیکن وہ ہارنے نہیں نکلے تھے سو بہت کوشش سے انہوں نے کرائم رپورٹنگ کی طرف رخ کر لیا پہلے تو لوگوں نے انہیں ریجیکٹ کیا مگر پھر متوجہ ہوتے گئے اس طرح کہ پھر ان ہی کی طرف دیکھنے لگے اور زندگی کی رفتار متوازن ہو گئی۔

"ہے چاچو ویر آر یو بھئی۔" یک دم چٹکی بجانے کے ساتھ ہی کسی نے پکار بھی لیا تو ریان رشید یک دم چونک سے گئے بک ان کے سینے پر دھری تھی اور وہ اس وقت ایزی چیئر پر جھول رہے تھے اور وقت کسی بچے کی طرح ان کے اوراق ماضی پلٹ پلٹ کر زندگی کو ان کی بائیوگرافی پڑھ کر سنا رہا تھا اس کی آواز میں جان تھی سو وہ بھی محو تھے کہ یہ لڑکا چلا آیا جو یوں تو چھبیس برس کا تھا مگر کبھی کبھی بالکل چھ برس کا لگنے لگتا تھا۔

"چاچو ادھر دیکھیے ناں کہاں گم ہیں آپ۔"

"کہیں نہیں بھئی بس یونہی خود کو ریسٹ دے رہا تھا۔"

"یقیناً غلطیاں تو بس یونہی تم سے منسوب ہو کر تمہیں بدنام کرتی ہیں ورنہ تم جیسا پیارا بچہ دنیا میں اور کہاں ہوگا۔"

"بچہ! چاچو خدا کا خوف کریں میری عمر کے لوگ تو خود بچے والے ہیں اور آپ مجھے بچہ کہہ رہے ہیں دیکھیے مجھے کسی کا سرتاج نہ بنانے میں قسمت کا اتنا دخل نہیں جتنا آپ کا ہے۔"

"اچھا جی خالی خولی الزام تراشی۔"

"نہیں چاچو الزام تراشی نہیں حقیقت ہے، یہ دیکھیے آپ نے شادی نہ کر کے آخر کون سا سکھ پا لیا ہے جو آپ اپنے تجربے کی بھینٹ مجھے بھی چڑھانے پر تلے ہوئے ہیں"

"بکومت کام کی بات کرو۔"

"کام کی ہی بات کر رہا ہوں چاچو دن رات پڑے پڑے بور ہو رہا ہوں کیا ہی اچھا ہو آپ میری شادی کسی ایسی لڑکی سے کروا دیں جو ساتھ میں بچے فری لا سکے۔"

"میر! کیا فضولیات ہے یہ میں اس قسم کی باتوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔"

"سامنے کی بات ہے چاچو آپ نہ اپنے بچوں کی بات پسند کرتے ہیں اور نہ میرے بھلا غیر کے بچے آپ کی جذباتیت کو کیسے چھو سکیں گے دیکھیے صائب مشورہ ہے میری شادی کر دیجئے ثواب دارین پائیں گے۔"

"تو کیا تم واقعی یہی بات کرنے میرے پاس آئے تھے۔" انہوں نے ابرو ترچھے کر کے سگار کا دھواں فضا میں اچھالتے ہوئے پوچھا تو وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گیا پھر سر ہلا کر بولا۔

"واقعی پیرو مرشد آپ جنتی روح ہیں ورنہ لیلیٰ مجنوں سسی پنوں یا رومیو جولیٹ ان سب نے جس مسئلے کو آفاقی اور عالمی مسئلہ ثابت کیا حتیٰ کہ اپنی جانیں تک دے ڈالیں درحقیقت وہ مسئلہ، مسئلہ تھا ہی نہیں دنیا میں شادی اور محبت سے بڑھ کر ہاٹ اشو موجود ہیں مگر میں اکثر یہ بھول جاتا ہوں اور آپ سے انسانوں والا بی ہیویر اپنائے جانے کی توقع کرتا ہوں حالانکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آپ پتھر ہو سکتے ہیں فرشتہ ہو سکتے ہیں مگر انسان امپاسیبل۔"

"بکومت اتنا زیادہ بور ہونے کی ضرورت نہیں کہو کیا معاملہ تھا۔"

"وہ معاملہ" اس نے موڈ نرم دیکھ کر اتنی ڈھیر ساری بکواس میں سے کام کی بات نکالی پھر مسکرا کر بولا۔

"وہ ایک لڑکی ہے۔"

"آئی تھنک تم کبھی کسی میل پرسن کے متعلق اس قدر زور و شور سے گفتگو کر بھی نہیں سکتے مجھے پہلے سے پتا ہے' آگے کہو کیا ہوا اس لڑکی کو۔"

"اس لڑکی کو کچھ نہیں ہوا چاچو بس مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں نے اپنی جسارت بتا دی تو آپ ہتھے سے اکھڑ جائیں گے۔"

"یعنی' کوئی لمبا گھپلا۔" وہ غصے سے تنے اعصاب لیے کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے تو تدمیر حسن چھلانگ مار کر صوفے کے پیچھے ہو گیا پھر اٹک اٹک کر بولا۔

"نو چاچو آپ جو سمجھ رہے ہیں ویسا ہرگز نہیں ہے دراصل وہ لڑکی ہے ناں وہ اخباری رپورٹر ہے۔"

"اس کا مطلب؟"

"مطلب یہی چاچو کہ وہ آپ کا مفصل انٹرویو کرنا چاہتی ہے۔"

"مگر میں نے سختی سے انٹرویوز کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔"

"جی چاچو مگر مجھ سے غلطی ہو گئی میں نے اسے دو دن کے بعد کا وقت دے دیا ہے اور وہ اس منڈے کو آپ کا انٹرویو لینے آئے گی۔"

"کیا حماقت ہے یہ، ہرگز نہیں میں اس ملک کے کسی اخبار کو انٹرویو نہیں دوں گا۔"

"چاچو وہ نیوز لائن کی رپورٹر ہے آپ ہی نے تو بتایا تھا آپ نے اپنے کیریئر کا آغاز نیوز لائن

سے ہی کیا تھا۔"

"کیا تھا لیکن جو کچھ اس اخبار نے میرے لیے کیا تھا میں نے اس سے بڑھ کر اسے لوٹا دیا تھا نیوز لائن کا اب مجھ پر کوئی حق نہیں۔"

"یہ تو سامنے کی بات ہے چاچو نیوز لائن کیا' آپ پر تو اب کسی کا بھی حق نہیں۔"

"بکومت تم مجھے سینٹی مینٹل کرنا چاہتے ہو سستے لفظوں سے میری جذباتیت کو ابھارنا چاہتے ہو میر آئی ہیٹ اٹ۔" انہوں نے کہتے کہتے پشت موڑ لی تو وہ [illegible]رنے لگا۔

"پلیز چاچو چھوٹی سی لڑکی ہے بالکل فل اسٹاپ کے برابر اتنا سا ہی اس کا انٹرویو ہوگا دے دیجئے ناں دیکھئے میری ٹور شور کا معاملہ ہے آپ کے انکار سے کیا سوچیں گے یہ پاکستانی۔"

"یہ قوم کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوتی تو ایسی ہرگز نہ ہوتی اس حالت میں ہرگز نہ ہوتی۔" لمحہ بھر کو رک کے پھر آہستہ سے بولے۔

"ٹھیک ہے میں یہ پہلی اور آخری بار تمہاری غلطی نبھا رہا ہوں آئندہ مجھ سے پوچھے بغیر میرے متعلق تم کسی سے ڈس کشن نہیں کرو گے میں تمہیں عام نہیں دیکھنا چاہتا میر۔"

"حالانکہ ہر عام انسان کسی اپنے کی نظر میں خاص بھی ہو سکتا ہے چاچو مگر یہ آپ نہیں سمجھیں گے۔"

"ہاں پتہ نہیں کب آئے گا وہ وقت جب میں تمہاری اور تم میری سمجھ سکو گے۔" زیر لب کہہ کر انہوں نے کھڑکی کھول لی اور باہر کا اندھیرا ان کے اندر بھر گیا خالی ڈھنڈار پڑے دل میں جہاں خلا ہی خلا تھی جو بھی چاہتا بس سکتا تھا سو دکھ ناشاد آرزو کے ساتھ اندھیرا بھی مکین ہو گیا تب بھی انہیں خبر نہ ہوئی کہ عرصہ ہوا تھا انہوں نے اپنی خبر رکھنا چھوڑ دی تھی۔

☆......☆......☆

اس وقت وہ اپنے سامنے بہت سے اخبارات پھیلائے بیٹھی تھی اور پہلے تو یہ بہت ہی کم اسے نصیب ہوتا تھا افراتفری میں کالج جاتے وقت تو سرخیاں تک دیکھنے کی مہلت نہیں ملتی تھی لیکن اب دن رات موصول ہونے والی خبروں کی اتنی بازگشت سنائی دیتی تھی کہ اب اسے خبر کے مفہوم سے بھی چڑ ہونے لگی تھی یعنی کسی کے زخم دریدہ کو ہائی لائٹ کرنا۔

پرانے وقتوں کے لوگوں کے لیے خبر کا مفہوم صرف اسی قدر تھا کہ وہ بات جسے لوگ پڑھ کر چونک جائیں اور تفصیل پڑھنے پر خود کو مجبور پائیں مگر آج کے دور میں یہ مفہوم بس اسی قدر رہ گیا تھا کہ لوگ ششدر رہ جائیں قتل و غارت گری کلچر لوگ اب اس قدر نہیں چونکتے جس قدر ان لرزیدہ خبروں کی تصاویر کیش کرا کر ان میں سنسنی پیدا کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا جا سکتا تھا اور فی زمانہ خبر اور اخبار کی اس ڈگر پر روزنامے چلتے تھے مگر اسے سدا سے اس طریقہ سے اختلاف تھا۔

آج چھٹی کا دن تھا سو ماما کے سامنے وہ بیٹھی مام سے اس طرح بحث میں لگی ہوئی تھی جیسے یہ سب ماما کی درد سری یا ماما کی منشاء سے ہو رہا تھا کچھ دیر تو ماما اسے قائل کرتی رہیں مگر وہ مانی نہیں تو وہ چپ ہو گئیں اس نے انہیں چپ دیکھا تو بھنا کر بولی۔

"خاموش کیوں ہیں ماما بولیے نا کیا یہ غلط ہے کہ اخبارات کا چلن بگڑ گیا ہے۔"

ماما نے دیکھا اور چونک پڑیں یہ اسٹائل یہ لہجہ کس قدر مشابہہ تھا کسی سے مگر اس لہجے سے اس وجود کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن لفظ لفظ وہی کیفیت طاری تھی شاید اس لیے کہ وہ اسی اسٹیج پر تھی جس اسٹیج پر وہ پرانا لہجہ تھا وہی بلند آدرش وہی سچائی کا خبط وہی ہر بات سے اختلاف وہی آئیڈیلزم کی باتیں۔

''آپ ہار گئی ہیں ماما خاموشی اسی بات کی گواہ ہے کہ آپ کے پاس دلائل دینے کو کچھ بھی نہیں۔''

ماما نے سر اٹھایا کچھ کہہ بھی نہ پائی تھیں کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی کاشفہ حسان تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی ماما نے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیئے ناشتا کرنا اب دوبھر لگنے لگا تھا عموماً اختلاف رائے کے بعد بہت ہی کم ان کی بھوک قائم رہتی تھی سو اس وقت بھی انہوں نے چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا بریڈ پیس پلیٹ میں یونہی دھرے رہ گئے تھے ہلکے ہلکے سپ لے رہی تھیں جب اچانک وہ دوبارہ ان کے پاس آئی۔

''ماما مجھے جانا ہے اچانک رضی انکل کا فون آیا تھا وہ کہہ رہے ہیں نیول ویز کی ہونے والی نمائش کی کورنگ کرنی ہے اور ماما ٹائم بالکل نہیں ہے ورنہ بحث پھر کرتی مجھے تیار ہونا ہے میں چلتی ہوں۔''

وہ لمحہ بھر کو تھمی پھر مسکرا کر بولی۔

''ویسے تو مجھے یہ خالی خولی کی مصنوعاتی اشیاء کی نمائش سے خاصی چڑ سی ہوتی ہے مگر اپنی افواج پاکستان کی تو بات ہی اور ہے بائی گاڈ ماما میرا دل چاہتا ہے ان کی تعریف تو قیر پر صفحے کے صفحے بھر ڈالوں لیکن پھر بھی محسوس کرو تو صرف یہی کہ میں نے ان کی کاہش ان کی محنت تعظیم کا حق ادا نہیں کیا یو نو اس قسم کی نمائش سے بندہ کیا فیل کرتا ہے۔''

وہ ماما کی گردن میں بازو حمائل کرتی جذب سے بولی۔

''مجھے محسوس ہوتا ہے ماما جیسے میں بہت محفوظ ہوں میرا ملک بہت محفوظ ہے تم خالی خولی دعوے داروں میں افواج پاکستان کا وجود مثل یقین ہے ہاں ہم اپنے وجود سے واقف اس وجود اس مملکت خداداد کی حفاظت کے لیے کٹ مرنے پر تیار ماما آپ جان ہی نہیں سکتیں پاکستانی ہتھیاروں کی نمائش یا محض ان کی وردی ہی کس قدر مغرور کر دیتی ہے۔''

لمبی سانس کھینچ کر وہ تیار ہونے چل دی لوٹی تو ماما کو کچن میں خدا حافظ کہتی باہر نکلتی چلی گئی اور ماما نے سوچا۔

''کیا اس عمر میں محبتوں کی اتنی ہی فراوانی رہتی ہے اپنے وجود سے اپنے آپ سے محبت رکھنے والوں کے لیے محبت رکھنا کیا واقعی اس قدر سہل لگتا ہے۔''

انہوں نے برتن دھو کر ریک میں رکھے صفائی کر کے اپنے بیڈروم میں لوٹیں تو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر یوں لگا جیسے آئینہ ٹائم مشین بن کر ماضی میں چلا گیا ہو بیس برس قبل، انہوں نے چہرے کی ایک ایک لکیر کو چھوا تو اچانک سماعتیں لفظوں جملوں کو دہرانے کرنے لگیں۔

''نہیں تم جان ہی نہیں سکتیں زیب محبت کرنا کس قدر دلکش حسن ہے زندگی کا۔'' لفظ تھمے ہونٹوں تلے اور آواز اور مخمور ہو گئی۔

''تم کہتی ہو اپنے آپ سے محبت کرنے والا خود غرض ہوتا ہے مگر میں کہتا ہوں مزیب انسان خود

سے محبت کرنے کا مزا چکھتا ہے تبھی وہ کسی اور کی محبت میں ڈوبنے کو سہل جانتا ہے تمہارا کیا خیال ہے تم نے میٹھا نمکین نہ کھایا ہوتا تو کیا تم ان میں پہچان کر سکتی تھیں۔'' وہ جواب بھی نہ دے پائیں کہ وہ لہجہ بالکل ان پر چھا گیا۔ ''ادھر دیکھو مزیب منور میں تمہارا دل ہوں میں نے تمہیں پانے والوں کی طرح پایا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ تم میری محبتوں کی شدتوں سے منکر ہو سکو پوری پوری میری چاہتوں میں ڈوبو اور پھر بھی چاہت کے اثر سے محفوظ رہ سکو نہیں مزیب منور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم ایک محبت سے گوندھی گئی لڑکی ہو کر محبت سے اجتناب کرنے والی بن سکو تم میری ہو اسی طرح جس طرح خیال و خواب میں' میں صرف تمہارا ہوں تمہارے لیے ہوں تمہارا مخلص تمہارا سچا دعوے دار تمہارے ہی دل کا گم گشتہ حصہ' بولو انکار ہے تمہیں۔''

''نہیں کبھی نہیں کسی لمحے نہیں کسی لمحے نہیں۔'' ایک نسوانی آواز ہار گئی محبت کے سامنے ویسے جیسے ہر نسوانی آواز لہجہ اور وجود ہار جاتا ہے اور محبت روشنی بن کر اطراف میں لہریں لینے لگتی ہے اور زندگی اسی روشنی کا نام تھا۔

وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ آئیں انہوں نے الماری کھولی پھر لا کر سے البمز' ویو کارڈ برتھ ڈے کارڈ خطوط سبھی کچھ نکالنے لگیں سامنے بیڈ پر سب کچھ پھیلا لیا تو مسافر بے چارے آخری بار اپنی جمع پونجی کو دیکھ کر دھول اڑاتی چوکھی راہوں کو تکے سب راستے اسے ایک سے لگیں اور وہ فیصلہ نہ کر پائے کہ اس کے قدموں کو کس راہ کس مسافت کا مزا چکھنا تھا منزل پر پہنچ کر بھی منزل اور راستے میں تمیز نہ کر سکے اور وہ مزیب منور ایسی ہی راہ کی مسافر تھیں۔

انہوں نے پلکوں تلے آئے آنسو اندر دھکیلے البم نکال لیا پہلی تصویر ہی جاندار تھی پورے چاند کی پوری تصویر مگر پورا چاند خوابوں کی اذیت گاہ سے نکلا گیا حرماں نصیب ہی تو ہوتا ہے ورنہ دل میں خلش کی طرح دیر تک کیوں چبھتا۔

''زیب تمہیں معلوم ہے یہ چاند کیوں اس قدر دکھی ہے۔''

''کیوں ہے؟'' انہوں نے سوال کیا اور شربتی آنکھیں مسکرانے لگیں۔

''چاند کسی کی آرزو ہے زیب اور جب آرزو پوری نہ ہوناں تو وہ ایسی ہی بھٹکتی پھرتی ہے روح کی طرح لور جو مرنے کے بعد بھی خواہش کے من میں اٹکی رہ جائے تو فرشتوں کو چکمہ دے کر در بدر یہاں سے وہاں خاک اڑائے رواں رہتی ہے مگر پھر بھی نہیں تھکتی اور یہ چاند ایسے ہی کسی دل کا پورا دکھ ہے۔''

''واہ بہت گہرا ہے چاند پر تمہارا مطالعہ۔'' وہ ہنس پڑی تھیں اور شربتی آنکھیں انہیں محویت سے تکے گئیں پھر نظر چرا کر بولیں۔

''تم ہنستی ہوئی نظر لگنے کی حد تک خوب صورت لگا کرتی ہو پلیز مزیب مت ہنسا کرو کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔''

''اوہوں چھوڑو یہ سب اوہام یہ بتاؤ چاند پر اس قدر عمیق مطالعہ کیونکر ممکن ہو سکا' سچ تمہارے اس مشاہدے پر فلکیات میں نئی نئی راہیں کھلنے کا امکان ہے۔''

''بکومت زیب کی بچی ان ہی کی فائل کاندھے پر کھینچ ماری تو وہ ہنسنے لگیں۔

''نہیں بائی گاڈ ریان ڈیئر میں سچ کہتی ہوں تم واقعی اس لاجک پر مزید ریسرچ جاری رکھو کامیابی

تمہارے قدم چومے گی۔"

"ارے بتاؤ مجھے کسی لا جک وا جک سے کیا علاقہ بس تمہارے کام سے کام ہے تم سے مطلب ہے۔"

"خدا کا خوف کرو ریان تم تو کہیں سے کرائم رپورٹر نہیں لگتے تمہیں تو شاعر ہونا چاہیے تھا یہ کہاں کی خاک چھاننے لگے ہو۔"

"بس تمہاری محبت جو نہ کروائے تھوڑا ہے خبطی کر چھوڑا ہے میں تو رہا ہی نہیں ہوں تم ہو گیا ہوں رات دن تمہیں سوچنا تم سے باتیں کرنا چاند میں تمہیں دیکھنا یہی مشغلہ ہے دل کا۔"

"نہیں ریان چاند میں مت دیکھا کرو مجھے۔" وہ شرارت چھپا کر یوں بولیں کہ ریان رشید چونک گئے شاید کوئی محبت بھری تشریح کریں گی مگر جب وہ بولیں تو وہ چلا پڑے۔

"تم' تم ایک نمبر کی پاگل لڑکی ہو مزیب منور۔"

"ہاہاہا شاید تم سے کم وگرنہ میں بھی ابھی کرائم رپورٹنگ کی مٹی پلید کر رہی ہوتی سنو یہ سچ ہے ریان رشید ابھی تم نے جو پورے چاند کے پورے دکھ کی بات کی ہے ناں تو مشورہ ہے مجھے تم دکھ لنڈھاتے چاند کے عکس میں مت دیکھا کرو کہیں ایسا نہ ہو میں بھی تمہارے لیے پورے چاند کی پورے دکھ کی چبھن بن جاؤں مجھے تم ایسی حسرت بھری گمنام منزل قسم کی چیزوں میں نہ پایا کرو مجھے ڈر لگتا ہے تم سے بچھڑنے سے۔"

"واہ واہ کیا بات ہے اس قدر چھوٹا دل ایک کرائم رپورٹر کی بیوی ہو کر اس قدر چھوٹا دل۔"

"ظاہر ہے مشرقی اقدار بھی کوئی چیز ہوتی ہے تم کیا سمجھتے تھے تمہارے نام ہو کر میں یکدم' ٹارزن بن جاتی۔"

"ٹارزن نہ سہی ہنٹر والی ضرور بن سکتی تھیں۔"

"چھوڑو تمہیں انکل رضی اس قدر اچھا تگنی کا ناچ نچا دیتے ہیں کہ میری ضرورت ہی نہیں بچتی بلکہ کبھی کبھی تو مجھے تم پر بڑا ترس آتا ہے۔"

"آتا ہے نا ترس پھر کیا خیال ہے رخصتی کروا لوں۔"

"قطعاً نہیں جب تک میری پی ایچ ڈی مکمل نہیں ہو جاتی تب تک رخصتی ناممکن ہے۔"

"توبہ ہے یار بیوی یہ سراسر ظلم ہے مجھ جیسے مظلوم شوہر پر آخر اس طرح صبر کا امتحان لے کر کیا کرو گی۔"

"کچھ نہیں بس میں ذمہ داریوں میں پڑنے سے پہلے پی ایچ ڈی مکمل کر لینا چاہتی ہوں۔"

"ادھر دیکھو زیب یار پی ایچ ڈی تو تم رخصتی کے بعد بھی کر سکتی ہو"

"ایک دم غلط' شادی کے بعد عموماً کچھ نہیں ہو سکتا اچھی سے اچھی محترمائیں پی ایچ ڈی صرف شوہر کی پسند و ناپسند پر ہی کر سکتی ہیں ریں ریں ٹیں ٹیں کرتے بچوں پر جب کہ میری منزل مختلف ہے۔"

"تھینکس گاڈ تم بچوں سے الرجک نہیں یہی بہت ہے۔" وہ تھمے پھر کاندھوں پر ہاتھ رکھ کے مدھم بولے۔

"آئی لوز چائیلڈ مزیب پورے آدھے درجن کی ٹیم بناؤں گا میں تو۔"

"ہوں خوش فہمی نری خوش فہمی۔" وہ ہنستی چلی گئیں اور یہ مسکراہٹ ریان رشید نے اپنے شارپ کیمرے سے مقید کر لی تھی اطراف میں اندھیرا اور آسمان پر پورا چاند اور فلک کے بیچ و بیچ نقرئی قہقہے سمیٹے شہزادی کا تمنا بھرا وجود۔

کبھی میں واقعی شہزادی وقت ہوا کرتی تھی لمحوں کو مٹھی میں قید کر لینے کا ہنر دلوں کو تسخیر کر لینے کا اسم اعظم میرے وجود میں پارے کی طرح دوڑا کرتا تھا مگر اب یہ شہزادی وقت کس قدر مفلوک الحال ہے اس کی ہتھیلی میں صرف زخم ہی زخم ہیں ہونٹوں پر دعائیں نہیں ہیں اور آہیں لبوں سے یوں پھوٹی پڑتی ہیں کہ وجود صرف آہ بن کر رہ گیا ہے۔

انہوں نے البم کا دوسرا صفحہ پلٹ کر وقت کی شہزادی کی نوحہ گری پر دل کو سمجھایا۔

سامنے کی تصویر میں کسی قدر روشن دن تھا اولڈ کیمپس میں دو بہت اپنے اپنے سے چہرے گھوم رہے تھے شام گلابی ہو چکی تھی اور وہ ریان رشید کے ساتھ چلتے چلتے پوچھ رہی تھیں۔

"آخر پرابلم کیا ہے آپ کی' اتنی افراتفری میں فون کیا تھا میں دوپہر سے پریشان ہوں۔"

"اور میں جو کل سے پریشان ہوں وہ کچھ نہیں ہے۔"

"ارے یہی تو پوچھ رہی ہوں آپ کیوں پریشان تھے آخر ہوا کیا ہے۔"

"بہت عام سی بات ہے تم سن کر ہنسو گی۔"

"ہا آ یعنی کوئی دھمکی آمیز فون۔"

"ہاں' تم درست سمجھی ہو مسلسل مجھے فونز موصول ہو رہے ہیں رضی انکل سے میں نے فون پر بات کی تھی کہہ رہے تھے میں تمہیں انفارم کر دوں تم بہت بہادر ہو حالات کو فیس کر لو گی۔"

"یہ تو درست ہے واقعی میں ایک بہادر باپ کی بیٹی ہوں پینسٹھ کی جنگ میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا تھا اور یہ ان کا ہی قول ہے کہ جینا کو دشوار سہی مگر زندگی کی آنکھوں میں ڈال کر جینے ہی میں مردانگی ہے اور اگر بالفرض عزت نفس پر حرف آنے لگے تو موت سے پنجہ آزمائی کرنی چاہیے اس وقت تک لازمی ہے جب تک جیت مات کا فیصلہ ہو جائے۔ زندگی کا کوئی نعم البدل نہیں اور اس سے بڑھ کر ذمہ داری اور خدا کی دی گئی نعمتوں سے قیمتی کوئی نعمت نہیں مگر عزت نفس کی قیمت پر ایک بہادر شخص کے لیے یہ بھی قابل قبول نہیں۔"

انہوں نے کہتے کہتے تھم کر ریان رشید کی طرف دیکھا تو وہ گارڈن میں ایک بینچ پر بیٹھ گئے پھر دونوں ہاتھ تھام کر بولے۔

"زندگی اس قدر قیمتی نہیں جس قدر تمہارا ساتھ مزیب تم تم میرا حوصلہ ہو میری ڈھارس ہو جب میرے قدم سہم جاتے ہیں تب تمہارا لہجہ میرے راستے کو منور کر دیتا ہے۔' وہ رکے پھر جذب سے بولے۔

"ہر شخص کی زندگی کا سورج کوئی نہ کوئی ہوتا ہے اور میری زندگی کا یہ سورج تمہارا چہرہ ہے بائی گاڈ اگر کسی نے میرا یہ سورج اغوا کیا تو میں روشنی کا ہر دیا بجھا دوں گا ہر دریچے پر اندھیرے کو حاکم کر دوں گا میں دنیا خاک کر دوں گا۔"

”مجھے یقین ہے آپ کی محبت پر‘ آپ بھی محبت ہی کو اپنا زاد راہ رکھیے محبت خوف نہیں پیدا کرتی ریان محبت انسان میں طاقت بھر دیتی ہے ہر مشکل مخالفت کے بخیے ادھیڑنے کے لیے محبت کا ہنر کافی ہوتا ہے بس صرف یقین چاہیے ہوتا ہے محبت کا انمٹ یقین۔“ وہ قریب بیٹھ گئیں پھر مسکرا کر بولیں۔

”سچ انسان کی شخصیت پرکھنے کی کسوٹی ہوتا ہے ریان جس پر اپنا سونا پرکھتے ہیں اور کھرے کھوٹے کی پہچان کرتے ہیں پھر آپ ہی کہیے جس دل کو حق بات کہنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہو اس دل کو وہ رب پریشانی مشکل میں تنہا کیسے چھوڑ سکتا ہے اور بالفرض کوئی پریشان آپ سے آپ کا سورج بھی چھین لیتی ہے تب بھی آپ کو ناشاد نہیں ہونا چاہیے میں صرف باہر ہی نہیں یہاں بھی ہوں۔ اس دل میں پھر جب دل میں ہوں تو کون چرا سکتا ہے مجھے‘ جب چاہیں آپ اپنی تنہائیوں کے اندھیرے دور کر لیجیے گا اور میری محبت آپ کے لیے روشن چراغ رہے گی یونہی سدا۔“

ریان رشید نے غور سے دیکھا پھر سر جھکا لیا اور ہولے سے پکارے۔

”تم ٹھیک کہتی ہو مزیب میں واقعی تمہارے متعلق سوچنے بیٹھتا ہوں تو پھر مجھ میں صائب رائے دینے والا شخص چپ ہو جاتا ہے میں تمہیں اپنے ہر جذبے پر مقصد سے زیادہ سوچنے اور چاہنے لگتا ہوں۔“

”حالانکہ انسان کو ذاتی محبت وطن‘ قوم اور اپنے کسی مقصد کے مقابلے میں سب سے آخر میں رکھنی چاہیے سچ کا کوئی نعم البدل نہیں ریان حب الوطنی کا کوئی اور آپشن نہیں یہ دو ایسے راستے ہیں جہاں پر انسان کو اپنا دل بھی کچلنا پڑتا ہے اپنے جذبوں کو اپنے ہاتھوں سے پھانسی دینی پڑتی ہے ان دو معاملوں میں انسان کو صرف اپنے ضمیر کو منصف رکھنا پڑتا ہے اور اس کے فیصلے کو تہ دل سے ماننا چاہیے انسان کا سچ کوئی چرا نہیں سکتا اور حب الوطنی اگر کوئی شاطر چرا لے تو پھر سبھی کچھ بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے انسان تخت طاؤس پر بھی بٹھا دیا جائے تب بھی اس سے فقیر کوئی نہیں ہوتا کہ اس کی کوئی اپنی زمین نہیں کوئی اپنا نام کوئی ملک نہیں جہاں وہ دن ہی ہو سکے۔“

ریان رشید نے سر ہلایا پھر مسکرا کر کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

”ایک تصویر ہو جائے زیب۔“ وہ مسکرا کر کھڑی ہو گئیں تو انہوں نے اوپر کے کوریڈور سے جھانکتے ایک اجنبی چہرے کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔

”پلیز مس ایک تصویر بنا دو گی ہماری۔“

”اوشیور سر......“ وہ لڑکی مسکراتی ہوئی نیچے سیڑھیاں اترتی ان تک آئی پھر دو تین اچھے ویوز سے تصویریں بنا دیں مسکرا کر بولی۔

”آپ کا گڈ نیم سر......“

”ریان رشید۔“

”مجھے صبا اعجاز کہتے ہیں سر، آپ اگر مائنڈ نہ کریں تو میں پوچھ سکتی ہوں آپ اور مزیب ایک دوسرے کے......“

”ہم اک دوسرے کے خاص ہیں ایک دوسرے کی اکائی ہیں ویسے شرعی لحاظ سے یہ میری وائف ہوتی ہیں نہ۔“

”لیکن مزیب نے کبھی بتایا نہیں۔“

”بس ذرا سسپنس رکھنا ان کی ہابی ہے ویسے ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی اس لیے یہ نصف بہتر ہو کر بھی نصف ہی پہنچی ہیں ہم تک۔“

”ریان جایئے آپ‘ بس اور کچھ نہیں سوجھتا آپ کو رخصتی سے ہٹ کر بھی دماغ استعمال کر لیا کیجیے۔“

”کچھ نہیں ہوگا زیب یہ سب کر کے دیکھ لیا ہے ویسے مس صبا کیا یہ غیر اخلاقی حرکت ہے اگر کوئی اپنی نصف بہتر کو سوچے۔“

”نو سر یہ تو اس لڑکی کی خوش قسمتی ہے کہ اسے اتنا چاہنے والا شریک سفر ملا۔“ وہ لمحہ بھر کو تھمی پھر بولی۔

”میری دعا ہے سر آپ دونوں ساری زندگی یونہی ایک دوسرے کے ہمراہ رہیں کبھی آپ میں ساعت بھر کی بھی جدائی نہ آئے۔“

”واہ! واہ دل خوش کر دتا ہے چلو بھئی تمہیں آئس کریم کھلواؤں مزیب چلو کینٹین۔“ وہ زبردستی کھینچ کر لے گئے اور پھر بہت ڈھیر ساری محبتوں قہقہوں میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔

انہوں نے چونک کر دیکھا ان کے رخسار بھیگے ہوئے تھے وہی لڑکی قریب کھڑی اب بھی یہی کہہ رہی تھی۔

”میری دعا ہے سر آپ دونوں ساری زندگی یونہی ایک دوسرے کے ہمراہ رہیں کبھی آپ میں ساعت بھر کی بھی جدائی نہ آئے۔“

بیس برس جدائی کی لکیر بنے ابھی تک جمے ہوئے تھے اور زندگی ان بیس برس کے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی دل کے بوجھ سے ہانپ رہی تھی پتا نہیں اس لڑکی کو دعا مانگنے کا ہنر نہیں آتا تھا یا وقت چور بن گیا تھا خوشیاں دعائیں خواب سب چرا کر لے گیا باقی بچا تھا تو صرف خاموش منظر جس میں دو اپنے اپنے چہرے اولڈ کیمپس میں گھوم رہے تھے۔

”ریان کیا اب بھی میں تمہاری زندگی کا وہ سورج ہوں جس کے چھین لیے جانے سے تم لرزیدہ رہتے تھے یا تمہاری راہ میں اب کرائے کی روشنی ماہ و انجم کا اتنا جمگھٹا ہو گیا ہے کہ تمہیں مزیب نام کی ایک پاگل لڑکی یاد بھی نہیں رہی۔“ انہوں نے باقی البم خالی الذہنی کی حالت میں دیکھ ڈالا۔

ویو کارڈز اٹھائے تو ایک کارڈ گر گیا پشت پر تحریر تھا۔

”محبت غیر مرئی چیز سہی مگر میرے لیے یہ تمہارے وجود میں سمٹ آئی ہے میری خدا سے دعا ہے وہ اگر تمہیں مجھ سے چھینے تو میرا دل بھی چھین لے کیونکہ یہ ناممکن ہے سینے کے اندر میرا دل دھڑکے اور اس میں تم نہ ہو۔“

”ہیپی نیو ایئر مائی لو۔“

ایک کارڈ پر تحریر تھا۔

جبران کہتا ہے۔

"جب تم اپنی املاک کی بخشش کرتے ہو تب تو تم کچھ بھی نہیں دیتے جب تم خود اپنی ذات کی بخشش کرتے ہو وہی اصل بخشش ہے اور میری ذات کی بخشش میری محبت ہے وہ محبت جو خود میری بھی نہیں تمہاری ذات سے جڑ گئی ہے مگر پھر بھی میری لگتی ہے خود تمہاری طرح تمہاری محبت کس قدر سحر انگیز ہے۔"

فقط ریان رشید۔

ایک کارڈ پر تحریر تھا۔

جبران نے بھی کہا تھا۔

"تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس کم ہوتا ہے لیکن وہ سب دے دیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی پر یقین رکھتے ہیں اور زندگی کی سخاوت پر سو ان کا صندوق کبھی خالی نہیں ہوتا۔"

"بس مزیب ریان تم میرے لیے بھی ایسی ہی بخشش ہو۔ میرے خواب تہی دست کی ایسی بخشش جو بظاہر بہت کم لگتی ہے مگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تم میرے لیے کیا ہو بے ہنری میں کامل ہنر' مشکل میں راحت اور تہی دامنی میں ہفت اقلیم ایک تمہیں پا کر میں نے زندگی کے صندوق میں کیسے کیسے خزانے نہیں بھر لیے بس ایک تمنا ہے کبھی بھی مجھ سے میرے آسرے کا آخری جزیرہ مت چھیننا کہ تم سے بچھڑا تو میں کبھی پھر سے سخاوت نہیں کر سکوں گا، محبت میں بخیل ہو جاؤں گا ایسے شاید پھر مجھے یاد بھی نہیں رہے گا کہ کبھی میرے دل میں یہ دولت بھی ہوا کرتی تھی۔

تمہارا ریان رشید۔

"پتا نہیں تمہیں کیا یاد رہا کیا بھول گئے ہو گے ریان رشید۔"

مزیب منور نے پھر سے سب کچھ سمیٹ لیا مگر پھر بھی ایک یاد رہ ہی گئی یہ فوٹو اسٹیٹ پرچہ تھا ان کے اپنے ہاتھ کا لکھا ایک فقرہ۔

بقول جبران۔

"میں چاہتی ہوں تم میرے دل میں سوز دروں بن کے رہو کہ دنیا میں صرف غم ہی مستقل اور ابدی ہے۔"

ریان نے اسی فقرے کو فوٹو اسٹیٹ کروا کر اپنی خیال آرائی کے ساتھ لکھ بھیجا تھا۔

جبران اذیت کوشی میں زندگی سے بھی زیادہ تلخ تھا ورنہ وہ یوں لکھتا۔

"میں چاہتا ہوں تم میرے دل میں صرف محبت بن کے رہو کیونکہ محبت ہی وہ لافانی حقیقت ہے جو کبھی نہیں مر سکتی جسم کے مرنے پر بھی جو ہمارے لفظوں سے انعکاس کرتی رہتی ہے اور محبت ہی تو ہے جو کبھی مشروط ساتھ نہیں چاہا کرتی دور رہ کر بھی یہ آپ کے اندر رگ جاں بن کر رہتی ہے اور دل بن کر آپ میں دھڑکتی ہے اور مزیب ریان میں تم سے ایسی ہی محبت کرتا ہوں تم مجسم خوشی ہو اور خوشی فانی ہو کر بھی تمہارے وجود میں مجسم ہو جائے تو مستقل اور ابدی لگتی ہے کیونکہ تم خود محبت ہو اور محبت کوئی نہیں چھین سکتا کوئی چرا نہیں سکتا نہ وقت نہ موت۔"

"صرف تمہارا ریان رشید۔"

انہوں نے بوجھل دل سے صفحہ تہ کر کے کارڈز میں رکھ دیا پھر لاکر بند کر کے پلٹیں تو خود سے بولیں۔

"تم مجسم محبت ہو اور محبت کوئی چرا نہیں سکتا کوئی چھین نہیں سکتا نہ وقت نہ موت مگر ریان میری طرف دیکھو میں رہن رکھے ہوئے خوابوں کی طرح ہوں چرائی ہوئی سانسوں کی طرح اپنے سینے میں اٹکی رہتی ہوں کیا واقعی میں محبت ہوں اب بھی تمہاری محبت۔"

وقت نے دیکھا مگر جواب نہ دے پایا اور آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

اس وقت کاشفہ حسان خود کو بہت زیادہ پزل محسوس کر رہی تھی یا شاید ساری بات یہ تھی کہ آج وہ اس لیجنڈ رول سے ملنے والی تھی جس نے ایک عرصے سے لوگوں کو حیران کر رکھا تھا اور یہ فطرت انسانی ہے حیرت انگیز چیزیں دیکھنے سے پہلے حیرت انگیز انسانوں سے ملنے سے پہلے خون کی گردش تیز ہو جایا ہی کرتی ہے سانسوں میں گرماہٹ آ جاتی ہے تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود محسوس ہوتی ہے بندہ خود کو مونٹیسوری کا اسٹوڈنٹ محسوس کرنے لگتا ہے اس وقت تک تو لازمی جب تک یہ ملاقات کا مرحلہ طے نہیں ہو جاتا۔

"بس دو منٹ اور رکیں مس کاشفہ چاچو آتے ہی ہوں گے۔" یکدم تذمیر حسن نے اس کو ہوش میں واپس آنے پر مجبور کر دیا یوں کہ وہ نفسیاتی گتھیاں سلجھانے پر آمادہ تھی پھر سے مودب ہو کر بیٹھ گئی پھر دو نہیں پورے دس منٹ بعد موتیوں والے پردے میں آمد کا جلترنگ بجا تھا کاشفہ نے ڈرتے ڈرتے نظریں اٹھائیں اور پہلی ہی نظر میں انہیں سراہے بغیر نہیں رہ سکی۔

مسٹر ریان رشید خوب صورت تو نہیں ہاں البتہ وجیہ تھے اور یہ وجاہت کچھ اس قدر تھی کہ اس نے اسے مبہوت کر دیا تھا گندمی رنگت میں اس قدر رعب تھا کہ اسے بات شروع کرنے میں دقت ہونے لگی۔ مگر بہر حال کہیں سے تو بات شروع کرنی ہی تھی سو جی کڑا کر کے بولی۔

"مجھے کاشفہ حسان کہتے ہیں سر میں روزنامہ نیوز لائن کی ایڈہاک رپورٹر ہوں۔"

"میں جانتا ہوں آگے کہیے۔" سرد مہر انداز میں کہتے ریان رشید صوفے پر بالکل اس کے سامنے آ بیٹھے تو اس کا سانس رکنے لگا حالانکہ کبھی بھی وہ اس طرح متاثر نہیں ہوئی تھی کسی سے مگر اس وقت حلق تک میں کانٹے پڑنے لگے تھے ہاتھوں میں پسینہ آ رہا تھا اور ہونٹوں پر جامد لفظ کہیں اندر اٹکتے ہی چلے گئے تھے جب ریان رشید نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے ملازم کے لیے بیل بجائی۔

"جی سر......"

"جوس لے آیئے مینگو جوس تو آپ کو پسند ہی ہو گا ناں۔"

"جی سر اوہ سر صرف اک پانی کا گلاس منگوا دیجیے تکلف رہنے دیجیے۔"

"حالانکہ آج تک ساری ٹیکنالوجی مل کر بھی پانی کا گلاس نہیں بنا سکی سو مینگو جوس اس کے مقابلے میں کم درجے کا تکلف کم پریشانی ہوا ناں۔" تذمیر حسن کب کمرے میں آیا اسے خبر نہیں ہوئی وہ ریان رشید کو دیکھ ہی اتنے استغراق سے رہی تھی ریان رشید خاموش بیٹھے دلچسپی سے اسے دیکھے جا رہے تھے مگر تذمیر حسن کے جملے پر انہوں نے گھور کے اسے دیکھا تھا یک دم ملائمت کی جگہ خفگی آ گئی تھی۔

"میر پلیز لومی آلون۔"

"چاچو صرف میں جاؤں یا ان محترمہ کو بھی لے جاؤں۔"

''صرف تم جاؤ چلو باہر نکلو۔'' انگلی کے اشارے سے حکم دیا تو وہ بسورتا ہوا باہر نکل گیا ملازم جوس لے آیا تھا سو وہ آہستگی سے ہولے ہولے سپ لیتے ہوئے دماغ میں سوالات دوبارہ دہرا رہی تھی ریان رشید کو خاموش بیٹھے تھے لیکن وہ نظروں ہی نظروں میں اس کو تول رہے تھے پھر اس کا جوس ختم ہوتے دیکھا تو بے تکلفی کی فضا قائم کرنے کے لیے خود سے بولے۔

''آپ اتنی سی ہیں بیٹا یہ رپورٹنگ کی طرف کیسے آ گئیں۔''

حالانکہ ارادہ تھا کہ سخت مہری دکھا کر وہ رپورٹر کو جلد فارغ کر دیں گے مگر اتنی کم عمر رپورٹر دیکھ کر انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا اس عمر کے لوگوں سے مل کر ہمیشہ انہیں اپنا زمانہ یاد آ جاتا تھا وہ زمانہ جب وہ پرامید ہوا کرتے تھے دنیا اور معاشرہ بدل دینے کے زعم میں رہا کرتے تھے مگر پھر کچھ بھی نہ بدل سکا تھا ہاں البتہ وقت نے انہیں بدل دیا تھا' بہت زیادہ اور ان میں جو ایک خواب دیکھنے آئیڈیل سوسائٹی کے نقشے کھینچنے والا نوجوان تھا وہ مر گیا تھا سو کبھی کبھی اس کی تربت پر دیا جانے کے لیے وہ اس عمر کے لوگوں میں بیٹھتے تھے ان سے باتیں کرتے تھے اور وقت بدلنے کے خوابوں پر خوب قہقہے لگایا کرتے تھے اور اذیت پسندی سے اپنے دل پر ان قہقہوں کی سنگ باری سے پڑنے والی خواہش اور دور تک آنے والے بال گنا کرتے تھے لیکن اس وقت پتا نہیں کیوں انہوں نے اس لڑکی کو مخاطب کیا تھا تو دل میں عجیب سا جذبہ پھوٹا تھا ایسا جذبہ جس کا کوئی نام نہ تھا ورنہ تذمیر حسن بیس برس سے ان کے ہونٹوں سے اپنے لیے لفظ بیٹا سننے کے لیے ہوکتا تھا اول دن کی طرح مگر اس لڑکی نے کوئی طلب نہیں کی تھی مگر دل خود بخود ساری محبتیں سونپے جانے پر کمربستہ تھا ہاں ان کے دل کی محبتیں جنہیں گمان تھا کہ شاید وہ محبت کرنے کا ہنر بھول چکے ہیں وہ ہی دل پہلی ملاقات میں کسی قدر باغی ہو گیا تھا ان سے۔

''آپ نے بتایا نہیں بیٹا آپ اتنی سی عمر میں رپورٹنگ میں کیسے آ گئیں اینی پرابلم۔''

انہوں نے چونک کر پھر سے سوال کیا تو کاشفہ حسان مسکرانے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

''واہ سر یہ خوب رہی انٹرویو تو میں آپ کا کرنے آئی ہوں اور سوالات آپ کرنے لگے ہیں۔''

''ہاہاہا......'' قہقہہ سینے سے بے ساختہ نکلا اور انہیں حیرت ہوئی کیا واقعی میں اب بھی ہنس سکتا ہوں میرے اندر جو برف جم چکی ہے اس کے بعد بھی۔

''سر یہ آپ یک دم کیا سوچنے لگتے ہیں۔'' کاشفہ حسان نے جواب گول کرتے ہوئے ان کی شخصیت ڈسکور کرنے کے لیے لفظوں کی کمند پھینکی تو وہ مسکرانے لگے۔

''تم! تم اتنی سی عمر میں بہت زیادہ شارپ ہو گڈ گر لیکن یہ کھو جانے کی عادت نئی نہیں بہت پرانی ہے کبھی بھی ہوتا ہے ناں ایسا کہ آپ کو کہنے سے زیادہ سننا اچھا لگتا ہے۔''

''کیوں نہیں سر ہر عقلمند بندے کو کہنے سے زیادہ سننے' لکھنے سے زیادہ پڑھنے میں مزا آتا ہے۔''

''یعنی آپ کہنا چاہتی ہیں کہ جو لکھا کرتے ہیں وہ بے وقوف ہیں اور جو کہا کرتے ہیں ان سے زیادہ ڈفر کوئی نہیں۔''

''نو سر ایسا ہرگز نہیں ہے ہاں بس کسی کی شخصیت پرکھنے اور اس کی ذہانت ناپنے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کہتے کہتے تھما ہے تو اس نے کیا سننا چاہا وہ بولا ہے تو اس نے کیا کہا لکھنے بیٹھا ہے تو کیا

مشاہدہ کیا۔''

''ہوں کافی اچھی اپروچ ہے آپ کی چلیے اسی خوشی میں آپ کو انٹرویو دے دیا جائے۔'' وہ لمحہ بھر کور کے پھر بولے۔

''جو کچھ پوچھنا ہے صرف دو گھنٹے میں پوچھ سکتی ہیں آپ دراصل آج امریکن کونسل خانے میں میرا لنچ ہے۔''

''بہت بہتر میں جلدی کام نمٹانے کی کوشش کروں گی آپ سے پہلا سوال سر آپ اپنے فیملی بیک گراؤنڈ کے متعلق کچھ بتانا چاہیں گے۔''

''فیملی بیک گراؤنڈ؟ ہاں کیوں نہیں تم مجھے لوئر کلاس کا بندہ کہہ سکتی ہو میں اور میرا باپ محنت بونے اور محنت کاٹنے والے قبیلے کے وارث تھے ہم نے جتنے خواب بوئے اس سے بڑھ کر ہم نے جگ کاٹی ہر اچھا خواب انسان کی ذات کا خراج ہوتا ہے سو میں نے اپنے ہر خواب کے بدلے عمر قید کاٹی پھر بھی نہیں تھکا میری ماں ایک عام لڑنے جھگڑنے والی عورت تھی جسے قدرت نے ماں کا ملبوس پہنا دیا مگر جو کبھی اس لباس میں جچی نہیں میں نے ماں سے نفرت کرنا سیکھی ہر ایک سے نفرت کرنا دنیا وقت اور خواب' جانے کس کس سے مگر میرا باپ محبت بانٹنے والا سخی بادشاہ تھا اس نے ہر ایک دل کو اس خزانے سے مالا مال کیا اور مجھے بتایا دو وقت کے فاقے اس شکم سیری سے افضل ہیں جو دنیا اور ملک سے نفرت کر کے حاصل ہوں میں نے سخت کوشی کے دن کاٹے مگر اپنے باپ کے خوابوں کے نگر کی حفاظت کی لیکن۔''

''لیکن کیا سر پلیز بتایئے پھر کیا ہوا۔''

''کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ مجھ میں خواب پینٹ کرنے والا جو ایک مصور تھا امید تراشنے والا جو آذر تھا وہ اپنے تیشے سے خود ہی خودکشی کر بیٹھا اس نے اپنے رنگ اور برش دونوں سے بغاوت کر دی تھی کیونکہ فطرت کی ثنائی سے اس دنیا میں کسی کو بھی کوئی مطلب نہیں تھا پھر بھلا وہ کیوں خواب پینٹ کرتا وقت گنواتا سو اس نے حقیقت کا سم بیچنا شروع کر دیا نا امیدی کا نقیب بن گیا ایسے کہ پھر اس کے سوا کچھ نہ تھا۔''

''رائٹ سر، لیکن یہ سوال تو پھر رہ جاتا ہے آپ جو کبھی سچ کے علمبردار ہوا کرتے تھے ملک کی محبت میں گرفتار ہوا کرتے تھے، غیروں کے ڈکٹیشن پر کیوں چلنے لگے، ان کی عینک سے دیکھ کر ملک پر سنگ باری کیوں کرنے لگے۔''

ریان رشید نے غور سے اس لڑکی کی طرف دیکھا، پھر جیسے جسم میں آتشی سیال دوڑتا ہے، ان کا جسم ایسے ہی گرم ہو گیا کنپٹیاں سلگنے لگیں تو وہ صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے پشت موڑ لی اور تیز آواز میں بولے۔

''پلیز لومی آلون۔'' حالانکہ آواز کافی بلند تھی مگر لفظوں میں شکستگی واضح تھی۔

''سر آپ کا انٹرویو۔''

''پلیز بے بی اس وقت چلی جاؤ میں پھر کبھی تمہیں کال کر لوں گا۔''

''او کے سر بہت بہت شکریہ۔'' اس نے چھوٹے سے ٹیپ کا بٹن آف کرتے کاغذات سنبھالے

سلام دعا کرتی باہر کی سمت بڑھتی چلی گئی اور وہ جو ادب آداب کے بہت دلدادہ ہوا کرتے تھے، اسے سی آف کرنے گیٹ تک نہ جاسکے قدموں سے جیسے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی اور یہ انسانی فطرت ہے ہر شوریدہ جذبہ طوفان کی طرح اٹھات ہے تو تھمنے پر تھکن کسلمندی اور بربادی چھوڑ جاتا ہے سو وہ بھی اجڑنے کی تمام کیفیات سمیت صوفے پر ڈھے گئے یوں لگا جیسے ابھی ابھی ان سے وقت کے ہرکارے نے جمع پونجی چھین لی ہو۔ وہ تہی دست ہو گئے ہوں بیس برس پرانی تھکن پھر سے ان میں عود آئی تھی، سو انہوں نے آنکھیں بند کرلیں، اعصاب ڈھیلے کر کے تھکن کی اس نفسیاتی کراہ پر انگلی رکھی اور شاید یہ پہلا موقع تھا ورنہ وہ اس حادثے کو بھول جانے کے لیے جسم کی پکار تک کو رد کر دیتے تھے۔

ڈاکٹرز کہتے آپ آرام کریں تو وہ ہنس کر کہتے کیوں بھئی، حالانکہ میں ایک دم ٹھیک ٹھاک ہوں، ''پہلے دن کی طرح اسٹرانگ'' مگر اس وقت یہ جملہ بھی اس تھکن سے مکر جانے میں مدد معاون ثابت نہیں ہو رہا تھا سو انہوں نے ماضی کی پوٹلی کو کھولا شور آہ و فغاں جیسے اطراف میں بکھرتا چلا گیا۔

''تو کیا ریان رشید تمہاری محبت اس قدر بودی تھی، اتنی نامکمل حالانکہ مکمل لگا کرتی تھی مگر اس محبت کے محل کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے منہ موڑے کھڑی ہے اس کی بنیاد اندر ہی اندر دھنس گئی اور علم بھی نہیں ہوا مجھے، مزیب منور کو جو مجھتی تھی کہ وہ تمہیں خود سے زیادہ جانتی ہے۔''

''فضول مت الجھو زیب میں اب بھی تم سے محبت کرتا ہوں کرتا رہوں گا، اسی لیے تو چاہتا ہوں تم ان کاغذات پر دستخط کردو، میرے ساتھ چلو۔''

''شاید پہلے چل سکتی تھی مگر جس طرح تم جا رہے ہو اس مٹی پر دو حرف کہہ کر اس کی تذلیل کر کے اس طرح ممکن نہیں۔''

''تم پاگل ہو گئی ہو مزیب تم ایک غیر مرئی سے جذبے کے پیچھے ہماری زندگی سانس لیتی محبت کو وار چڑھا رہی ہو۔''

''ہاں شاید اس لیے کہ بات محبت کی ہے اور میں نے تم سے بہت پہلے کہا تھا انسان کو ذاتی محبت وطن قوم اور اپنے کسی اہم محبت کرنے والے کے مقابلے میں سب سے آخر میں رکھنی چاہیئے، سچ کا کوئی نعم البدل نہیں ریان اور حب الوطنی کا کوئی اور آپشن نہیں۔''

''یعنی تم......''

تم اس ملک کی محبت پر مجھے ٹھکرا رہی ہو، جس نے میرے سچ کو میرے لیے الزام میری محبت کو میری خطا ثابت کردیا، زیب کیا دیا ہے اس ملک نے مجھے تمہیں کچھ بھی نہیں یہ سب ہمارا دماغی خلل ہے ہم لوگوں کو جو اس وطن سے محبت رکھتے ہیں ورنہ اس ملک پر ہم میں سے کسی کا کوئی حق نہیں۔''

''شاید آپ سمجھتے ہو ورنہ وطن کا حق کبھی ختم نہیں ہو سکتا، مشروط محبتیں کرنا محبت کی خو نہیں اور حب الوطنی دماغی خلل ہے، تو مجھے فخر ہو گا اس دیوانگی پر، میرا سچ میرے لیے الزام بن جائے، میں تب بھی اس سچ کا دم بھروں گی کیونکہ میری سانسیں میرا وجود اس ملک کی سرزمین سے کسی بھی قطعہ زمین سے اٹھائی جانے والی مٹی کا مرہون منت ہے اور میں چاہوں تو سب تاویلیں جھٹلا سکتی ہوں، مگر میرے ہونے کی اس دلیل کے آگے میرا ہر خیال باطل ہے کیا اگر کوئی ماں اپنے کسی بچے کو مارتی ہے بنا کہے بھی، کسی خطا کو الزام بنا لیتی

ہے تو وہ بچہ ماں کو ٹھکرا دیتا ہے، ماں سے نفرت کرنے لگتا ہے، یا ماں کو سکہ رائج الوقت میں تول دیتا ہے۔''

''بکواس مت کرو یہ سب باتیں ڈھونگ ہیں ڈراما ہیں حقیقت میں ان کا کوئی بامعنی ترجمہ نہیں۔''

''آپ کے لیے ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو، لیکن میرے لیے ایسا نہیں ہے، میرے لیے آپ کے مقابلے میں اس وطن کی محبت زیادہ اہم ہے۔''

''ہونہہ نری خوش فہمی۔'' وہ تھمے پھر ہنکارا بھر کے بولے۔

''تم ابھی سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہو، میں تم سے پھر بات کروں گا۔''

''حالانکہ آپ کو ہمیشہ یہی جواب ملے گا۔'' کھٹاک سے دروازہ بند کرنے والا وجود آگ ہو رہا تھا، پھر سڑکوں پر آوارہ پھرتے ہوئے انہوں نے آخری بار خود کو ضمیر کی عدالت میں پیش کیا۔

''کیا واقعی میں صحیح کہہ رہا ہوں صحیح سمجھ رہا ہوں میں جو کہتا تھا میں کسی بھی لمحے ناامید نہیں ہوں گا کبھی گھبرا کر خودکشی نہیں کروں گا میں جو مایوسی کو کفر کہتا تھا اور رب کی محبت سے مشروط کرتا تھا، اپنی خوش امیدی تو کیا میں ہار گیا۔''

دل بے حال نے سنا تو ضمیر سے بھی پہلے طنزیہ کہا۔

''تمیں کیا اب بھی شک ہے کہ تم زندہ ہو خودکشی کا مطلب خود کو تہ خاک کر لینا ہی تو نہیں ناامید ہو جانا بھی تو ایک خودکشی ہے اور یہ طے ہے ریان رشید تم باطنی طور پر مر چکے ہو، تم جو کہتے تھے جو مسلمان ہے وہ مایوس نہیں ہو سکتا اور جو مایوس ہو جائے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا تو اب حقیقت یہ ہے کہ تم بھی ملحد ہو چکے ہو، صرف نام کے مسلمان کو مسلمان نہیں کہا جا سکتا۔''

''جھوٹ ہے سب بکواس ہے جو قیامت مجھ پر توڑی گئی وہ کسی پر بھی بیتے وہ ایسے ہی منکر ہو جاتا۔''

''ہاں شاید مگر وہ جسے اپنی محبت کا یقین نہیں ہوتا، محبت کی طاقت پر اعتبار ہوتا نہ اپنی سچائی پر زعم محبت مشروط نہیں کی جا سکتی، لیکن جو مشروط محبت کریں وہ سودے بازی کر سکتے ہیں، محبت کرنا انہیں زیب ہی نہیں دیتا، کیونکہ محبت ہمیشہ ان دلوں میں قیام کرتی ہے، جہاں محبت کی خلوص اور ہر طرح کی غرض سے پاک رکھ کر پرستش کی جاتی ہے۔''

''نرا جھوٹ ہے۔'' انہوں نے جھٹلا دیا پھر محبت کی بارگاہ میں پہنچے تو وہاں سے ایک ہی صدا آئی۔

''ملک کی وفا حب الوطنی کی قیمت پر دل سجانے خوشیاں پانے کی ہر طلب قابل نفرین ہے میرے لیے۔''

''یعنی تمہیں مجھ سے نفرت ہو گئی ہے۔''

''ہرگز نہیں میں سانس لوں زندہ رہوں تو یہ کیسے ممکن ہے مجھے آپ سے محبت نہ رہے، میرا دل صرف آپ کی محبت سے دھڑکتا ہے، ریان مگر مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ مجھے آپ کی سوچ کی اس در آنے والی ٹیڑھ سے نفرت ہے، آپ سے نہیں آپ میں پیدا ہونے والی اس برائی سے نفرت ہے۔''

''برائی! برائی آخر کیا ہے تم کیا جانتی ہو برائی کے بارے میں کیا عزت نفس روندی جاتی رہے، تب بھی انسان پر فرض ہے کہ وہ خندہ پیشانی سے زندگی کو سراہے ملک میں رہتے ہوئے اس ملک کی شہرت اس کے لیے الزام بن جائے تب بھی کیا ضروری ہے کہ انسان......''

''ہاں ضروری ہے کہ انسان تب بھی حب الوطنی کا دامن تھامے رہے اچھے حالات میں تو سب ہی جواباً محبت کر لیتے ہیں مگر ریان خراب حالات اور نفرت کے باوجود محبت کرتے رہنا ہی تو اصلی محبت ہے درگزر کرنا اپنی محبت سے سخت دلوں کو موم کرنا ہی تو ہمارے مذہب کا پہلا سبق ہے۔''

''ہاں مگر یہ سبق صرف اسلامی بکس تک محدود ہے، مزیب منور یہ حقیقت ہے خواب نہیں اور حقیقت میں انسان کبھی فرشتہ نہیں ہو سکتا کہ اس قدر تذلیل کے باوجود بھی محبت کا دم بھرتا رہے اور امپاسبل!''

مزیب منور نے کچھ نہ کہا اور ریان رشید وطن بدر ہو گئے خود ساختہ جلاوطنی کا بھی ایک الگ ہی سرور تھا مگر اس سرور میں کبھی کبھی ایک چہرہ تمام تر ریاضت سے جھانکتا تو انہیں اپنی ساری کامیابی کامرانی شکست لگا کرتی اور آج...... آج برسوں بعد اس ایک سوال پر وہ شکست کس طرح مجسم ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی بیس برس ان کے درمیان کھڑے تھے اور ایک لہجہ ان سے سوال پوچھ رہا تھا۔

''آپ جو کبھی سچ کے علمبردار ہوا کرتے تھے حب الوطن ہوا کرتے تھے، ملک کی محبت میں گرفتار ہوا کرتے تھے آپ کیسے غیروں کے ڈکٹیشن کے......''

''خاموش ہو جاؤ نہیں ہے میرے پاس سوال کا جواب۔'' وہ پوری قوت سے چلائے لہجہ کانچ کانچ بکھر گیا اطراف میں کرچیاں تھیں اور ایک لڑکی اس کانچ پر برہنہ پا چل رہی تھی، مسلسل بنا رکے۔

''تمہارے پاؤں زخمی ہیں نہیں مزیب مت چلو اس کانچ پر یہ سچائی کے سنگ ریزے صرف آبلے دیتے ہیں مت چلو۔''

انہوں نے چھونا چاہا اس لڑکی کو تھام کر روکنا چاہا تو وہ عکس دھواں بن کر اڑ گیا، مگر پھر یہ کون تھا سر گھٹنوں پر ٹکائے مسلسل گریہ زاری کرتا ہوا وہ قریب بڑھے۔

''کون ہو تم؟'' سوال کیا تو بے حال وجود کے ہر موئے تن سے صدائیں ابھریں۔

''میں تم ہوں تمہارا دل اور شاید تمہاری دل بدر کر دی جانے والی جلاوطن محبت۔''

''مگر مجھے محبت سے اب کوئی سروکار نہیں۔''

''ہاہاہاہا کیا کارڈز خطوط تصویریں سنبھالے رکھنے والے ریان رشید تمہیں یہ جملہ زیب دیتا ہے کیا واقعی تمہیں محبت نہیں کسی سے بھی۔''

انہوں نے مکر جانے کے لیے لفظ سوچنے چاہے تو دل اس وجود کا ہم نوا بن کر چلایا۔

''نہیں ریان رشید تم جھوٹ نہیں بول سکتے ادھر دیکھو تم اب بھی صرف محبت ہو خود پر خول چڑھا لینے سے تم سب سے چھپ سکتے ہو ہم سے نہیں، کیا تمہیں اس سے انکار ہے کہ تم آج تک مزیب منور کے بعد کسی کو چاہ ہی نہیں سکے کیا اسے جھٹلا سکتے ہو کہ تم فیصلہ رکھنے کی قدرت کے باوجود مزیب منور کو خود سے جدا کرنے کا اعلان نہیں کر سکے۔''

''وہ! وہ اس کی خواہش تھی کہ میں جیسے چاہوں جس کے ساتھ چاہو زندگی گزاروں مگر اسے ہرگز طلاق نہ دوں۔''

''کیا واقعی ریان رشید تم نے محض اس لیے اسے تین حرف نہ لکھے آزادی کا پروانہ نہ دیا اگر وہ تم سے جدائی چاہتی تو کیا تم اسے چھوڑ دیتے۔''

''نہیں شاید نہیں مگر تمہیں اس سے کیا۔'' دم سینے میں اٹکنے لگا تو انہوں نے آنکھیں کھول کر ڈرائنگ روم میں دیکھا مگر ڈرائنگ روم ان کے دل کی طرح خالی تھا۔

''میزیب منور تم کہاں ہو، میں تمہیں ہر سال اسی طرح تلاشنے آتا ہوں، مگر مجھے تمہارا پتہ نہیں ملتا، میں رضی انکل سے پوچھ پوچھ کر تھک چکا ہوں، مگر وہ ایک ہی بات کہتے ہیں، اب تم مجھ سے ملنا نہیں چاہتیں، میں جو کبھی تمہارے ہونے کی مضبوط دلیل تھا۔'' وہ کہتے کہتے پھر بڑبڑائے۔

''میں چاہوں تو پورا ملک تہ و بالا کر دوں، تمہیں کھوجنے کے لیے اس نیٹ ورک کو حرکت میں لے آؤں جو میرے ایک اشارے پر اس ملک کی خفیہ ڈاکومنٹ اور خبر کو مجھ تک پہنچا دینے پر مامور ہے، مگر میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ میں اب اپنے نام کی بدنامی تمہارے حوالے کرنے کی ہمت نہیں رکھتا، ہر عورت شادی کے بعد حق مہر میں روپیہ گہنا چاہتی ہے اور تم نے کس قدر مکلف حق مہر کی آرزو کی تھی۔

''ریان میرا حق مہر آپ کا اعتبار اور صرف آپ کی محبت ہوگی، مجھے دولت سے کوئی مطلب نہیں صرف آپ کی محبت ہی میری جزا ہے۔''

''لیکن لیکن کس قدر مختلف ہوا تھا، میں نے تمہیں حق مہر میں جدائی دکھ اور آنسو دے ڈالے اور تم اب بھی میرے نام کا آنچل اوڑھے بیٹھی ہو کیا تم ساری عورتیں ہی اتنی صبر برداشت رکھتی ہو یا صرف تم ہی ان میں خاص تھیں، اتنی مضبوط اتنی اسٹرانگ کہ میں مرد ہو کر تمہارے سامنے نہیں جیت سکا۔''

پہلی بار وہ جو ایک اعتراف کا ہالہ روح کے گرد چکراتا تھا انہوں نے اسے دریافت کیا، مگر اس کی روشنی سے دل منور ہو کر ہی نہ دیا، راستہ اور دھندلا گیا تو وہ باہر نکل آئے بے سمت سفر کا ارادہ تھا، مگر مرسڈیز کا رخ خود بخود نیوز لائن کی طرف ہو گیا تو انہوں نے لاشعور کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہیں کیا، شاید اس لیے کہ وہ دوہری اعصابی جنگ دوہرے میدان میں لڑتے لڑتے تھک گئے تھے، اب تخت یا تختہ کرنے کے خواہش مند تھے۔

کار انہوں نے ایک جگہ پارک کی سیڑھیاں چڑھتے نیوز لائن کے دفتر کی لابی میں آ کھڑے ہوئے تو سب کی آنکھیں پھٹ سی گئیں، مگر ان کی طرف سے پشت موڑے مسٹر رضی شاہ سے بحث میں الجھی کاشفہ حسان اپنی بات ثابت کرنے میں لگی رہی بلند آواز میں۔

''یہ جھوٹ ہے سر اخبار کی پالیسی سے مطابقت نہیں رکھتا یہ کالم۔''

ٹھیک ہے بے بی مگر اخبار ایک غیر جانبدار ادارہ ہوتا ہے اس میں سب کو اپنی رائے دینے کا حق ہے۔''

''ہے سر کیوں نہیں ہے مگر اس کالم میں محض باہر کے اعداد و شمار کے ذریعے ہمارے ملک کے معاشی معاشرتی فکر نکالے گئے ہیں یہ کالم ناامیدی کو واضع کر رہا ہے سر اور امید اس وقت ہمارا زادراہ ہونا چاہئے ناکامی کا مطلب یہ نہیں کہ ہم خود کو میدان سے باہر کر لیں، دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان اگر یہ سوچ لیتا تو شاید وہ آج بھی پستی میں پڑا ہوتا، چین سپر پاور سے لڑنے کی بجائے ابھی تک افیون سے شغل کر رہا ہوتا، کسی بھی شکست کا مطلب مکمل سرنڈر نہیں ہوتا، جنگ ہمیشہ آخری آدمی تک لڑنی چاہئے، نظریہ کوئی وجود نہیں سر لیکن جب یہی نظریہ اساس بن جائے تو ہر شخص خود نظریہ بن جاتا ہے اور پھر موت چاہے بھی تو اسے

مٹا نہیں سکتی۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو مگر ہمیں کولڈ مائنڈڈ ہو کر اس معاملے کو لینا چاہئے نیوز لائن پر پہلے ہی بنیاد پرستی اور شاہی حاشیہ برداری جیسے الزام لگے ہیں، کاشی اگر ہم نے اسے اگنور کیا تو طوفان آ جائے گا۔''

''آنے دیجئے سر طوفان ابھی ہمارے سینے میں دم اور ہمارے وجود میں اتنی طاقت ہے کہ ہم طوفانوں کا رخ موڑ سکیں۔''

''او کے جو دل چاہے کرو رکوا دو اس مضمون کو۔'' انہوں نے ہار مان کر بلا آخر مڑ کر سامنے دیکھا کاشفہ مڑے بغیر ہی آگے بڑھ گئی تھی، اس لیے رضی انکل کی حیرت نہ دیکھ سکی۔

''تم ریان تم یہاں نیز لائن کے دفتر میں۔''

''کیوں سر میں نیوز لائن کے دفتر میں کیوں نہیں آ سکتا۔''

''میں نے یہ نہیں کہا بس مجھے حیرت ہو رہی ہے۔ دراصل آج کل تم جس بلندی پر ہو وہاں ہمارا خیال تو معدوم نقطے کی طرح نظر آتا ہو گا ناں۔''

''نہیں سر یہ نظریہ درست نہیں انسان کتنے ہی میدان مارے اسے اپنی پہلی فتح نہیں بھولتی، قیمتی کھلونے حاصل کر لینے والا بچہ بھی اپنے چھوٹے سے کم قیمت ٹیڈی بیئر کو نہیں بھولتا، سر پھر یہ کیسے ممکن تھا مجھے جس اخبار نے لکھنا سکھایا تھا چلنا سکھایا تھا، میں اسے بھول جاتا۔''

''شاید، لیکن تمہیں تو اس ملک اور اس ملک کے ہر اخبار سے نفرت تھی۔''

ریان رشید نے کچھ نہ کہا ہولے سے کاندھے پر ہاتھ رکھا پھر بولے۔

''پلیز سر گھر سے بھاگنے والے ہر بچے کو کچھ نہ کچھ غصہ ڈانٹ سہنی ہی پڑتی ہے، لیکن میں نے دیکھا ہے گھر کی دہلیز پر انتظار کرنے والے بزرگ پھر بھی بھولے بسرے راستوں کو یاد کر کے آنے والے ان نافرمان بچوں کو گلے سے لگا لیتے ہیں۔''

''ہاں مگر ان بچوں کو جو واقعی واپس آ گئے ہوں کیا تم واقعی آ چکے ہو ریان رشید۔''

''شاید ہاں یا شاید نہیں یا شاید میں آدھا آ گیا ہوں اور آدھا ابھی نہیں لوٹا یہ بھی ہو سکتا ہے میں کبھی یہاں سے گیا ہی نہ ہوں، لیکن سر بزرگ تو پھر بھی درگزر سے کام لیتے ہیں۔'' مسٹر رضی شاہ نے سر سے پیر تک دیکھا تو دل کر لایا۔

''مجھے تھام لیجئے سر میں بہت تھک گیا ہوں، کسی ایسے نظریے پر جسے دل نہ مانے دماغ کے زور پر جمے رہنا بہت دشوار ہے اور میں اس کوہ گراں کو کاندھوں پر اٹھائے لوٹا ہوں، مجھے تھام لیجئے سر و گرنہ ہو سکتا ہے میرے اندر پلٹ آنے محبت پانے کرنے کی جو ہلکی سی ہوک ہے لگن ہے وہ بھی دم توڑ دے۔''

''ریان۔'' مسٹر رضی شاہ نے لمحہ نہیں لگایا بازو کھول دیئے اور نیوز لائن میں کام کرنے والا ہر شخص حیران ہو گیا، وہ شخص جوان ڈسکور تھا جس کے متعلق نجانے جھوٹی سچی کتنی ہی باتیں مشہور تھیں جو سخت مہر اور پتھر سمجھا جاتا تھا وہ شخص اس وقت سمندروں رو رہا تھا اور اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی، کتنی ہی آنکھیں اس کے وجود کے آر پار ہو رہی تھیں۔

''مسٹر ریان رشید بھی رو سکتے ہیں۔'' کچھ نے سوال کیا تو ریان رشید کے کولیگ بابر زمان نے سر ہلا کر کہا۔

''ہاں ریان رشید بھی رو سکتا ہے کیونکہ وہ خود کو پتھر پوز کرتے کرتے تھک چکا تھا اور چشمے پتھروں کا سینہ شق کر کے تو ہی بہتے ہیں۔''

رضی شاہ نے انہیں سینے سے لگائے لگائے سب کو کام کرنے کا حکم دیا، پھر اپنے دفتر میں لا کر اک کرسی پر لا بٹھایا تو ان کا پہلا سوال یہی تھا۔

''زیب کیسی ہے سر۔''

''ٹھیک ہے ریان تم بتاؤ تم کیسے ہو۔''

''بے امید اور بدگماں شخص کیسا ہو سکتا ہے وہ شخص جسے اپنے اوپر بھی اعتبار نہ رہے وہ کس طرح کا ہو سکتا ہے سر۔''

مسٹر رضی شاہ نے جواب نہ دیا، انٹر کام پر کافی لانے کا کہہ کر ان کے سامنے میز کے کونے سے ٹک گئے پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولے۔

''سناؤ بھئی کیسی چل رہی ہے تمہاری رپورٹنگ تمہاری سیاسی پیش گوئیاں اور تمہاری تجزیاتی کام۔'' وہ تھمے پھر بولے۔

''میں نے پڑھا تھا تمہیں پچھلے برس ہی امریکہ کی طرف سے ایوارڈ شیوارڈ بھی ملا ہے۔''

''جی سر یہ تو وطیرہ ہے ان کا وہ ہمیشہ ڈار سے بچھڑی کونج پر ایسے ہی جال پھینکا کرتے ہیں چوگا ڈالتے ہیں ضرورت ہو تو برین واش کرتے ہیں وگرنہ سسٹم سے اکتائے ہوئے معاشرے کے تضاد سے چڑے ہوئے نوجوان تو یوں بھی ان کا آسان حدف ہوا کرتے ہیں پھر! پھر آپ کو اتنی حیرت کیوں ہوئی مجھے ایوارڈ ملنے پر۔''

''نہیں مجھے حیرت نہیں شاید اندر کہیں افسوس کا کنکر گرا تھا، بھٹی سے نکلی چنگاری ایک دماغ خاکستر ہو جانے کا دکھ ہوا تھا مگر یہ تو سامنے کی بات ہے ففتھ کالمسٹ، ہم میں سے ہی بنائے جاتے ہیں جن کے محض غصے کو ہوا دے کر کبھی دولت عیش پرستی اور حسن کو ہراول دستہ بنا کر پیش کرتے ہوئے، کہیں کمزوری ہماری ہی تو ہوتی ہے ناں جو وہ نقب لگاتے ہیں سو مجھے حیرت نہیں ہوئی، تمہاری شخصیت کی گلکاری اس آنر پر یہ تو پرانے کھیل تماشے ہیں ریان رشید اصل حیرت تو یہ تمہارا لوٹ آنا ہے، بھلے آدھا بٹا ہوا ہو کر ہی لیکن تمہارا سوچنا بہت پر مسرت ہے۔''

''شاید اس لیے سر کہ مجھ میں اب تک خواب مردہ نہیں ہوئے، میں انہیں مردہ سمجھے بیٹھا تھا مگر میرے اندر کے یہ خواب کسی نئے عزم کو دیکھ کر پھر سے سانس لینے لگتے ہیں، آپ نے کسی آکسیجن ٹینٹ میں کوئی لب مرگ مریض دیکھا ہے۔'' وہ کہتے کہتے تھمے پھر خود سے بولے۔

''آپ نے انہیں دیکھ ہو گا مگر میں ہر لمحہ ایسے مریض کو اپنے اندر مرتے جیتے دیکھتا ہوں، گھونٹ بھر سانس جس کے سینے میں اٹکی ہوئی ہے مگر کسی کی دعائیں محبتیں جسے مکمل مرنے نہیں دیتیں، آپ جانتے ہیں وہ کس کی دعائیں ہیں سر......''

''تم بھی اجنبی تو نہیں مجھ سے زیادہ تم ہی کو جاننا چاہیے وہ کس کی دعائیں اور محبتیں ہیں ریان۔''
مسٹر رضی شاہ نے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکالا اس کی طرف کیس بڑھایا پھر خفت سے بولے۔
''افوہ سوری میں بھول گیا تھا کہ تم اب یہاں کا بلینڈ کیا ہوا سگریٹ نہیں ہوانا کے سگار پیتے ہو۔''
ریان رشید نے ہونٹ بھینچ کر سر جھکا لیا مسٹر رضی شاہ نے انہیں پر ملال دیکھا تو کرسی سے اٹھ کر پھر سے ان کے سامنے آ رکے پھر کرب سے بولے۔
''کیا ہو گیا ہے تمہیں تم احتجاج کیوں نہیں کرتے، میری تنقید پر مجھ سے لڑتے کیوں نہیں ہو اپنی بات ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل کیوں نہیں دیتے، تم ایسے تو نہیں تھے ریان رشید تم...... تمہیں تو پہلے اپنے سچ پر بڑا زعم ہوا کرتا تھا ناں۔''
''جی سر مگر بہت عرصہ ہوا میرا یہ زعم میری طرح بکھر کر ٹوٹ چکا ہے۔'' وہ رکے پھر سے سر اٹھا کر دل گیری سے پکارے۔
''کوئی ہاتھ ہو بہت سخی جو صرف دینا جانتا ہو سب کچھ لٹانے پر آمادہ ہو مگر پھر اس سے یہ منصب چھین کر اسے لینے والا ہاتھ بنا دیا جائے تو سر...... آپ ہی کہیے وہ کیسے اپنا دفاع کرے گا جس شخص میں محبتوں کی پنیری ہو وہاں یک دم ہی نفرت کا سیم لگ جائے تو زمینیں صحرا ہونے کا الزام کوئی کس پر دھرے کس سے منصفی چاہے کسے سزا دے۔''
مسٹر رضی شاہ اسے خاموشی سے تکتے گئے وہ مجسم سزا ہو گیا تھا، کس قدر اپنا کس قدر درماندہ لگ رہا تھا، ابھی کل ہی کی بات لگتی تھی، جب وہ جوشیلے انداز میں اپنی کرائم اسٹوری لیے ان کے دفتر میں آیا تھا بڑے جوش سے اپنی کارکردگی بیان کر رہا تھا اور وہ باعزم سے ریان رشید کو سراہ رہے تھے کہ کچھ لوگ سادہ لباس میں آفس میں در آئے۔
''مسٹر ریان رشید ہمارے پاس آپ کے وارنٹ ہیں۔''
''وارنٹ! کس جرم میں؟'' وہ جوان تھا سو کڑک کر پکارا مگر کسی نے وارنٹ دکھانے کی زحمت نہیں کی۔ فوراً ہتھکڑی لگا دی گئی اسے۔
''یہ ظلم ہے آزادی صحافت پر کھلا وار ہے۔''
مسٹر رضی شاہ نے چلا کر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے گئے تھے، پھر اوپر سے نیچے تک انکوائری بیٹھی تھی اخبارات نے بڑی بڑی سرخیاں لگائی تھیں، تب معلوم ہوا تھا کہ کسی نے کسی کو بھی وارنٹ ایشو نہیں کیے تھے یہ ذاتی انا اور طاقت کی جنگ کا مظاہرہ تھا مسٹر رضی شاہ پاگلوں کی طرح ریان رشید کو ٹریس کرتے پھر رہے تھے اور ان کی سماعتوں میں اس کی پلٹ پلٹ کی پکاری جانے والی التجا گونج رہی تھی۔
''سر یہ اسٹوری ضرور چھپنی چاہیے، آپ میری پروا مت کریں، میرے لہو سے اگر کسی مقتل کی مانگ سنواری جاتی ہے تو مجھے انکار نہیں سر سچ کا علم مت گرنے دیجیے گا پلیز سر یہ سچ ضرور چھاپیے گا۔''
وہ تھک گئے اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کی کرائم اسٹوری تو اسی وقت ریزہ ریزہ کر دی گئی تھی مگر مزیب منور نے پانچویں دن بڑی استقامت سے مسٹر رضی شاہ کے سامنے آ کر ایک فائل رکھی تھی۔

''انکل پتا نہیں یہ سچ ہے یا نہیں، لیکن مجھے لگتا ہے میں! میں اب ریان کو دوبارہ نہیں دیکھ سکوں گی۔ رخصتی سے پہلے اجڑ جانے والی میں واحد لڑکی تو نہیں انکل پھر...... پھر میں کیوں روؤں جب کہ میں جانتی ہوں میرے شوہر نے حق کی سربلندی میں جان لٹائی ہے، ان کے سینے پر کوئی تمغہ نہیں مگر ان کی کسی بھی لمحے متوقع ڈیڈ باڈی میری محبتوں کا مان ہو گی، مجھے خبر ہے لوگ ان پر ان کے جانے کے بعد بڑے بڑے حاشیے لگائیں گے، لیکن اگر آپ ان کا سچ چھاپ دیں تو مجھے یقین آ جائے گا کہ دنیا ابھی خیر سے خالی نہیں ہوئی پلیز انکل!''
''زیب مت کہو ایسے، وہ زندہ ہو گا مجھے یقین ہے وہ آئے گا ضرور ایک دن اپنی سچائی کا نقیب بن کر۔''
انہوں نے کھینچ کر اپنی اس معصوم کومل سی بھتیجی کو سینے سے بھینچ لیا، جو ان کی کچھ نہیں تھی، مگر جسے انہوں نے ماں باپ بن کر پالا تھا اپنا عکس اس میں اتار دیا تھا، پھر کیسے ممکن تھا وہ ان کی طرح نہ سوچتی لیکن اس طرح سوچنا کس قدر کرب انگیز تھا، مجاہد نے ابھی پہلا قدم اٹھایا تھا، پتہ نہیں کتنے میدان مارنے تھے، اس نے اور وہ پہلے قدم پر ہی مار گرایا گیا تھا۔
''یہ ظلم تھا میں اس ظلم کی رپورٹ کروں گا۔''
انہوں نے چلا کر پریس کانفرنس میں برملا کہا مگر ایک فون کال ان کے اس عزم کے سامنے پتھریلی چٹان بن گئی تھی۔
کسی نے کہا تھا۔ بہت سفاکی سے ''ریان رشید زندہ ہے لیکن یہ سب چھپا تو وہ مار دیا جائے گا۔''
بس جذباتیت نے یہاں ٹھوکر کھائی تھی انہوں نے وطن کی محبت کے آگے اپنی بھتیجی کے سہاگ کو بچا لینا بہتر جانا، ریان رشید انہیں واپس مل گیا تھا، مگر نہ ملنے والوں کی طرح ٹارچر کرنے سے اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے، وہ ایک بت بن گیا تھا، جس کے سامنے دنیا اور زندگی دونوں کی ماہیت اور حیثیت صفر کے سوا کچھ نہیں تھی، مزیب نے جان لڑا دی تھی، اخباری یونین نے اس پر احتجاج ریکارڈ کروایا تھا، علامتی بھوک ہڑتال کی گئی تھی، مگر اس کے باوجود وہ جو اندر ایک خواب پینٹ کرنے والا مصور تھا امید تراشنے والا آذر تھا۔ وہ اپنے تیشے سے خود مر گیا تھا۔ چاروں اطراف دھول اڑتی تھی، بین گونجتے تھے۔
وہ خالی ہو گیا تھا، وہ شخص جو سراپا محبت کے خزانے سے لبریز تھا، خالی ہو گیا تھا تب اچانک اس میں تبدیلی نے جنم لیا تھا، نفرت کی پہلی چنگاری دل کے بن میں گری، سلگتے گئی پھر آگ ہو گئی تو دل بھی خاکستر کر گئی۔
اس ملک میں ٹیلنٹ کی، سچ کی انسان کی کسی چیز کی قدر نہیں، یہاں کچھ نہیں بدلا جا سکتا یہ سسٹم متعفن جوہڑ ہے، جس میں پتھر پھینک کر اپنا وجود ہی گندا ہوتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ وہی سچ کہنا چاہیے جہاں اسے سنا جائے۔ یہاں کسی کو...... ضرورت نہیں ہے سب گونگے بہرے ہو گئے ہیں۔ یہاں میرٹ کی جگہ اقتدار سربلند رہتا ہے، پھر ہم جو سر سے پیر تک کمین ہیں ہم کیسے کسی سے آنکھ ملا کر بات کریں۔
''مجھے یہاں سے جانا ہے، مجھے اس امریکی اخبار میں جاب آفر ہوئی ہے۔''
فیصلہ ہو گیا تو وہ بت پہلی بار بولا وہ اس کا برین واش کرنے پر کمربستہ ہوئے، مگر اس نے ہاتھ ہلا کر

کہا۔

''سوری سر یہ پہلا معاملہ ہے جس پر میں کوئی آرگومنٹ نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ آپ مزیب کی رخصتی اس ہفتے کر دیجئے، اس مہینے کے وسط میں اپنا اخبار جوائن کرنا ہے۔''

''اپنا خبار...... وہ تو نیوز لائن ہے ناں۔''

''تو سر اب اس ملک اور اس ملک کی کسی چیز پر میرا حق ہے نہ مجھے اس کی ضرورت۔''

''خاموشی میں ایک تیسرا چہرہ ابھرا۔

''ٹھیک ہے ریان رشید اس ملک کی کسی چیز پر آپ کا نہ حق ہے نہ ضرورت تو پھر میرے بغیر ہی اس تازہ سفر کے لیے خود کو آمادہ کر لیجئے۔''

''یہ ناممکن ہے تم میرے ساتھ چلو گی تم میری بیوی ہو۔''

''ہاں میں آپ کی بیوی ہوں، مگر میں اس سے پہلے یہ نہیں بھول سکتی کہ میں اس ملک کی بیٹی بھی ہوں، اس ملک کی جس کے ذرے ذرے کی حفاظت میں اپنوں نے خون بہایا ہے، میرے بزرگ میری افواج پاکستان اور اس کے ایک ایک سپاہی کی مقروض ہوں، میں نہیں جا سکتی آپ کے ساتھ۔''

''تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا یہ میرا حکم ہے۔''

''حب الوطنی سے بڑھ کر کوئی حکم اور میری سچائی سے بڑھ کر کوئی عزم نہیں مسٹر ریان رشید۔''

کھٹ کھٹ اونچی ایڑیوں کی ہیل دور ہوتی چلی گئی اور ریان رشید ان کے دفتر سے نکلتا چلا گیا، پھر بہت برس گزر گئے، اس کے بارے میں صرف بیرونی ممالک کے اخبارات میں چھپتا رہا۔ اور آج بہت اچانک ان کا ریان رشید پھر سے لوٹ آیا تھا۔

''مجھے افسوس ہے زمانے نے اس ملک نے تمہاری قدر نہ کی۔''

انہوں نے سر اٹھا کر حسرت سے مسٹر رضی شاہ کو دیکھا۔ پھر بولے۔

''کسے خبر ہے سر کس نے کس کی قدر نہ کی کس نے کس کا نقصان کیا۔'' تھمے پھر سے بولے۔ ''آپ نے کبھی سارہ شگفتہ کو پڑھا ہے سر۔''

''ہاں مگر اس وقت اس کا تذکرہ کہاں۔''

''تذکرہ! تذکرہ تو کسی بھی وقت کسی کا بھی کیا جا سکتا ہے سر اور پھر وہ میری طرح ہی خواب تمنا میں ماری گئی ایک روح ہے اور اس کا اور میرا نوحہ ایک جیسا ہے سر آپ کو میں ایک نظم سناؤں اس کی۔''

مسٹر رضی شاہ نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بے چارگی سے لہجے میں لفظوں کو سمونے لگے اور اندر کی خاموشی کو زبان ملی تو انہوں نے کہا۔

''بادلوں میں ہی میری تو بارش مر گئی
ابھی ابھی بہت خوش لباس تھا وہ
مری خطا کر بیٹھا......!
کوئی جائے تو چلی جاؤں

کوئی آئے تو رخصت ہو جاؤں
میرے ہاتھوں میں کوئی دل مر گیا ہے
موت کی تلاشی مت لو
انسان سے پہلے موت زندہ تھی
ٹوٹنے والے زمیں پر رہ گئے
میں پیڑ سے گرا سایہ ہوں
آواز سے پہلے گھٹ نہیں سکتی
میری آنکھوں میں کوئی دل مر گیا ہے

وہ یک دم سناتے سناتے چپ ہو گئے اور مسٹر رضی شاہ کی طرح دفتر کے گلاس ڈور کو آدھا کھولے کاشفہ حسان لہجے کے دکھ میں کھو سی گئی، ریان رشید نے آہٹ پر پلٹ کر دیکھا، وہ زندگی کی طرح آدھا دروازہ کھولے باہر جانے اور اندر آنے کے فیصلے پر پنڈولیم کی طرح جھول رہی تھی۔

''اندر آ جاؤ بے بی یہ خانہ بے تکلفی ہے۔'' انہوں نے ہنس کر اندر بلا لینا چاہا پتا نہیں کمرے میں یا دل میں اور مسٹر رضی شاہ نے کہا۔

''کیا واقعی محبت میں کھینچ لینے کی صلاحیت ہوتی ہے، ریان کیا وہ اس طرح ہی سدا آپ کی ہمدم دیرینہ بن کے آپ کی منتظر رہتی ہے ار نظر بھر کے دیکھ لینے ہی سے آپ کو پہچان لیتی ہے۔''

ریان رشید خاموشی سے انہیں دیکھے گئے کاشفہ حسان سرپرائزنگ میں ان کے سامنے آ رکی تو مسٹر رضی شاہ نے انکشاف کسی دھماکے کی طرح اس کی سماعتوں کے قریب اچھالا۔

''یہ مزیب کی بیٹی ہے۔'' وہ جو ایک ہلکی سی پہچان لینے اور ابہام کی لکیر تھی عبور ہو گئی تو دل نے کہا۔

''تب ہی میں کہوں تم مجھے اتنی اپنی کیوں لگی تھیں اور دل نے خواہش کی بڑھ کر سینے سے لگا لینے کی مگر ہنوز تعارف ادھورا تھا۔

''ہی از ریان رشید کاشی'' اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی انکل رضی کس قدر بھولے ہیں وہ سمجھتے ہیں میں ریان رشید کو نہیں جانتی حالانکہ......

''تمہیں پتا ہے...... میں...... میں تمہارا پاپا ہوں۔''

اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو رضی انکل بولے۔''نہیں یہ...... یہ کب جانتی تھی۔''

''کاشی...... ادھر آؤ بیٹا۔'' وہ خاموشی میں لپٹی رہی اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اتنی گریس فل سی شخصیت اس کے پاپا بھی ہو سکتے ہیں۔

''کیا تم بھی اپنی ماما کی طرح مجھ سے ناراض ہو کاشفہ۔'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کر لیا اور کب گمان تھا اتنا کہ خوشی اور مسرت سے ان کا فاصلہ صرف ہاتھ بھر کا تھا۔

کاشفہ حسان ان کے سینے سے گم صم کیفیت میں لگی کھڑی رہی، پھر پلکوں تلے سیلاب موجزن کو رو کے جدا ہوئی تو اس کا پہلا سوال تھا۔

''آپ میرے پاپا ہیں تو آپ اب تک کہاں تھے؟'' مسٹر رضی شاہ نے یہ جارحانہ لہجہ سنا تو بڑھ کر

تھام لیا۔

''مت کرو وہ سوال جس کا جواب نہ دے سکوں یہ جلاوطن دل ہے کاشی اسے قدم بھر زمین دے دو زیادہ نہ چاہ سکو تو اتنا تو ضرور ہی سینے سے لگائے رکھو کہ اس کی کم مائیگی کا احساس مٹ جائے اور اس میں جو ریان رشید مر گیا ہے وہ زندہ ہو سکے۔''

کاشفہ حسان نے کچھ نہ کہا کمرے سے نکلتی چلی گئی اور ریان رشید کو لگا جیسے کہیں اندر رک رک کر چلنے والا دل تھمنے لگا ہو۔

ہمیں بھی دکھ ہے، دل زندہ کے مرنے کا
کسی کے پاس مگر کب علاج اس کا تھا

مسٹر رضی شاہ نے حسرت کا یہ انداز دیکھا تو بڑھ کر خود سے لپٹا لیا، پھر آہستہ سے بولے۔

''جن زمانوں کو چھوڑ دیا جائے جن خواب گھروں سے قدم موڑ لیے جائیں، ان میں لوٹتے وقت اس طرح کی خفگی برداشت کرنی پڑتی ہے بیٹا جب صبر کرنے والوں نے بہت صبر کیا ہے تو تمہیں بھی دل تھوڑا نہیں کرنا چاہئے، ان کے انتظار کے لمحوں کا حساب دینے میں خود ان کے دل کے جاگنے میں وقت تو لگے گا مایوس مت ہو ریان۔''

''میں پرامید تھا ہی کب سر میں تو ایک ایک لمحہ میں ہزار برس کی عمر قید کاٹنے والا قیدی تھا، آپ نے کالے پانی کی سزا صرف سنی ہے سر اور میں نے بھگتی ہے سننے اور خود پر اس سزا کو بیتے دیکھنے میں بہت فرق ہے سر بہت ہی زیادہ آپ شاید اندازہ لگا ہی نہیں سکتے کہ اندھیروں سے صلح کر لینے میں وہ کرب نہیں جو کرب صبح کی طلب نہ رکھنے میں ہے، پہلی کیفیت میں ایک امید کا مارجن ہے مگر دوسری کیفیت میں کچھ نہیں بچتا سر کچھ بھی نہیں۔''

وہ باہر نکل آئے پھر گھر پہنچے تو ان کا دل درد سے پھٹا جا رہا تھا اور انہیں خود پر رحم بھی نہیں آتا تھا یہ جو خار خار راستے تھے وہ خود انہوں نے ہی تو چنے تھے، کسی کا کیا قصور۔

''آہ کیا یہی تھا میرا انجام مجھ سے کافر خوشیو سے منکر شخص کا دردانگیز انجام۔'' ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھولا لائٹ آن کی اور دوسرے پل بہت سی حیرانیاں ان میں در آئیں۔

''کاشی مائی سویٹ گرل......'' انہوں نے بانہیں پھیلا دیں تو وہ کسی ننھی سی بچی کی طرح ان کے سینے سے آ لگی، اس وقت وہ کتنی سرد مہر بنی ہوئی تھی، مگر اس لمحے وہ کس قدر ٹوٹ کر روئی تھی، پتا نہیں اس نے کس کو رویا تھا، اپنے بچپن کو اپنے باپ کے خوابوں کو یا...... یا اپنی ماں کی محبت کو۔

وہ روئے جا رہی تھی بے تحاشا بے حد و حساب رو تو ریان رشید بھی رہے تھے مگر ان میں پا لینے کی ایک خوشی بھی تھی، ہاں ان کے دل میں جس میں خوشی دل بدر کر دی گئی تھی، وہ اسے ساتھ لگائے صوفے پر آ بیٹھے اور وہ وسیع و عریض بیڈ روم میں لگی اپنی ماما کی تصویروں کو دیکھ دیکھ کر اپنے پاپا کو دیوانگی پر حیرت زدہ تھی۔

''یہ سب...... پاپا آپ ماما کو اس قدر چاہتے تھے پھر بھی جدائی کیوں آپ کا نصیب ہوئی۔''

''جدائی نصیب نہیں ہوتی یہ تو کسی بلا کی نظر ہوتی ہے، جو کھا جاتی ہے آپ کو آپ کی خوشیوں کو۔''

''پاپا بتائیے ناں آپ کیوں دور ہوئے ہم سے، کیا آپ کو کبھی ہماری طلب نہ ہوئی، آپ ہم سے ملنے ہمیں پانے کیوں نہیں آئے پاپا کہاں رہ گئے تھے آپ کیوں اتنی دیر سے لوٹے کہ ہمیں انتظار کرتے رہنے کی عادت نے چاٹ لیا، ہمیں خوشہو کر استقبال کرنے کا انداز بھول گیا، پلیز پاپا بتائیے ناں آپ......''

وہ اسے دیکھے گئے سوچتے رہے کیا سچ چھپا کر محبت کو پانے والے بن جائیں یا سچ کہہ کر کھو دینے والے، دل نے کہا۔

''سچ کہہ دینے میں ہی سلامتی ہے اور دماغ نے بہت افسوس سے ہاتھ مل کر کہا۔

پھٹ جائیں گی دل کی رگیں کسی دن دیکھنا
ہر گھڑی ظالم دل کے فیصلے نہ مانا کر

مگر کیوں نہ مانو ابھی تو جامد دل میں پہلی بار ہلکی سی جینے کی رمق جاگی ہے میرے بیس برس رائیگاں سہی مگر ہماری محبت کا یہ پودا کس قدر بہار آفرین ہے۔

دل کے کہنے پر تسلی سے انہوں نے خود کو وقت کے حوالے کر دیا، سچ کہہ سنایا ہاں بس یہ بات ہضم کر گئے تھے کہ وہ ان کی بیٹی نہیں تھی، انہوں نے اس کو کوئی خوشی نہ دی تھی پھر کیسے حق رکھتے تھے کہ اس سے تعلق اور محبت کی واحد مسرت بھی چھین لیتے کوئی اور شاید اس قدر گہرائی سے کبھی نہ سوچتا، لیکن وہ لٹنے کا مزا جانتے تھے یہ جانتے تھے کہ بہت کچھ ہو تو تہی دست ہونا کیسا لگتا ہے اور تہی دست ہو کر مسرتوں کے بازار میں مہر بہ لب رہنا کس قدر کرب انگیز۔

''پاپا......'' یک دم ان کا شانہ ہلاتی وہ پھر سے پکاری تو وہ چونکے اس کا ملیح چہرہ دل میں اتارتے چلے گئے اور وہ بے اختیارانہ پکاری۔

''گھر چلیں پاپا مجھے اپنی محبت پر یقین ہے پاپا آپ! آپ میری محبت کے ہوتے ہوئے خود کو اس قدر تہی داماں نہیں سمجھ سکتے، امید کہیں باہر نہیں، میری آنکھوں میں ہے پاپا والدین کی امید تو ان کی اولاد ہوتی ہے نا پاپا پھر میرے ہوتے ہوئے آپ زندگی سے خفا کیونکر رہ سکتے ہیں۔''

''ہاں واقعی میں اس کے ہوتے زندگی سے خفا کیونکر رہ سکوں گا۔''

انہوں نے خود اپنا جذباتی تجزیہ کیا پھر دوسرے دن آنے کا کہہ کر اسے گیٹ تک چھوڑنے آئے پلٹے تو بالکونی سے جھانکتا تذمیر حسن ان کے سامنے آ رکا پھر سوالیہ پکارا۔

''آج! آج آپ بہت خوش ہیں چاچو۔'' انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر خود سے قریب کر کے حسرت ناک لہجے میں بولے۔

''ہاں! آج میں بہت خوش ہوں بیٹا۔''

''چاچو یہ سب میرے لیے حیرت انگیز ہے آپ کو تو ہمیشہ بیٹا کہنے اور اس کی آرزو رکھنے پر مجھ سے ہمیشہ شکایت ہوا کرتی تھی۔''

''ہاں وہ میری اپنی سزا تھی۔ تم میرے دوست کے بیٹے تھے اور اتنے چھوٹے کہ میں چاہتا تو تمہارے دماغ میں اپنے لیے پاپا کا لفظ پوری سچائی سے بٹھا دیتا، لیکن میں ایسا کرنا نہیں چاہتا تھا، جانتے ہو کیوں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا تو بولے۔

''تم شاید اسے بچپنا سمجھو گے مگر ایک وقت تھا مجھے بچوں سے بہت لگاؤ ہوا کرتا تھا راہ چلتے آس پڑوس کے سب بچوں کا پسندیدہ دوست ہوا کرتا تھا اور مجھے بیٹا کہنے میں جو سرور ملتا تھا وہ میں بیان نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن پھر ایک وقت آیا میں نے خود کو عمر قید سنائی خود کو خود ہی قید تنہائی کا پروانہ جاری کیا اور تب، تب میں نے کہا میں اب بچوں سے محبت نہیں کروں گا کیونکہ محبت انسان میں خوش گمانی کی امید پیدا کرتی ہے اور بچے! وہ سرتا پیر مجسم امید ہوتے ہیں، ہمارے کل کی خوش رنگ امید اور میں اب پر امید نہیں رہنا چاہتا تھا، پتا نہیں اس طرح میں خود سے انتقام لے رہا تھا یا زندگی سے مگر اس میں ایک نہیں دو بچپن روند دیئے گئے۔''

''دو بچپن چاچو۔''

''ہاں! دو بچپن تمہارا اور کاشفہ کا بچپن جس کا حق صرف محبت کے سوا کچھ نہیں تھا، مگر میں نے اپنے جذبات میں تمہاری شخصیت بھی الجھا دی کیا میں نہیں جانتا تم دوہری زندگی کیوں گزار رہے ہو تم اس قدر ہراساں اور انتے ہی زیادہ ناامید کیوں ہو۔

تم نے میر...... تم نے میری زندگی سے بہت کچھ ایڈاپٹ کیا ہے میں تمہیں مضبوط شخصیت بنا سکتا تھا مگر میں نے تمہیں کمزور گر کر دیا، مگر اب نہیں...... اب میں نے فیصلہ کیا ہے میری زندگی خود میرے لیے کیسی ہی کیوں نہ ہو تمہارے لیے ایسی زندگی پورٹرے نہیں کروں گا میں تمہیں ایک مضبوط ساتھی کے سپرد کرنا چاہوں گا ایسی لڑکی کے سپرد جو تمہیں بدل دے تمہاری ساری کج روی کو تمہاری خامیوں کو اور وہ لڑکی مزیب منور کی بیٹی کے سوا کون ہو سکتی ہے۔''

''چاچو مزیب آنٹی لیکن وہ یہ کب چاہیں گی وہ تو آپ سے ناراض ہیں نا؟''

''ہاں مگر میں تمہارے لیے اسے منالوں گا اس وطن کا جو نقصان میں کر بیٹھا ہوں میر وہ کبھی پورا نہیں ہوسکتا، لیکن قافلہ سالار کو ایک مجاہد بخش دینے سے کیا پتا میرے گناہوں کا بوجھ کچھ کم ہو جائے کچھ اشک شوئی ہو جائے اور وطن کی مٹی جسے میں نے پامال کیا، خود پامال ہوا تھا میں پھر بھی کیا حق تھا مجھے اس مٹی کا برا چاہنے کا کیا کیا تھا جو اس نے مجھے نہیں بخشا اور میں...... میں چند لمحوں چند دنوں کی اذیت پر اس کی سخاوت سے ہی منکر ہو گیا بھول گیا ان لوگوں کو جو دشمنوں میں گھرے ٹارچر سیل میں اس وطن کی ابدیت کا اس کی خوشحالی کا نغمہ الاپتے ہیں، میں بھول گیا تھا یہ سب پتا نہیں کیوں۔'' انہوں نے اسے حسرت و بے چارگی سے دیکھا پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

وہ جب سے گھر آئی تھی ایک خاموش کیفیت اس کے ہمراہ آئی تھی، یوں جیسے بہت ڈھیر ساری مسافت کے ساتھ تھکن گرد کی طرح وجود سے چمٹی گھر میں لوٹ آئے۔

''کاشی...... کیا ہو گیا ہے تم اتنی چپ کیوں ہو؟'' کھانے کے بعد چائے کا کپ تھماتے ہوئے ماما نے سوال داغ دیا اس نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

''میرے پاپا کا نام کیا تھا ماما؟'' ماما کی زبان جل گئی حالانکہ چائے اتنی گرم نہیں تھی لیکن یونہی لگا روح پر ایک آبلہ پڑا ہو۔

''بتایئے ماما کیا میرے پاپا ریان رشید ہی ہیں۔''

''نہیں، کوئی ریان رشید تمہارے پاپا نہیں تم صرف میری بیٹی ہو۔'' (اور یہ جھوٹ بھی کب تھا)

ماما پلیز آنٹی تو بچی نہ دیجئے آپ ساری زندگی مجھے نانو کے نام سے متعارف کرواتی رہیں آپ نے کبھی نہیں بتایا میرے پاپا کون تھے ہمیشہ آپ نے کہا یہ یورپ کی تقلید ہے، شادی کے بعد باپ کا نام ہٹا دیا جائے، شوہر کا نام نتھی کر دیا جائے ہمارے دین اسلام میں عورت ایک مکمل شخصیت سمجھی جاتی ہے، اس لیے شادی کے بعد بھی اس کی شخصیت کو مکمل ہی سمجھا جاتا ہے، شوہر کا نام دے کر اس کو ادھورا ثابت کرنے کی بھونڈی کوشش نہیں کی جاتی، ہمارے مذہب میں باپ کا نام یا پہلی اولاد کا نام تعارف کا ذریعہ بنتا ہے، مگر ماما یہ سب مکمل درست تو نہیں، اگر یہ مان لیا جائے تو منور حسان تو صرف آپ کا تعارف ہوا ناں آپ نے میرے نام کے ساتھ حسان کیوں نتھی کیا میری تعلیمی اسناد میں کیوں خلا رکھا۔''

''اس لیے کہ تم صرف میری بیٹی تھیں، ریان کا تم سے کوئی تعلق نہیں تھا، پھر میں اس کے نام کو کیوں استعمال کرتی، تم صرف میری ذمہ دار تھیں، صرف میری کاشفہ۔''

''پاپا کے ہوتے ہوئے میں صرف آپ کی ذمہ داری کیونکر تھی، ماما آپ کو انکار ہے اس سے کہ ریان رشید آپ کے شوہر ہیں۔''

ماما خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھے گئیں۔

''نہیں اس سے کب انکار ہے تجھے بیس برس سے ایک اس دل نے انکار کرنے کی خواہش تو کی مگر کبھی خود کو اس پر آمادہ نہ کر سکی، ایک ریان کے نہ ہونے سے میرے پاس رہ کیا جاتا۔''

مگر وہ یہ صرف سوچ کے رہ گئیں، ایک لفظ نہ بولیں، اپنے کمرے میں بند ہو گئیں اور وہ باہر کھڑی ہو کر چلائی۔

''آپ مجھ سے کبھی غلط بیانی نہیں کر سکتیں، ماما بس اس غلط فہمی میں، میں نے آپ کی اس بودی تاویل میں سچائی اور جھوٹ ناپنے کی کوشش نہیں کی مگر، مگر اب لگتا ہے میرے پاپا اس قدر بھی مجرم نہیں تھے۔ آپ چاہتیں ماما تو بڑھ کر ان کو اپنی محبت سے بدل سکتی تھیں، ان کے ساتھ رہ کر ان کی سوچ میں مثبت رو دوڑا سکتی تھیں، مگر آپ کی انا آپ کی کم ہمتی نے میرے پاپا کو لور لور کر دیا، آپ سن رہی ہیں نا ماما؟''

وہ چلاتے چلاتے وہیں ان کے دروازے پر بیٹھ کر رونے لگی اور اندر ماما ریان رشید کی تصویر کو دیکھ کر بے بسی سے پکاری تھیں۔

''کیا واقعی آپ کو میری کم ہمتی نے لور لور کیا ریان یا آپ کی جذباتیت شدت پسندی نے، کیا واقعی میں آپ کو بدل سکتی تھی میں، جس نے آپ کی محبت میں خود کو سرتاپا بدل لیا تھا کیا میری اتنی دل پاور تھی کہ میں آپ سے معرکہ لڑتی، میں نے زندگی کے ہر میدان میں فتح کے جھنڈے گاڑے تھے، مگر مجھے دھڑکا تھا میں کہیں اس معرکے میں آپ کی رہی سہی محبت بھی نہ گنوا دوں، آپ کے لوٹ آنے کی امید بھی نہ کھو دوں، بس یہی سوچ کر میں نے سرد مہری کر کے آپ سے جدائی چاہی تھی، اور شاید اس لیے بھی کہ...... میں کہیں آپ کی باتوں سے حب الوطنی کے خلاف زہر افشانی سن سن کر کسی دن حوصلہ نہ ہار بیٹھوں، آپ سے محبت کرنے اور کرتے چلے جانے کے دشوار و جاں گسل کام کو چھوڑ کر نفرت کرنے کے آسان تر پہلو پر دل کو راضی کر کے محبت میں بے وفا نہ کہلواؤں بس اس لیے میں نے آپ سے جدائی چاہی تھی اور یہ لڑکی یہ کالج گرل جسے محبت نے ابھی صرف چھوا ہے یہ لڑکی کہہ رہی ہے میں نے کم ہمتی اور خود غرضی سے آپ کو تنہا کیا تھا۔ میں محنت اور کوشش سے گھبرانے والی ایک عام سی عورت تھی کیا واقعی میں عام سی عورت تھی؟''

آئینے میں کھڑے ہو کر اپنے عکس سے سوال کیا تو وقت دھندلا ہو کر آئینہ کی گرد سے ماضی کو جھاڑ

پونچھ کر سامنے لے آیا کس قدر خوشی اور فرحت بخش احساس تھا محبت کا، انہوں نے گہرا لمبا سانس کھینچ کر ان لمحوں کی خوشبو جذب کرنی چاہی اور ایک نقرئی لہجہ ان کے اطراف میں بکھرا۔

”کیا واقعی میری آواز بھی اس قدر سحر انگیز ہوا کرتی تھی، اور وہ لہجہ اس سوال پر جواب دیئے بنا دوسرے عکس سے مخاطب ہوا۔

”پلیز ریان اس بچی کو ہم گود لے لیں۔“

”خدا کا خوف کرو زیب رخصتی سے پہلے یہ کن خرافات میں پڑ رہی ہو لوگ کیا سوچیں گے......“

”سوچتے رہیں مجھے کسی کی پروا نہیں، صرف آپ کی، پلیز آپ اجازت دے دیں ناں اس بچی کو ہم ایڈاپٹ کر لیتے ہیں کس قدر پیاری موٹی سی ہے۔“

”واہ بیگم یہ اچھی رہی لوگ جہیز میں کار بنگلہ لایا کرتے ہیں اور آپ ایک عدد بچی کے ساتھ میرے گھر میں انٹری دیں گی، کیوں مروانے پر تلی ہوا اپنی اور میری کردار کشی پر آمادہ ہو بھئی۔“

”کیا ہے ریان آپ سے جرأت مندانہ فیصلہ نہیں ہوتا دیکھئے ناں اس کی آنکھیں کتنی پیاری ہیں، یوں جیسے دو جلتے دیپ، ہم جب تھک جائیں گے نا تو ان آنکھوں کو خیرہ کن کرنوں سے ٹھنڈک اور زندگی پر اعتبار مانگیں گے۔“

”کیا مطلب...... یہ فاول ہے میرے خواب میں یہ بچی کہیں نہیں ہاں اگر چاہو تو اس آدھے درجن کی لسٹ پہ پہلا نمبر الاٹ کر سکتی ہو۔“

”او تھینکس تھینکس ریان......“ وہ گردن سے جھول گئی اور ریان کاٹ پر جھکے بچی کی صورت کی نظر اتارتے رہے، مزیب منور نے وارفتگی دیکھی تو مسکرا کر بولے۔

”ہے نا پیاری۔“ انہوں نے مڑ کر دیکھا پھر مخمور لہجے میں پکارے۔

”تم سے بڑھ کر پیاری نہیں ہو سکتی یار بیوی......“

”بس رہنے دیجئے آپ یونہی بنایا کرتے ہیں۔“

”خدا کی قسم تم سے کبھی میں نے وہ لفظ نہیں کہا جس لفظ کے معنی مجھ پر روشن نہیں یا جس میں مجھے معمولی سا ابہام بھی ہوتا۔“ وہ تھمے پھر بولے۔

”کل مشورہ کرتا ہوں اپنے وکیل سے کس طرح میں...... نہیں بلکہ ہم اس بچی کو ایڈاپٹ کر سکتے ہیں۔“

انہوں نے آسودگی سے انسانیت کے معنی سمجھنے والے اپنے شریک سفر کو پوری محبت سے دیکھا پھر دوسرے دن وکیل کے کہنے پر انہوں نے تھانے جا کر اس بچی کے ملنے کی رپورٹ درج کروائی تھانے دار نے تند نظروں سے دیکھا۔

”کون ہو جی تم اس کے؟“

”یہ شوہر ہیں ان کے ایس ایچ او صاحب۔“

”نکاح نامہ دکھاؤ تو پتا نہیں کیسے کیسے لوگ کیا کیا گل نہیں کھلا دیتے۔“

”سوری مسٹر اگر ایسا ہوتا تو ہم اس بچے کو اشتہار نہ بنا دیتے، اس بے درد ماں کی طرح اسے کچرہ کونڈی پر پھینک آتے۔“

”شاید یہ ایسا کر سکتے، لیکن میں پھر بھی اتنی ہمت نہیں پائی دیکھئے تو مسٹر بچی کے ہاتھ کو بلی نے کس

بری طرح چبانے کی کوشش کی ہے کیا میں ماں ہو کر ایسی سنگدلی دکھا سکتی تھی۔“

مزیب منور نے ریان رشید کا ساتھ دیا وکیل نے نکاح نامے کی کاپی سامنے لا رکھی بچی کو تھانے سے چلڈرن ہوم میں منتقل کر دیا گیا اور تب باقاعدہ انہوں نے چلڈرن ہوم سے بچی کو ایڈاپٹ کیا انکل رضی شاہ نے چپکے چپکے کی جانے والی یہ کاوش سنی تو بھنا گئے۔

”یہ لڑکی تو پاگل تھی ریان تم ہی کچھ سوچ لیتے کیا بہت سا پڑھ لینے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس طرح کرنے بھی لگیں کتنے واقع آتے ہیں زندگی میں جب انسان کو صرف نظر کرنا پڑتا ہے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں سر لیکن زیب اور میں جس طبقہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں وہ لوگ جو نہیں کرتے وہ کہتے بھی نہیں ہیں ہمیں اگر کسی خیر کے کام سے کوئی روک سکتا ہے تو صرف ہماری ذاتی مجبوری روک سکتی ہے، ہمارا تضاد نہیں ہم کرپٹ لوگوں میں رہ کر بھی کرپشن کے خلاف جنگ لڑنے والوں میں سے ہیں سر اور ہماری اخلاقی جرأت اتنی بلند آہنگ ہے کہ جھوٹ ہم سے خود نظریں چرا لیتا ہے۔“

”کچھ بھی سہی لیکن یہ سب ٹھیک نہیں ہے، لوگ باتیں بنائیں گے تمہارے اور مزیب کے خلاف......“

”بنانے دیجئے انکل لوگ باتیں ہی بنانے میں اس قدر ایکسپرٹ ہیں، آپ گھبراتے کیوں ہیں، میں ہوں ناں آپ کی بیٹی کی پشت پر یہ میرے لیے نامحرم نہیں ہے یہ...... یہ بچی اس پر الزام بن جائے میں ہر حق سے اس کا ہوں۔“

اور پھر اس سب کے بعد وہ حادثہ ہو گیا تھا، اس قدر جانکاہ حادثہ کہ اعتبار یقین سب ٹوٹ گیا تھا، ریان رشید پشت پر کھڑے ہونے کا دعوا کر کے چلچلاتی دھوپ میں تنہا چھوڑ گئے تھے انہیں، لوگوں کے سوالوں کا تنہا سامنا کرنے کے لیے تب انہوں نے وکیل سے کہہ کر نئے کاغذات بنائے تھے، یہ بچی صرف ان کی ذمہ داری ہے ریان رشید کی تمنا کا بوجھ کیوں ڈھوئیں۔ انہوں نے سوچا رضی انکل نے حماقت کے بعد اس دوسری حماقت سے لاکھ روکا مگر انہوں نے ایک نہ سنی سب کے لیے وہ مزیب منور تھیں شوہر کا حوالہ نہیں تھا تو وہ کس قدر قابل نفرت ہو گئی تھی جو نہیں جانتے تھے وہ سنگ باری کرنے سے نہیں چوکتے تھے اور جو اس تعلق سے آگاہ تھے وہ چبھتی نظروں سے ان کا بدن چھید دیتے تھے۔

”یقیناً لڑکی میں کوئی تو خامی تھی جو دولہا رخصتی کی تاریخ طے کر کے چپکے سے ملک کو خیر باد کہہ گیا۔“

”یہ بچی آخر کس کی بچی ہے؟“ لوگوں کی زبانیں اور آنکھیں یہی سوال پوچھتیں اور وہ شہر در شہر کی خاک اڑایا کرتیں، اس پر ہنگامہ شہر میں آکر وہ ہر حوالہ بھول گئیں۔ لیکچر شپ سے بیتی باتوں کی باعث وہ استعفیٰ دے چکی تھیں سو ایک دفتر میں پرسنل سکریٹری کے فرائض انجام دے رہی تھیں، لوگ ان کے اور اس بچی کے عادی ہو چکے تھے اور وہ لوگوں کی نظروں کی کہ اچانک ریان رشید پھر سے چلے آئے تھے کسی دکھ سے بھری کہانی میں شہزادی کی زنجیریں اور غم کی فصیلیں توڑنے کے لیے عزم بکف ہو کر۔

”ریان رشید تمہارے بچھڑنے سے زیادہ تمہارا ملنا میرے لیے کرب انگیز ہو گا، ہاں مجھ جیسی عورت کے لیے جو کبھی لڑکی تھی تو اپنی ذاتی محبت کو وطن کی محبت کے مقابلے میں ہیچ سمجھتی تھی، لیکن اب جب کہ میرے جذبے کمزور پڑ گئے ہیں، میری روح دشت دشت پھرنے صحرا کھنگالنے سے آدھی ہو چکی تو شاید مجھے خود پر اختیار نہیں، ہاں پہلے جیسا اختیار کہ میں اپنے اصول اپنی محبت کو پہلے کی طرح سچائی اور وطن پرستی کے پلڑے میں ڈال کر کائنات درست رکھنے کی کاشش کروں۔

میں کمزور ہوگئی ہوں ریان شاید میں تھکے تھکے وجود کو تمہاری ڈھارس دینے کے لیے اس لمحے ڈنڈی مار جاؤں، مگر یہ کس قدر کھلا طنز ہوگا، میر ریاضت اور سچ پر کہ میں محض ایک وجود کے آگے بہت سارے وجودوں کو روندتی چلی گئی، کیا مجھ سے شہیدان وفا سوال نہ کریں گے۔''

انہوں نے بیڈ پر گر کر تکیے پر سر رکھ کر سسکتے ہوئے سوچا اور وقت گزرتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

گو کاشفہ حسان جا چکی تھی، مگر بیڈ روم میں آ کر انہیں اب بھی ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ وجود ابھی تک اسی کمرے میں موجود تھا وہ وجود جس کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا ان سے مگر یہ محبتیں بعض اوقات ایسی ہی شوریدہ سر ہوتی ہیں ان کے لیے دنیاوی حوالے خونی رشتے بھی رکاوٹ نہیں بنتے کہ جو بندھن روحوں سے باندھ لیے جائیں وہ تمام تر تقدس اور پاکیزگی سے دلوں کو منور کرتے چلے جاتے ہیں، جیسے یہ لڑکی جوان کی بیٹی تھی ان کی مزیب منور کی اپنی تربیت کا پرتو اسی کی طرح بولڈ سچ پر لڑنے مرنے والی ان ہی کی جیسی ان کی ہی طرح محبت میں سرکش شوریدہ ایک بات پر خود کو راضی کر لے تو پھر کسی ممانعت کی پروا نہیں کرتی، اسٹیٹس کی مخالف میرٹ کی سب سے بڑی حامی اور وہ جتنا سوچتے یہ طے تھا، وہ اس سے کہیں بڑھ کر تھی، کیوں کہ وہ مزیب منور کی بیٹی تھی، ان کی اپنی مزیب کی بیٹی۔'' انہوں نے صوفے پر بیٹھ کر ریکارڈ آن کر دیا، آواز گونج رہی تھی اور مغنیہ پورے یقین سے پکار رہی تھی۔

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں
جب تاج اچھالے جائیں گے
جب راج کرے گی خلق خدا جب

اور حیرت کی بات تھی آج ان کے دل سے کسی بھی لمحے طنز بھرا قہقہہ نہیں پھوٹا تھا، سوائے آنکھوں میں نمی پھیلنے کے اور سماعتوں میں مزیب منور کی آواز گونج رہی تھی۔

''جبران کہتا ہے جدوجہد کا اضطراب فرار کے سکون سے افضل ہے۔

مگر ریان آپ تو میدان سے بھاگ ہی نہیں رہے۔ ففتھ کالمسٹ بن کر اپنے جیسے لوگوں کے ذہنوں کو آلودہ کر رہی ہیں، آخر آپ کو کیا حق ہے کہ آپ پرآسائشات محلات میں بیٹھ کر اس تھرڈ ورلڈ کے ایک پسماندہ ملک پر حاشیہ آرائی کریں، یہ ملک آپ کی اس عنایت کا متحمل نہیں ہو سکتا، پلیز ہمارے غم میں آپ خود کو مت گھلائیں، ہم بھوکے پیٹ سوتے ہیں ہم خود سوزیاں کیوں کرتے ہیں یا ہماری سڑکوں پر موت کھیل کیوں کھیلتی ہے، ہمارے اس مصروف ترین شہر کا مسئلہ اور اس مسئلہ کا سیاسی سلوشن کیا ہے، اس سے آپ کو کیا دردسری ہم کچھ بھی سہی پھر بھی، آپ کی طرح کم ہمت اور بزدل نہیں ہم نے خوشیاں یہاں سے پائی ہیں تو اس مٹی کے غم بھی ہمارے غم ہیں۔''

خط آتے رہتے اور وہ پڑھ پڑھ کر ایک لڑکی کی جذباتیت پر خار کھاتے رہتے۔

''یہ اس قدر یقین سے کیوں کہتی ہے اب بھی اچھے وقت کے آنے کی تاویلیں کہاں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتی ہے۔''

دماغ سوال داغتا تو کہیں کارڈز اور خطوط میں محبت سے پروئی ہوئی لڑکی ان کے سامنے آ کھڑی ہوتی۔

''میں ناامیدی میں سے بھی امید تراش لیتی ہوں محض اس لیے کہ میں نے محبت سے منہ نہیں موڑا،

آپ کو نہیں پتا ریان اگر دا [illegible] کر لیا جائے [illegible] یے انہ رخلا بن جاتا ہے پھر اپنی ذات پر بے اعتباری بڑھ جاتی ہے، انسان [illegible] سے بھی ڈرتا ہے، خود سے ہی ہار جاتا ہے، مگر جن کے سینے اس دولت سے منور ہوتے ہیں ان کی زندگی تاریک راہوں کا سفر نہیں بننے پاتی مگر آپ یہ کبھی نہیں جان سکتے کیوں کہ آپ جان کر بھی اس وقت جاننا نہیں چاہتے۔''

''مزیب منور! تم کس قدر ساحرہ ہو کس قدر طاقتور کہ میں تمہارے سامنے مرد ہو کر ہار گیا ہوں، تمہاری محبت کتنی غیر مشروط کتنی کھری ہے اور میں میں کس قدر بودا اور کمتر ہو گیا ہوں، تمہارے سامنے کہ اب تو چاہوں بھی تو تمہارا قرب نہ چاہ سکوں گا کیوں کہ تم مجھ سے کئی سیڑھیاں اوپر کئی قدم آگے ہو اور میں اب صرف محض اس خیال سے خود کو تقویت دیتا رہوں گا تسلی دیتا رہوں گا کہ کبھی میں بھی تمہارے ہمراہ چلا تھا۔

میں تمہارا ہم سفر رہا تھا ہاں یہ سب میں تم سے کہنے نہیں آؤں گا، صرف سوچا کروں گا کیونکہ تمہارے سامنے آ کر میرا ضبط دونیم ہو کر میرے قدموں کی زنجیر بن جائے گا تمہاری ڈھارس دیکھ کر میرا وجود تھکن تھکن چلانے لگے گا اور میں تمہارے بازوؤں کے سہارے کی تمنا بھری ہوک میں مبتلا ہو جاؤں گا جو مجھے زیب نہیں دیتا، ہاں مجھ جیسے ناشکرے ملک کے بدخواہ انسان کو۔''

''چاچو چاچو کیا آپ سو گئے۔''

دروازے پر دستک ہوئی تدمیر حسن نے آواز بھی دی تو وہ بدقت اپنے قدموں کو چلنے کا عندیہ دیتے خود کو سنبھالا دے کر دروازے تک پہنچے۔

''میں جاگ رہا ہوں میر۔'' تدمیر نے گھبرا کر جھکا سر اٹھایا دبنگ اور دوٹوک سرد مہر لہجے کی اتنی عادت تھی کہ اس سے اس قدر شکستہ لہجہ برداشت ہی نہ ہو سکا۔

''آپ تنہائی محسوس کر رہے ہیں چاچو۔''

''نہیں تو بیٹے، بس یونہی کچھ تھک گیا تھا میں بھی انسان تھا آخر مشین تو نہیں جو پرزہ خراب ہو جائے اس کو بدل دینے پر پھر سے چلنے لگتا۔''

''آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے چاچو۔'' کاندھوں سے پکڑ کر تھاما تو وہ مسکرا دیئے۔

''نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں تم کہو کوئی کام تھا مجھ سے۔''

''نہیں تو چاچو میرا کوئی ذاتی کام نہیں تھا وہ آپ کے نیوز پیپر کے ایڈیٹر کا فون آیا تھا وہ کہہ رہے تھے آپ کا کالم ابھی تک انہیں فیکس نہیں ہوا۔''

انہوں نے دروازے سے ٹیک لگالی، پھر تھکن سے چور لہجے میں پکارے۔

''ان سے کہہ دو میر اب میں مزید بے حسی سے اپنے ہی ملک کا شہری ہو کر اپنے ہی ملک پر طعنہ زنی نہیں کر سکتا، ان سے کہہ دینا وہ جو ایک ریان رشید تھا جسے اس ملک کے ایک ایس ایچ او نے رد کرنے کے لیے بلندی سے نیچے گرایا تھا ایسے کہ سارے خواب اور آدرش ریزہ ریزہ ہو گئے تھے اور اس نے جذباتیت سے سوچا تھا وہ ایک دن اہم بن کر دکھائے گا وہ ریان رشید ہار گیا ہے، خود اپنے آپ سے ہار گیا ہے، اس نے کل کے آسرے پر اپنے خواب اپنی آنکھیں پھر سے رہن رکھ دی ہیں۔''

کہتے کہتے رک کے پھر سانس لے کر بولے۔

''اس سے تم یہ بھی کہہ دینا میر کہ جو نسل یہ شور مچائے کہ اس کی پچھلی نسل نے اس کے لیے کچھ نہیں

چھوڑا تو درحقیقت وہ نسل اپنی غلطیوں کو بھی اپنے پچھلوں کے کھاتوں میں بھرنے کے آرزو میں مبتلا ہوئی ہے، کسی شاطر مہاجن کی طرح اصل رقم پر سود کے ہندسے بڑھائے جاتی ہے اور سمجھتی ہے تاریخ ان کے اس چلتر اس کرپشن سے انجان رہے گی۔

تم اس سے یہ بھی کہنا میر ہماری آنکھیں ابھی تک زندہ ہیں اور زندہ آنکھیں کبھی مردہ خواب نہیں دیکھا کرتیں۔ وہ مر بھی جائیں تو خواب دوسری آنکھوں کو سونپ جاتی ہیں۔

اور اس کو یہ بھی بتا دینا ریان رشید جو بہت ٹوٹا بکھرا تھا اس نے خوابوں کا جزیرہ دیکھ لیا ہے۔

اس نے اپنی بیٹی کی آنکھیں دیکھ لی ہیں اور یہ سچ ہے والدین کی امید تو ان کی اولاد ہوتی ہے نا۔"

"میں سب کہہ دوں گا چاچو اب آرام کریں۔" اس نے گھبرا کر ان سے اجازت چاہی وہ بستر پر آ لیٹے اور ماضی کے کسی منظر میں ریان رشید بہت سے کولیگز کے جھرمٹ میں بیٹھے جوش سے نظم سنائے گئے، کمرے میں آوازیں ہی آوازیں تھیں، جب ایک بہت واضح اور صاف آواز سنائی دی کوئی عزم سے پکار رہا تھا۔

نئے سال کی صبح اول کے سورج
میری آنسوؤں کے شکستہ نگینے
میرے زخم زخم پلتے ہوئے دل کے یاقوت ریزے
تیری نذر کرنے کے قابل نہیں ہیں
مگر میں (ادھورے سفر کا مسافر)
اجڑتی ہوئی آنکھ کی سب شعاعیں
فگار انگلیاں
اپنی بے مائیگی
اپنے ہونٹوں کے نیلے افق پر سجائے
دعا کر رہا ہوں کہ تو مسکرائے
جہاں تک بھی تیری جواں روشنی کا
ابلتا ہوا شوخ سحاب جائے
کوئی آنکھ میلی نہ ہو نہ کسی ہاتھ میں
حرف خیرات کا کوئی کشکول ہو
کوئی چہرا کٹے ضرب افلاس سے
نہ مسافر کوئی
بے محبت جگنوؤں کا طلب گار ہو
کوئی اہل قلم
مدح طبل و قلم میں نہ اہل حکم کا گنہگار ہو
کوئی دریوزہ گر
کیوں پھرے دربدر
صبح اول کے سورج

دعا ہے کہ تیری حرارت کا خالق
میرے گنگ لفظوں
میرے سرد جذبوں کی یخ بستگی کو
کڑکتی بجلیوں کا کوئی
ذائقہ بخش دے
راگزاروں میں دم توڑتے ہوئے رہروؤں کو
سفر کا نیا حوصلہ بخش دے
میری تاریک گلیوں کو جلتے چراغوں کا
پھر تاریخ سے کوئی سلسلہ بخش دے
شہر والوں کو میری انا بخش دے
دختر دشت کو دودھیا رنگ کی ایک ردا بخش دے

"واہ ایکسلنٹ ......" بے شمار آوازیں مگر وہ خود کہاں تھے۔

شاید خواب نگر کا راستہ پوچھنے چل دیئے تھے یا شاید محبت کا اسم اعظم یاد کرنے دل کے معبد میں چراغاں کرنے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انہیں کسی کا انتظار تھا مگر کس کا انتظار، زندگی نے تاسف سے وقت سے پوچھا اور وقت خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔

☆......☆......☆

ماما کی آنکھ پچھلے پہر کھلی تھی اچانک ہی جیسے کسی نے زور زور سے گریہ میں پکارا تھا وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھیں، لائٹ آن کر کے دروازہ کھول کر کوریڈور میں نکلی اور حیرت کی شدت سے گنگ ہو گئیں۔ کاشفہ ابھی تک وہیں پیر پسارے بیٹھے بیٹھے سو رہی تھی۔ آنسو رخساروں پر نشان چھوڑ گئے تھے اور چہرے میں کسی ایسے ضدی بچے کا تاثر ابھر آیا تھا جس سے زبردستی اس کا پسندیدہ کھلونا چھین کر رکھ دیا گیا ہو اور پھر بہلانے کو تاویلیں گھڑی گئی ہوں، مگر وہ ضدی دل سا ضدی بچہ ایسے ہی کب مانتا ہے۔

"کاشی ......کاشی ......"

"اوہو ماما سونے دو۔" اس نے ہاتھ جھٹک کر پھر سے نیند میں کھونا چاہا۔ مگر ماما نے کسی نہ کسی طرح اسے اٹھا ہی لیا تھا اور یہ تو ان کا دل ہی جانتا تھا کہ وہ کس قدر نیند کی پکی تھی، اس کے کان پر ٹائم بم کا دھماکا بھی کر دیا جاتا تو وہ ایک بار کی سوئی ہوئی دوبارہ نہ اٹھتی وہ اس کی اس عادت پر معترض رضی انکل کو کہا کرتی تھیں۔

"سونے دیجئے انکل جب تک یہ حقیقتوں کی تلخیوں سے بچ سکتی ہے اسے بچالینا ہمارا فرض ہے پھر کہاں آتی ہے اتنی مزے دار گہری نیند۔"

"کاشی، مائی چائیلڈ ......" بستر پر لٹا کر اچھی طرح سے اس پر چادر ڈال کے وہ کتنی دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہیں، پھر پلٹ کر واپس کمرے میں لوٹیں تو ضبط کے بندھن ٹوٹ سے گئے۔ اور دل نے کہا۔

"میں بھی نہیں ہارا دنیا کے سامنے ڈٹ جانے والا میں ہراول دستے کا سب سے جری سپاہی تھا مگر......مگر زندگی اب تم مجھے آ کر دیکھو تو مجھے مفتوحوں کی سب سے نچلی قطار میں دیکھو گی ہاں کیونکہ میں اب انا سے بھرا دل نہیں رہا مجھے کسی جنگ کے معرکے سے دلچسپی نہیں رہی میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میں

دل ہوں ایک ممتا سے بجز ب لب کرتا دل۔"

"میں کل ہی مانگ لوں گی ریان رشید سے حوصلہ، اس بچی کا مان اس کے ہر سوال کا جواب یہ لڑکی جس سے میرا اور ریان کا خون کا کوئی رشتہ نہیں، مگر پھر بھی یہ کالج گرل برسوں پیچھے کھینچ لے جاتی ہے، انہی موسموں میں جب دل کا ایک ہی موسم تھا اور وہ موسم تھا محبت کا ہر پیڑ پر موسم گل میں محبت کا بور آیا تھا اور یہ بچی اس وقت بھی ہماری زندگی میں بہار کی نقیب تھی بے سروسامانی میں ہمارا مدفن خزینہ تھی۔"

جبران کہتا ہے۔

"ہمارا گزرا ہوا کل صرف آج کی یاد ہے اور آنے والا کل آج کا خواب۔"

پھر یہ کیسی ممکن ہے میں اپنے اس آج کے خواب کو تاراج کردوں، میں محبت سے مانگ لوں گی اسے وہ ایک شوہر سے زیادہ باپ ہے، مجھ سے زیادہ میری بچی کے لیے ضروری ہے۔"

انہوں نے فیصلہ کرلیا تو خود کو نیند کے حوالے کرنے میں کچھ تامل نہ تھا۔

صبح بہت خوشگوار تھی یوں جیسے بادل گھر کر آئے تو برس کر سب پھول پودے دھو ڈالیں ہر طرف اجالا بکھر جائے وہ کھڑکی سے باہر نیلی مسافتوں کو دیکھ رہی تھیں اور ان کے قدموں میں طویل سفر کا ذائقہ ابھی تک زندہ تھا۔

"آج دفتر نہیں جانا ماما۔"

لڑ جھگڑ کر بھی یہ لڑکی ناراض ہونا نہیں جانتی شاید اس لیے کہ ساری دنیا میں میری طرح اس کا بھی کوئی نہیں اور یہ مجھ سے روٹھ کر اپنا آخری سہارا زندگی کا استعارہ کھونا نہیں چاہتی۔

"ماما آر یو آل رائٹ۔" وہ دروازے کی دہلیز سے اندر چلی آئی تو ماما کو اس پر ڈھیر سارا پیار آگیا۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا بس آج دفتر جانے کو دل نہیں کر رہا سنو تم بھی آج دفتر مت جاؤ خوب باتیں کریں گے۔"

"او کے مام مگر آپ بستر سے تو اٹھیں آپ دیر تک بستر میں لیٹی نظر آئیں تو دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔"

"اچھا اتنی ہی بہادری ہے جناب کی۔"

"ساری دنیا سے لڑ سکتی ہوں مگر آپ کو تھکا ہوا دیکھنے کی طاقت نہیں۔"

"او کے بیٹا تم ناشتا بناؤ میں جب تک شاور لے لوں۔"

"ٹھیک ہے مام۔" وہ چائے کا کپ لیے باہر نکل آئی پھر پراٹھے بنا رہی تھی جب اچانک بیل ہوئی۔

"بھلا صبح دس بجے کون آ گیا۔" گھڑی دیکھتی ہوئی وہ دروازے تک پہنچی تو ریئر سروس کا نمائندہ کھڑا تھا۔

"ایک بکے ہے میڈم پلیز سائن۔" اس نے بنا حجت کے سائن کردیا پھر بکے لے کر پلٹی تو کارڈ پر ماما کا نام پڑھ کر کارڈ کھولتے کھولتے تھم گئی ماما نہا کر نکلیں تو پوچھنے لگیں کون آیا تھا اس نے میز پر رکھا بکے ان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ آپ کے نام دے گیا ہے کوریئر سروس کا بندہ۔"

ماما نے حیرت سے دیکھا اور وہ بظاہر ناشتا لگانے کے لیے ان کے بیڈ سے نکل آئی مگر درحقیقت

وہ انہیں تنہائی دینا چاہتی تھی، ماما نے حیرت چھپا کر کارڈ کھولا اور لکھائی دیکھتے ہوئے پہچان گئیں۔

"لکھا تھا۔

"جبران کہتا ہے عورت کا دل وقت اور زمانے کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتا، اس کی موت حیات ابدی کا دوسرا نام ہے، فنا اس پر حرام ہے" کیا واقعی میں جبران کے اس کہے کو سچ مان لوں۔

کیا اب بھی تمہارے دل میں میرے لیے جگہ ہے۔ زیب میں نہیں جانتا اب تم کیسے دیکھتی ہو میرے اور اپنے تعلق کو میرے بارے میں آیا اب بھی کوئی لمحہ تمہیں کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے تمہیں ستاتا ہے یا نہیں لیکن یہ سچ ہے میں اب بھی تمہارا ہوں۔

بقول شاعر۔

ملے ہیں یوں تو کئی رنگ کے حسین چہرے
میں بے نیاز رہا موج صبا کی طرح
تری قسم تیری قربت کے موسموں کے بغیر
زمیں پہ میں بھی اکیلا پھرا خدا کی طرح

پلیز کہو مزیب کیا تم اب بھی اپنے نام کی طرح صرف میرے لیے زینت دی گئی سجی سنوری بیٹھی ہو کیا تم ظرف کا مظاہرہ کرنے میں آج بھی اتنی ہی دریا دل ہو یا وقت نے تمہارے اندر معاف کردینے کی خو مٹا دی ہے کیا تم بھٹکے ہوئے ایک شخص کے لیے ڈھارس بن سکتی ہو یا یہ مسافر ایک بار پھر سے اپنے وجود کا بوجھ سنبھالے ہوئے عازم سفر ہو مزیب مجھ میں چلتے رہنے کی اب آرزو نہ سہی مگر پھر بھی ایک ٹوٹا پھوٹا عہد مجھ میں زندہ ہے۔"

وہ عہد جو میں نے تمہاری مصفا محبت سے کیا تھا یہ سوچ کر کہ اب میں تمہارے قابل نہیں لیکن یہ کم بخت دل ہے کہ اب بھی آرزومند ہے تم مجھے اپنا ہم سفر نہ سہی اپنے ہمراہ چلنے والا ایک بے کس و لاچار مسافر سمجھ کر میری دلداری کرو مجھ میں سے تھکن سمیٹو اور مجھے اس وقت کی ساحری سے نجات دلا کر میرا دل مجھے لوٹا دو وہ جو کہیں اک فیصلے میں تمہاری آنکھوں میں ہی نہیں میرے قدموں تلے تڑپ تڑپ کر مر گیا تھا مجھے واپسی کا اذن سفر دو زیب میں تھک گیا ہوں، جلاوطنی نبھاتے نبھاتے کیا تمہارا خدا تم اور یہ وطن مجھے معاف نہیں کرسکتے۔" خط پڑھ کر انہوں نے سامنے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

"کیا، تمہارا خدا تم اور یہ وطن مجھے معاف نہیں کرسکتا۔"

کوئی پکارے گیا، دل کے اندر تو انہوں نے کارڈ کھولا لکھا تھا۔

"ہم کبھی نہیں ملے ملنے والوں کی طرح مگر مزیب منور کیا تم مانو گی کہ میں نے اپنی ویڈنگ اینورسری منائی ہے اسی امید اور ناامیدی میں لٹکتے ہوئے مگر آج...... آج اگر تم چاہو تو میری امید کو زندہ کردو، مجھے زندہ کردو، میری مسیحا کیا واقعی تم آج وہ دن منانے آؤ گی جو دن بیس برس سے میں تنہا مناتا آیا ہوں، آج پچیس مارچ ہے شام کو چراغ جلائے رکھوں گا تم آنا تو میں دیکھوں گا تمہارے آنے میں صبا کا انداز بولتا ہے یا ہوائے صرصر کا میں نے دل کا دیا بھی دریچے پر لا رکھا ہے چاہو تو بجھا دو چاہو تو ہواؤں کی دست برد سے محفوظ کرو۔"

فقط تمہارا
ریان رشید۔

انہوں نے بکے کو دیکھا پھر سر رکھ کر رونے لگیں، آنسوؤں میں جیسے کدورت کی جو ہلکی سی گرد تھی وہ

بھی ڈھلنے لگی۔

''ماما ناشتا کرلیں......'' قریب ہی کاشفہ کی آواز گونجی تو انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''آج ہم ناشتا تمہارے پاپا کے ساتھ کریں گے کاشی۔''

''مگر ماما آپ تو کہتی تھیں وہ میرے کچھ نہیں لگتے، میں صرف آپ کی بیٹی ہوں۔''

''ہاں میں نے کہا تھا مگر میں غلطی پر تھی وہ صرف تمہارا ہی مان نہیں میرا بھی بھرم ہیں، میرا ان سے جھگڑا پہلے بھی صرف نظریے کا تھا میں نے خود ان سے کبھی نفرت نہیں کی، پھر اب وہ بالکل میرے بن کر لوٹے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے میں بڑھ کر ان کا استقبال نہ کروں۔''

''او ماما آر یو سو گریٹ۔'' ماما کچھ نہ بولیں کمرے میں جا کر وہ ساڑھی پریس کرنے لگیں جو ریان رشید نے خاص رخصتی کے لیے منگوائی تھی پھر ساڑھے گیارہ کا وقت تھا جب وہ ہار سنگھار کر کے کاشفہ کے کمرے میں آئیں۔

''تیار نہیں ہوئیں بیٹا؟''

''واؤ ماما کس قدر پیاری لگ رہی ہیں آپ۔'' وہ بے ساختہ ان کے گلے سے جھول گئی۔ پھر بہت پرمسرت لہجے تھے جن کے ہمراہ ان کا رخ ریان محل کی طرف تھا۔

☆......☆......☆

''آخر کیا بات ہے لڑکے تم نے صبح سات بجے سے آفت کیوں مچا رکھی ہے آخر آج کیا خاص دن ہے۔'' ریان رشید نے تھکے تھکے انداز میں تذمیر حسن کو دیکھا وہ شرارت سے ہنسنے لگا، پھر تھما تو خفگی سے بولا۔

''بری بات چاچو آج پچیس مارچ ہے اور آپ کو یاد نہیں رہا آج کیا خاص دن ہے۔''

ریان رشید کو لگا ان لفظوں نے ملال رت کی برکھا برسا دی ہے، انہوں نے سر موڑ کر کھڑکی کی طرف کرلیا پھر نظریں چرا کر بولے۔

''میں جانتا تھا آج پچیس مارچ ہے مگر میں یہ دن کس کے لیے مناؤں کون سا حوالہ ہے میرے پاس کون سا امید کا در ہے جسے کھولوں اور اپنی رہن خوشیوں کو وقت کے مہاجن سے آزادی دلواؤں۔''

''ارے چاچو بھول گئے کل ہی تو کہا تھا آپ کے پاس امید کا پورا اسٹاک موجود ہے یاد نہیں ہے آپ نے کہا تھا والدین کے لیے اولاد ان کی امید ہوتی ہے اور آپ نے اپنی بیٹی کی آنکھیں دیکھ لی ہیں، خوابوں سے بھری آنکھیں پھر بھی چاچو آپ اتنے دلگرفتہ ہیں دیکھئے میری آنٹی اور کاشفہ کی محبتیں بھی ٹوٹے دل میں کوئی راگ نہیں چھیڑتیں۔''

ریان رشید نے نظر بھر کر امیدوں کے شجر کو دیکھا اس پر آنے والے محبت کے بور پر نظریں ٹکائیں۔ پھر ہنس کے بولے۔

''ٹھیک ہے تم کہتے ہو تو یہی سہی میں آخری بازی ہار جانے تک ضرور کھیلوں گا مائی سن۔''

''او کے یہ ہوئی نا بات چلیے جلدی سے تیاری کیجیے مہمان آنے والے ہیں۔''

''کون سا مہمان میر؟'' وہ چلتے چلتے پھر سے پلٹے تو وہ مسکرایا۔

''کوئی غیر نہیں چاچو بہت اپنوں کو انوائٹ کیا ہے بس جلدی سے آپ شاور لے کر تیار شیار ہو کر آئیں تو ہم اس خوشی کو سیلیبریٹ کریں۔'' وہ سر ہلا کر اندر بڑھ گئے تو وہ باہر گیٹ کھولے انتظار کرنے لگا

ٹک ٹک کتنا ہی وقت بیتا تب کہیں جا کر ایک ٹیکسی اس کے گیٹ کے سامنے آ رکی۔ پہلے مزیب آنٹی اتریں اور پھر وہ اس کہانی کا سب سے جاندار کردار۔

''ہیلو آنٹی......ہیلو کاشفہ......'' اس نے پھولوں کی تھالی سے ان پر پتیاں اچھالیں، دونوں مسکراتی ہوئیں اس کے ہمراہ اندر ڈرائنگ روم میں بڑھتی چلی گئیں، مزیب آنٹی نے سوالیہ انداز میں دیکھا تو ہنس کر بولا۔

''بس آتے ہیں آنٹی تیار ہو رہے ہیں۔''

''میر......میر یہ کیا بیہودگی ہے۔'' اوپر سے آواز آئی کاشفہ اور ماما نے تحیر سے دیکھا اور وہ مسکرایا۔

''ایک منٹ دراصل شاید چاچو کو ڈریس پسند نہیں آیا میں ابھی انہیں ٹپ دے کر آیا۔''

'' تیز قدموں سے وہ ان کے بیڈروم میں داخل ہوا تو وہ اپنی بڑی سی رائٹنگ ٹیبل کی دراز کھولے غصے میں کھڑے تھے۔

''کیا ہوا چاچو؟''

''چاچو کے بچے تم نے میری خاص دراز کا تالا کیوں توڑا تم میرے کاغذات میں کیوں گھسے تھے۔''

''صرف آپ کو محبتیں لوٹانے کے لیے چاچو، ادھر آئیے میرے ساتھ سچ آپ کی طبیعت سیٹ ہو جائے گی۔''

''بکواس مت کرو تمہاری باتوں سے میں یہ سوال نہیں بھول سکتا، بتاؤ تم نے میری دراز کا تالا کیوں توڑا؟''

''چاچو اتنے گرم کیوں ہو رہے ہیں آپ، آخر اس دراز میں رکھا ہی کیا تھا۔'' اس نے مزید تپایا تو وہ چلاتے ہوئے مڑے۔

''تمہیں پتا ہے اس دراز میں میرے ماضی کا ڈپازٹ بند تھا، میری محبت کی پاور آف اٹارنی اور تم......تم نے اس میں گھسنے کی کوشش کی آخر کیوں؟''

''اتنا غصہ آخر کیوں کر رہے ہیں بچے پر۔'' وہ جو تذمیر کا کالر مٹھی میں بھینچے مزید باز پرس کرنے کے لیے تیاری کر رہے تھے، یکدم تھم سے گئے ایک دفعہ تو یقین بھی ڈانواڈول ہو گیا تھا کیا واقعی یہ وہی چہرہ تھا جس کے لیے انہوں نے خاک چھانی تھی یا اس چہرے کا محض عکس تھا، محض ان کا الوژن۔

''مزیب......!''

''اب چھوڑیئے بھی آخر کیا کر دیا بچے نے؟'' سجی سجی چلتی وہ ان کے قریب آ رکیں۔ تو ریان رشید کو اپنا سانس سینے میں گھٹتا ہوا محسوس ہوا، انہوں نے زندگی کو اتنے قریب سے کب دیکھا تھا۔

''مزیب......!'' چھو کر جیسے یقین کرنا چاہا اور تذمیر حسن شرارت سے پکارا۔

''یہ سچ مچ ہیں چاچو آپ کی اپنی۔''

''تم نے......تم نے مجھے بتایا نہیں کہ مزیب آنے والی ہیں۔''

''کہا تو تھا چاچو کچھ مہمان انوائیٹ کیے ہیں مگر آپ کو تو جھگڑے سے فرصت ملے تو آپ کچھ سمجھیں بھی۔''

وہ صاف دامن بچا گیا تو کاشفہ نے ماما کا سوال دہرایا۔

''آخر آپ تذمیر پر کیوں خفا ہو رہے تھے۔ پاپا؟'' انہوں نے گھور کر تذمیر کو دیکھا پھر مسکرا کر

بولے۔

''کچھ نہیں بیٹا بس اس کی لاابالی فطرت ہمیشہ ہراساں رکھتی ہے۔تم بتاؤ تم کیسی ہو اور مزیب تم تم کیسی ہو۔''......

مزیب منور مسکرائیں۔

''آپ کو کیسی لگ رہی ہوں؟'' ریان رشید کچھ نہ کہہ سکے اور تذمیر حسن جو غائب ہوگیا تھا بڑے سے کیک پر کینڈل جلائے ٹرالی دھکیلتا ہوا ان کے بیڈروم میں در آیا۔

''مینی ہیپی ویڈنگ اینورسری چاچو جی اینڈ چاچی۔''

مزیب نے قہقہہ لگا کر اس کا رخسار چھوا اور آنکھیں خود سمندر ہوگئیں، بیس برس کا آبلہ پا سفر یاد آ گیا تو روح پھر سے زخم زخم لگنے لگی۔

تم میرے زخم چنو میں تمہارے وجود کی تھکن سمیٹوں گا۔

آؤ اس برس عہد کریں کہ اب ہم
خوش رنگ بجھیں تمام شب عید ہم
اک ساتھ منائیں گے

ہولے سے بڑھ کر وہ گنگنائے تو تذمیر حسن نے شوخی سے انہیں دیکھ کر جملہ کہا۔

''خوش ہونا سیکھیے، بھول جائیے گزرنے والی کلفتوں کو کہ اب تمام خواب موسم امید روشن کے راستے ہماری ہی سمت آتے ہیں، ہمارے ہی قدموں کے منتظر ہیں۔''

کاشفہ نے سر ہلا کر تذمیر حسن کی تائید کی اور ریان رشید نے اس برس کے چرائے جانے والے خط و رکارڈ پر تذمیر حسن کی محبت بھری چوری پر اسے باعزت بری کر دیا، دونوں نے برس بعد مل کر کیک کاٹا اور تذمیر کاشفہ کو ہمراہ لیے بالکونی میں آ کھڑا ہوا۔

''آپ کو پتا ہے مس کاشفہ ہمارے آج کی امید اور کل کے خواب کیا ہیں؟''

کاشفہ ریان نے پوری محویت سے اسے دیکھا پر جذب سے بولی۔

''ہمارے بچے جو روشن دن کی روشن دلیل ہیں جو اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ رب ابھی اپنی تخلیق سے مایوس نہیں ہوا وہ اب بھی تبدیل کے خواب بھر بھر کر آنکھیں بناتا ہے اور انہیں معصوم صورتیں دے کر دنیائے رنگ و بو میں اتارتا رہتا تا کہ امید کا سرکل چلتا رہے، زندگی تھک نہ جائے۔''

تذمیر نے کچھ نہیں کہا مگر وقت اور زندگی دونوں اس خواب سے مطمئن تھے، سو فضا میں مدتوں بعد ریان رشید اور مزیب منور کے قہقہے گونجے تھے۔شاید اب کبھی نہ تھمنے کے لیے کہ بنجر موسم خاموش لمحے جتنے گذرنے تھے گزر گئے تھے اور سامنے بہار رت کا پھول سے مہکیلا راستہ روشن صاف ستھرا اور خوبصورت منزلوں کی طرف جانے والا راستہ۔''

○ ○ ○ ○ ○

برف رت پہ خوش سورج

اس وقت وہ بہت مزے سے بیٹھی ہوئی رسالہ دیکھ رہی تھی خواتین کا کوئی پرچہ تھا اور اس میں اس کی ایک سلسلہ وار کہانی کی قسط چل رہی تھی کہانی بظاہر نارمل سی تھی مگر اسے اور ندیمہ کو وہ کچھ اس طرح پسند آئی تھی کہ دونوں میں خوب بحث و تکرار ہوتی تھی پہلے تو ان دونوں میں کہانی پہلے پڑھنے پر جدوجہد ہوتی اس سے نمٹ جاتے تو پھر اس کے کرداروں پر سیر حاصل تبصرہ کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہوتا اور اس میں ضیغم حنان ان کا تیسرا پارٹنر ہوتا وہ ان کا فرسٹ کزن ہی نہیں ندیمہ واسف کے لیے اپنے دل میں سوفٹ کارنر بھی رکھتا تھا وہ تینوں بچپن کے بہت اچھے دوست تھے لیکن ندیمہ اس نئے تعلق کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی تھی اور ان دونوں کا خیال تھا وہ اس کے دل میں دیا ضرور روشن کریں گے اور وہ تلملاتی ان کے اس نادر خیالات پر سوواٹ کا سلوگن جلانے بجھانے لگتی لیکن دونوں اس بات سے قطعاً متفق نہیں تھے اور اسے اس بات کی پروا بھی نہیں تھی۔

''ندیمہ او میری پیاری تم چائے پکانے گئی تھیں یا قورمہ......؟'' اس نے پڑھتے پڑھتے کچن کی طرف پیش قدمی کی اور وہ اسے دیکھ کر گھورنے لگی۔

''یہ اتنی قاتل نظروں سے مجھے کیوں گھور رہی ہو خدا کی قسم علی حیدر کی طرح مر جاؤں گی مر جاؤں گی۔''

وہ گنگنانے لگی اور یہ طے تھا ندیمہ کو چھیڑنا اس کا محبوب مشغلہ تھا مگر وہ کچھ کہنے کی بجائے ایک قاتل نظر ڈال کر پھر سے چائے کی طرف متوجہ ہوگئی جو بہت تیزی سے ابل رہی تھی۔

''اسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے تمہارا خون کس قدر ابل رہا ہوگا ویسے اجمال اس موڈ کا کیا ہے۔''

وہ اب کاؤنٹر پر بیٹھ کر سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگی تھی مگر وہ کچھ کہے بغیر چائے میں دودھ ڈال کر چائے کو ہلکی آنچ پر دم دینے لگی تھی۔

''کیا ہوگیا ہے میری سویٹ ہارٹ او میری بنو میری سنڈریلا کی ہو یا تینوں۔'' اس نے مزید کہنے کے لیے بھی منہ کھولنا چاہا تھا مگر اس نے پکوڑوں کی پلیٹ سے ایک پکوڑا اس کے منہ میں ٹھونس کر اس کی اس کاوش کو قتل کر ڈالا تھا۔

''تم...... تم اب اگر ایک لفظ بھی بولیں ناں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔''

''تم سے برا......'' وہ جلدی جلدی گرم گرم پکوڑا چبانے لگی کھا چکی تو رومینٹک ہو کر پھر سے بولی۔

''تم سے برا...... میری جان تم سے برا ساری دنیا میں چراغ لے کر بھی ڈھونڈوں ناں تو نہیں ملے گا ویسے اس شاندار موڈ کا مقصد۔''

''بکواس مت کرو اور یہ اپنا وے آف ڈائیلاگ بدلو ورنہ پایا سمجھیں گے تم تھرڈ کلاس ناولز کا مطالعہ کرنے لگی ہو جس میں ہیرو گلی چھاپ ہو کر بھی ہیرو رہتا ہے ویسے آج کل موویز کون سی دیکھنے لگی ہو۔'' اس نے بڑی بہن ہونے کا ثبوت دیا اور بولی۔

''ندیمہ کی بچی یہ اسٹائل تو بڑا ہاٹ ان ہے تمہیں اس سے بیر کیوں ہے یار اتنی محبت سے پہلے کبھی کسی نے پکارا ہوگا تمہیں۔''

''نہیں مگر مجھے یہ انداز اچھا نہیں لگتا۔'' وہ چائے کپوں میں ڈالنے لگی تھی اور حسب توقع ٹرے میں تین کپ ہی فروکش تھے یہ فروکش کی اصطلاح اس کی ذاتی تھی بقول اس کے ہر چیز میں ایک دل ہوتا ہے اور اس کا دل رکھنا اس کا فرض یہ اور بات کہ گھر کا ہر شخص اس کی اس بات سے قطعی متفق نہیں ہوتا تھا اور اس کا خیال تھا ہر بڑے عظیم آدمی کے ساتھ یہی ٹریجڈی رہتی ہے عموماً اس کے زمانے کے لوگ نہیں بلکہ اگلی صدی کے لوگ اسے مانتے ہیں کہ کیا بڑا آدمی تھا اور عارف واسف تھا اس پر کہتا تھا۔

''دنیا اس قدر آگے جا چکی ہے کہ اب لوگ کہنے لگے ہیں اگلی صدی شاید آنے بھی نہ پائے اور قیامت آجائے سو عینا واسف تمہیں صرف یاجوج ماجوج کی نسل ہی سراہ سکتی ہے شاید تم ہو ہی اس نسل کا حصہ، ندیدی چٹوری فتنہ پرداز کاش تمہیں انارکلی کی طرح دیوار میں چنوا سکتا۔''

وہ سب کھی کھی کر کے ہنسنے لگتے اور وہ اس ساری تنقید کو سن کر یوں اگلی فرمائش کر رہی ہوتی کہ ندیمہ اور ضیغم کو اس کے مضبوط اسٹیمنا پر رشک آتا وہ تھی ہی ایسی اپنے من کی کرنے والی جو دل میں ٹھان لے پھر ایک قدم پیچھے نہیں ہٹتی تھی اور اس وقت، اس وقت بھی کچھ اس کا موڈ ایسا تھا ندیمہ قطعی خاموش تھی اور اسے اس کے اندر سے راز اگلوانا تھا۔

''آخر ہوا کیا میری بہنا......؟'' اب کچھ قابل قبول تھا اس کا لہجہ وہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی ٹی وی لاؤنج کے دروازے پر آن رکھی تھی جہاں ضیغم حنان ریموٹ سے کھیل رہا تھا۔

''ایک تو تمہاری نئی نسل میں قرار بالکل نہیں ہے اتنا ہیجان ہے کہ کسی دن بلاسٹ ہو جاؤ گے۔'' اس نے دادی بیگم کی نقل اتار کر ضیغم حنان کو گوشمالی کی اور وہ ہنسنے لگا۔

''آ گیا میرا شیر، ون مین جوکر......''

''ضیغی...... میں تمہیں۔'' اس نے کشن کھینچ کر غصے کا اظہار کیا اور وہ ترچھی نظروں سے منہ پھلائے بیٹھی ندیمہ کو دیکھنے لگا نظر سوالیہ تھی اس لیے اس نے شرارتاً پکارا۔

''جو بھی مجرم ہے تمہاری اس خاموشی، بیزار کن چوکھٹے کا اس کا نام بیان کرو، تمہارا نام صیغہ راز میں رکھا جائے گا ویسی صیغہ کے ص پر تم ایک نقطہ لگا کر ایک قطعی پرائیویٹ قسم کا راز دان بھی حاصل کر سکتی ہو۔'' اس نے جان کر پھر سے چھیڑا وہ ہمیشہ پیار سے ضیغم کا کوڈ ورڈ دیتی تھی اور حقیقتاً بھی وہ ان کے لیے ڈائری کی طرح تھا جہاں عارف، ندیمہ اور خود اس کی بے شمار شرارتیں پوشیدہ تھیں جو آج تک بڑوں تک نہیں پہنچ سکی تھیں بعض اوقات تو عینا اور عارف کی ایک دوسرے کے خلاف ہی ایسی شرارتیں تھیں کہ اگر دونوں ایک دوسرے کی کارکردگی جان لیتے تو پانی پت کا میدان گھر میں ہی بن جاتا سوا سے اپنی انہی صلاحیتوں کا مان تھا کہ وہ گھر بھر کی خاموش طبع نی باجی کی شخصیت کو ڈسکور اور ڈیکوریٹ کرنا چاہتا تھا مگر سامنے بیٹھی لڑکی ہنوز حل طلب مسئلہ تھی۔

''آخر تم کس کلیہ پر حل ہوگی تمہاری بریکٹ اوپن کرنے کے لیے کون سا فارمولا اپلائی کروں ندیمہ مجھے بہت فخر ہے کہ میں الجبرا بہت اچھا حل کر سکتا ہوں۔''

''یقیناً میرے بھائی تم اپنے اس اعزاز پر ہمیشہ فخر کر سکتے ہو مگر مشکل یہ ہے کہ اپنی ندیمہ جو ہے ناں اس کی کیمسٹری کچھ الگ ہے، اتنی الگ کہ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے پاپا نے اسے یا تو کہیں سے اغوا کیا تھا یا کسی چلڈرن ہوم سے ایڈاپٹ کیا تھا ورنہ عارف اور مجھ سے اتنا الگ مزاج۔'' ضیغم اسے گھورتا رہا مگر اس کے چلنے والی زبان کہاں رکنے والی تھی نتیجتاً ندیمہ مکمل طور پر موڈ آف کر گئی تھی، اس کی آنکھوں میں نمی بھی اتر آئی تھی۔

''کیا ہوگیا میری دوست کیوں اس قدر ڈس ہارٹ ہوگئی ہو تم۔'' اسے غلطی کا احساس ہوا تو وہ فوراً دلداری کو آگے بڑھی اور ضیغم کو غصہ آگیا تپ کر بولا۔

''تمہیں اس سے کیا مطلب کسی کی آنکھ پرنم کیوں ہوئی تمہاری تو بس کلکتے کی قینچی چلنی چاہیے پھر جب یہ قینچی چلتی ہے تو یہ تھوڑی دیکھتی ہے کہاں کہاں سے دل کا تیا پانچہ ہوا۔'' ضیغم اٹھ کر اس کے قریب آ گیا تھا۔ تب اس نے نرمی سے کہا تھا۔

''چائے پی لیں آپ! ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

اس نے فوراً جملہ پکڑا۔

''تم اتنے گرم موڈ میں ہو ضیغم ٹھنڈی چائے ہی سہی کچھ پی سکیں گے؟''

''عینا تم کچھ دیر خاموش رہ سکو گی پلیز۔'' اس نے گھور کر دیکھا اور وہ بڑبڑانے لگی۔

''آج تک یہ کام میں نے کیا نہیں ویسے تمہاری دوستی کی خاطر یہ ناممکن کام کر گزروں گی۔''

اس نے سامنے رکھی ٹرالی سے پکوڑوں کی پلیٹ اپنے آگے کی ایک کیک پیس کا ٹکڑا اٹھایا اور بگ

ون قسم کا چائے کا کپ اٹھا کر ٹی وی کے سامنے جم گئی۔

''یار یہ کیبل کب کھلے گا'' سارے چینل لاک تھے جھنجلا کر ضیغم سے پوچھا، مگر وہاں تھا کون؟

''اونہہ! مجھے بناتے ہیں، گئے ہوں گے اسنوپی، کہاں بھلی لگے گی اتنی گرمی میں بی بنو کو چائے۔''

اس نے واپس پلٹ کر ٹی وی کو دیکھا پھر خود سے تپ کر پوچھا۔

''یار کیا دیکھوں میں۔'' اس نے چینل چینج کیا۔ سی ڈی پر پاکستانی فلم لگی ہوئی تھی۔

''اف اتنے ڈل کلر ہیں فلم کے اور کہانیاں او مائی گاڈ دل چاہتا ہے فلم والوں کو ان ہی کے ولن سے قتل کروا ڈالوں مگر ایسے نصیب کہاں...... فلم میں زبردستی کا رومینٹک گانا شروع ہو چکا تھا، اس لیے سں کا مزید تپ جانا بجا تھا وہ خود سے مخاطب تھی۔

''یار یہ فلموں میں کہانیوں میں ہر شخص شادی پر اتنا ادھار کیوں کھائے بیٹھا رہتا ہے، کزن ہیں تو کیا ضروری ہے کہ منگیتر بھی بنیں؟ خاندان میں رشتے کتنے محدود ہو جاتے ہیں گو اینڈ ٹیک ٹوٹلی بورنگ۔'' اچھی خاصی تنقید کی راہ میں ندیمہ اور ضیغم آ گئے تھے اس لیے اس کا تبصرہ ادھورا رہ گیا تھا وہ مزید چینل چینج کرنا چاہتی تھی مگر ڈور بیل بجی۔

''یہ آج ہی سب کو آنا جانا ہے اور پاپا دادو، مما سب کو ہی آج ہی کہیں جانا تھا'' وہ جھنجلا کر اٹھی گھر میں مشکل ہی سے کوئی کام اس سے ہوتا تھا ہر پرابلم کا حل ندیمہ واسف اس کی جیب میں جن کی طرح موجود تھی سو بمشکل بھنائی ہوئی وہ دروازے تک پہنچی۔

''جی فرمایئے آپ کو کس سے ملنا ہے۔''

''جی وہ ہمارے گھر کا ٹیلی فون خراب ہے، اگر آپ ایک فون کرنے کی اجازت دے دیں تو۔''

''گھر میں کوئی نہیں ہے سوری سر، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔'' اس نے عقل مندی کا ثبوت دیا جو وہ بہت کم دیتی تھی۔

''میڈم میں ایک شریف انسان ہوں، اس وقت صرف آپ ہی میری مدد کر سکتی ہیں۔''

''لیکن میرا آج ثواب کمانے کا موڈ نہیں ہے سر۔'' وہ کھٹاک سے گیٹ کی چھوٹی کھڑکی بند کر کے واپس اندر آ چکی تھی ٹی وی پر انگلش موی چل رہی تھی وہ پھر سے چائے اور پکوڑوں سے شغل کرنے لگی تھی۔

''ٹرن، ٹرن۔'' فون بیل اچانک اس کا موڈ غارت کرنے لگی وہ جھنجلا کر ٹیلی فون تک گئی۔

''ہیلو۔ ایئر پیس پر قطعی خاموشی تھی۔

''ہیلو آپ کون بول رہے ہیں۔''

''کیا واقعی آپ نے مجھے بولتے سنا تھا۔'' لہجہ انتہائی شوخ تھا وہ ٹپٹا گئی تھی۔

''آپ کون بول رہے ہیں؟ کیا عارف بھائی کے دوست ہیں آپ۔''

''محترمہ کیا بھائی کے نام پر ڈرانا چاہتی ہو ویسے یہ عارف سلمہ کہاں کے بھائی ہیں۔''

''یوشٹ اپ میرے بھائی کہیں کے'' بھائی'' نہیں صرف میرے بھائی ہیں۔''

''شاید بھول رہی ہیں آپ، ندیمہ اس جملے پر ہرٹ بھی ہو سکتی ہے۔''

''آپ کون ہیں جی۔'' اس کے کان کھڑے ہوئے اور دوسری طرف صرف قہقہہ سنائی دیتا رہا۔

''تم! عینا واسف میں جانتا ہوں تم اس وقت اکیلی ہو مگر فکر مت کرو میں تمہیں بھوت بن کر ہرگز نہیں ڈراؤں گا لیکن تمہیں اپنی ایکس فائل کی سزا ضرور ملے گی۔''

''ایکس فائل۔'' اس نے بمشکل تھوک نگلا ابھی ایک ہفتے پہلے ہی کی تو بات ہے اس نے تازہ شرارت کے تحت یونیورسٹی کے نامی گرامی فلرٹی لوگوں کی ''فرسٹ سمسٹر رپورٹ۔'' باقاعدہ تصویروں کے ساتھ فائل ان کے نا صرف گھروں پر بھیجی تھی بلکہ ایک دو کاپیاں چانسلر کے دفتر میں بھی بھیجی تھیں۔

''تم کون ہو عالی، اظفر یا......''

''تم جان نہیں سکتیں میں کون ہوں مگر ابھی جب تمہارا پورا پورچ بم کے دھماکوں سے گونجے گا تو ہر آواز پر میں یاد آؤں گا۔ تم مجھے زہران رشاد کے نام سے بہت اچھی طرح جانتی ہو۔'' لہجہ تھرتھری پھیلا دینے والا خون منجمد کر دینے والا تھا، اس کی روح آنکھوں میں کھنچ آئی تھی، ایک شرارت کی سزا اتنی کڑی بھی ہو سکتی ہے۔

''پلیز زہران اتنی سی معصوم سی شرارت پر آپ مجھے جان سے مار دیں گے؟'' اتنا معصوم انداز تھا کہ بندہ جان ہار جائے مگر زہران رشاد ایک نمبر کا کٹھور تھا اسی لیے بغیر فون رکھ چکا تھا اور پورچ سے آنے والی موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''ہائے ابھی ذرا کی ذرا دیر میں، میں مرحوم ہو جاؤں گی بے چاری ندیمہ اس کا کیا ہوگا، اسے میں کتنا یاد آؤں گی ناں، وہ تو پاکستانی ہیروئن کی طرح رو رو کر کتنی اسمارٹ لگنے لگے گی اس کی آنکھیں رونے کے بعد کتنی خوب صورت ہو جاتی ہیں اور وہ عارف وہ تو میرے بغیر کھانا نہیں کھاتا اور پپا انہیں دن رات میں دکھائی نہ دوں تو ان کی صبح نہیں ہوتی ویسے یہ اور بات کہ ندیمہ کے بارے میں بھی یہی بات دادو کہتی تھیں ہائے میں نے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے ابھی تو ندیمہ جو آئسکریم لائے گی وہ بھی تو زہر مار کرنی ہے، مما نے جو فروٹ ٹرائفل بنایا ہے اس کے حصے بخرے صرف عارف اور ندیمہ۔ ہائے امی جی۔'' دھماکے شروع ہو گئے تھے اور دل کی چھوٹی، کانوں پر ہاتھ رکھے چیخے ہی جا رہی تھی۔

اس ہنگامے میں فون بیل پھر سنائی دی۔ اس نے تیزی سے ریسیور اٹھایا، آواز ضیغم حنان کی تھی وہ اس سے آئس کریم کا فلیور پوچھ رہا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں کھانا مرنے سے پہلے تو بھوک ویسے ہی مر جاتی ہے ناں ضیغم۔''

''ہوتا تو ہے مگر عینا پیاری یہ تمہیں اچانک موت کا منظر کیوں یاد آ گیا، ہم تو تمہیں بہت اچھی حالت میں چھوڑ کر آئے تھے۔''

''ہاں مگر اب یہ اچھا پن رخصت ہوا ضیغم بھائی تمہاری عینا مرحومہ ہونے والی ہے بس کچھ دیر ہی کی بات ہے۔'' لہجہ ایسا تھا کہ ندیمہ اور اس کا چونکنا لازمی تھا ندیمہ نے موبائل چھین لیا تھا اور آواز میں ہراس نمایاں تھا۔

''عینی یہ گھر میں کیا ہو رہا ہے شب برأت گزرے تو ایک مہینہ ہو چکا ہے یہ تمہیں اچانک کیا سوجھی۔''

''ضغی بھائی پلیز گھر آ جائیے۔'' وہ کچھ کہنے کی بجائے رونے لگی پھر پچیس منٹ کا راستہ افراتفری میں پندرہ منٹ میں طے کرتے وہ جب دونوں گھر آئے تو وہ صوفے سے کمر ٹکائے آدھی تقریباً مر ہی چکی تھی۔

''عینا پیاری یہ باہر تمہاری بارات آ رہی تھی کیا؟ اتنے سارے بم کے خول پڑے ہیں کیوں۔''
''خول! کیا مطلب وہ...... وہ بچوں والے بم تھے۔''
''تو تمہارا کیا خیال تھا کسی دہشت گرد نے حملہ کر دیا تھا۔''
''ضغی...... وہ زہران رشاد، یہ سب اس کی شرارت تھی۔'' دل قابو آیا تھا تو زبان میں پہلے ہی جیسی روانی آ گئی تھی، ندیمہ اسے ساتھ لپٹائے بیٹھی تھی اور عینا واسف کو آج اس محبت کی طاقت اور اہمیت کا احساس ہو رہا تھا اندر کا ہیجان کس قدر جلد دور ہو گیا تھا اپنا پن کس قدر ضروری ہوتا ہے۔

''زہران وہ یونیورسٹی بیڈ بوائے تم اس سے کہاں جا ٹکرائی تھیں۔'' اس کے اعصاب معمول پر آتے ہی وہ عارف کی طرح جرح کرنے لگا تھا اور وہ ہنگامی صورت حال کے تحت اتنی جلدی نام اگلنے پر اپنے آپ کو کوس رہی تھی۔

''عینا میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں تم زہران کی لسٹ پر کیونکر آ ئیں......؟''
''وہ ضغی بھائی میں اور امیلی ہم دونوں نے ایسے ہی مذاق میں ایک ایکس فائل بنا کر زہران گروپ کے گھر بھیج دی تھی بس اس پر وہ ہتھے سے اکھڑ گیا۔''
''اسے ہتھے سے اکھڑنا چاہیے تھا شکر کرو اس نے جھنجلا کر تم پر آدھا چھٹانک سیسہ استعمال نہیں کر دیا ورنہ واقعی مرحوم ہو جاتیں؟''
''ضغی بکواس نہیں مجھے اپنی کسی بات پر شرمندگی نہیں ہے۔''
''آج سے پہلے تم نے کبھی کہا ہے تمہیں اپنی غلطی پر شرمندگی ہے جو آج تم بولتیں عینا واسف تم اول درجے کی بے وقوف اور عاقبت نا اندیش ہو۔''
''تم صحیح کہہ رہے ہو ضیغم یہ اپنے ساتھ عاقبت نا اندیش بن کر ہر ایک کی خیر اندیش بنی پھرتی ہے دیکھنا ایک دن اس کی یہی حماقت اس کے گلے پڑے گی۔'' ندیمہ نے بہت رو ڈلی اس کو اس کی اس حرکت پر لتاڑا اور وہ واک آؤٹ کر گئی ہر کوئی اسے جو چاہتا کہہ سکتا تھا، لیکن یہ ندیمہ اسے تو نہیں کہنا چاہیے تھا۔ بھر بھر آنسو نین کٹوروں میں اودھم مچانے لگے۔ ضیغم، زہران کا نمبر رنگ کر رہا تھا اور وہ صوفے پر دھنسی ہوئی بدلی ہوئی ندیمہ کو دیکھے جا رہی تھی۔

وہ اس کی بیسٹ فرینڈ سے بھی کچھ اوپر کی چیز تھی۔

ہوتا ہے نا کہ بہت سارے لوگوں میں سے کوئی آپ کے دل کو بس لگن کی طرح لگ جائے آپ محسوس کریں زندگی میں اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں اگر ہمیں یہ نظر نہ دیکھے تو ہم پر ہمارے ہی خال و خد آشکار ہونے سے رہ جائیں گے یہ نہ بولے تو سارے لفظ گونگے بے معنی ہو جائیں یہ ہمیں بڑھ کر تھام نہ لے تو کنکریٹ کی دیوار سی آپ کی ذات ریت کا گھروندا بن جائے سو ایسے لوگوں سے دل یہ بھی کبھی نہیں چاہتا کہ کوئی حرف تنقید بلند ہو ان ہونٹوں سے کہ ان ہونٹوں کا ہر حرف تنقید سے نکلا تیر تو ہو سکتا ہے جملہ نہیں،

دوست وہ ہو جو دل کے قریب ہو، اس سے آپ ہمیشہ توقع رکھتے ہیں وہ آپ کے دل سے سننے والا ہو آپ کو کسی بھی بات پر دلیل دے نہ مورد الزام ٹھہرائے وہ جب آپ کے ساتھ چلے تو آپ سے اتنا آگے نہ ہو کر چلے کہ آپ اس کے محکوم دکھائی دیں اور نہ آپ سے اتنا پیچھے رہے کہ آپ کے دیکھنے والے اس کا لیڈر یا گارجین سمجھیں بس دوستی یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلے اور ندیمہ اس کی ایسی ہی دوست تھی بہت کم وہ اس کے مخالف بینچ پر بیٹھتی کسی بارے میں اس کی رائے لی بھی جاتی تو وہ یا تو واک آؤٹ کر جاتی یا غیر جانبدار ہو کر جان بچاتی، لیکن آج وہ کس قدر با آواز بلند اس کے خلاف بولی تھی اسے اس کا جملہ بھول گیا تھا بس لہجہ یاد رہ گیا تھا، اس نے اب سر جھکا لیا تھا، کیونکہ ضیغم موبائل لے کر باہر کوریڈور میں چلا گیا تھا اور ندیمہ اس معاملے میں اس کے ساتھ تھی۔

''معاملہ کچھ بھی ہوتا لیکن تمہیں میری سائیڈ سے نہیں ہٹنا چاہیے تھا میں کس قدر اکیلا محسوس کر رہی ہوں، جیسے میرے پاس ابھی کچھ دیر پہلے تک بہت کچھ تھا، احساس اپنا پن مان ذات کا زعم لیکن اس لمحے۔'' ٹپ ٹپ آنسو گرنے بھی لگے تھے تب بہت اچانک کسی کے دو مضبوط بازوؤں نے اسے تھام لیا تھا وہ اس کے کاندھوں پر ہاتھ دھر کر کھڑا تھا۔

''کیا ہو گیا یہ برسات کیوں؟'' دائیں ہاتھ سے کاندھے پر کوٹ سنبھالے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھ کر پھر سے اس کی خاموشی پر حیران ہو کر پوچھا۔

''مائی سوئیٹ ہارٹ۔ میری گھڑی میں تو ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں ——— لیکن تمہاری صورت پر بارہ کیوں بج رہے ہیں، خیریت کوئی نئی تازہ شرارت......'' اور بس اسے لگا ایک کاندھا مل گیا وہ شدتوں سے رونے لگی اور وہ یکدم پریشان ہو گیا۔

''کیا ہو گیا میری پیاری سی بہنا آخر کیوں رو رہی ہو......'' کوٹ صوفے پر اچھال کر وہ اس کے برابر صوفے پر آن بیٹھا اور وہ اس کے کاندھے سے لگی اپنا پرانا اور شام کا نیا تازہ کارنامہ بتانے لگی وہ خاموشی سے سنتا رہا، سنا چکی تو ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی کیا ردعمل ہوتا ہے اور وہ ہنس رہا تھا۔

''پاگل......'' اسے کھینچ کر قریب کر لیا وہ اس جملے کا مقصد نہیں سمجھی اور وہ مسکرا کر بولا۔
''وہ کاپی زہران تک پہنچی ہوگی تو یہ ہنگامہ ہوگا ناں۔''
''کیا مطلب؟'' اس نے گھورا۔
تو وہ اس سے کچھ دور ہو کر بیٹھ گیا پھر مزے سے بتانے لگا۔
''تم نے سائرہ کے معاملے میں جس طرح مجھے دھکیل کر اس کے فادر سے ڈانٹ پڑوائی تھی صرف فرینڈ شپ ڈے پر پھول دینے پر وہ نقلی لو لیٹر لکھ کر ٹی سی ایس کر کے پھر کیوں نہ بدلہ لیتا زہران والا معاملہ اسی کی وجہ سے مجھ تک پہنچا میں نے سوچا بے وقوف بہن کو کیوں نہ آفت سے بھی بچا لیا جائے اور تھوڑا سا ڈرا بھی لیا جائے۔ پھر کیسا لگا ہمارا شام کا ڈرامہ یہ دیکھو ہم نے تو ریکارڈ بھی کر لیا ہے۔'' وہ چھوٹے سے ٹیپ پر کیسٹ ریوائنڈ کر رہا تھا۔

''ضیغم بھائی مرنے سے پہلے تو بھوک ویسے ہی مر جاتی ہے۔'' ساری باتیں ریوائنڈ ہو رہی تھیں اور اسے شرمندگی مارے ڈال رہی تھی، سائرہ ان کی یونیورسٹی فیلو نہیں تھی یونیورسٹی فیلو کی کزن تھی عارف نے

ایک آدھ بار دوستی کی خواہش کا اظہار کیا تو بس اسے پتنگے لگ گئے۔ ہوتا ہے ناں جو آپ کو بہت عزیز ہو کبھی کبھی وہ کسی کو عزیز ہو جائے یا پسند کرنے لگے تو عجیب سی جلن آ جاتی ہے یہ جلن شدید محبت میں ہر رشتے میں آ سکتی ہے ماں بیٹے اور بہو کے درمیان بہن بھابھی اور بھائی یا بھائی بہن اور منگیتر ہر وہ رشتہ جو خود سے اس محبت کو بانٹ لینے والا چھین لینے والا لگے خود بخود دل اس کی طرف سے مڑ جاتا ہے، خار کھانے لگتا ہے اور اس میں اس کی خامی کا بھی کوئی دخل نہیں ہوتا کیوں کہ ایسے میں اس شخص کی ہر خوبی ہمیں خود بخود خامی جیسی ہی لگنے لگتی ہے اور بس اسی خار میں اس سے یہ حرکت ہوئی تھی لیکن......

شام والا مذاق جوابی مذاق تھا...... اس نے کشن اٹھا اٹھا کر اسے کھینچ کھینچ کر مارنے شروع کر دیے تھے اور وہ قہقہے لگا رہا تھا۔

''فروٹ ٹرائفل عینی افسوس اس میں تمہارا حصہ بھی کرنا پڑے گا، کاش یہ گولہ باری اصلی ہوتی ہائے کاش......''

''عارف...... عارف......'' غصے میں ہمیشہ اس سے لفظ غائب ہو جاتے یا وہ بولنے کی کوشش کرتی تو ٹوٹ پھوٹ کر شکل میں جو کچھ برآمد ہوتا اس پر سامنے والا ہی نہیں خود اس کی بھی ہنسی چھوٹ جاتی، کیونکہ وہ غصے کے حماقت سے پوری پوری طرح انصاف کرتی پائی جاتی تھی اس لیے بھی اسے غصہ تو نہیں تھا، بس انجوائے کیے جانے پر ہلکی سی شکایت تھی پیار بھری شکایت اور وہ مسکرا کر اس شکایت کا خیر مقدم کر رہا تھا۔

''تمہارے جتنے آنسو بہے خون خشک ہوا اس کا ہرجانہ واجب ہے کل چلنا میرے ساتھ گلف جتنی مرضی چاہے شاپنگ کرنا سائرہ بھی ہوگی۔''

''کیوں سائرہ کیوں ہوگی......؟'' وہ پھر سے بیٹھ گئی صدمے سے۔

''بھی وہ اپنی شادی کی شاپنگ کرے گی میں تو اس کے نصف بہتر اور اپنے دوست ارسلان ہمدانی کے ساتھ اس کی شاپنگ میں اس کی مدد کرنے والا ہوں۔''

''تم جانتے تھے وہ اسیس ہمدانی کی سسٹر ان لا ہے پھر بھی مجھ سے چھپایا۔'' اسے نئے سرے سے غصہ آنے لگا اور وہ نئے سرے سے سننے لگا۔

''اگر اسیس اور میں یہ سب کچھ تمہیں بتا دیتے تو تمہارے چہرے کا یہ جو نائنٹی ڈگری کا زاویہ اور ردِعمل ہے یہ کیسے دیکھ پاتا ویسے یار یہ جیلسی ختم کر لو، اب کیا میں تمہارے چکر میں شادی ہی نہیں کروں گا۔''

وہ ہمیشہ کی طرح اسے سمجھانے لگا اور وہ تپ گئی۔

''مجھے نہیں معلوم بس میں یہاں سے چلی جاؤں تم تب شادی کرو گے تاکہ تمہاری بیگم کے چونچلے نہ دیکھنے پڑیں، اف لڑکیاں شادی کے بعد کتنی نخریلی ہو جاتی ہیں ناں۔''

''ہاں سوچتا تو ہوں میں بھی لیکن پھر خیال آتا ہے جو لڑکیاں پہلے سے اتنی نخریلی ہوں کہ اپنی اور سامنے والے کی جان ایک کر دیں تو ان کے نصف بہتر کا کیا کچومر نکلتا ہوگا۔''

''بکومت مجھ میں کوئی نخرہ نہیں ہے بس موڈی ہوں تھوڑی سی۔''

''صرف موڈی نہیں تھوڑی سی ضدی اور خودسر بھی ہو۔'' وہ کچھ باتیں ماننے پر تیار تھی اور اس نے خامیوں کا پورا ٹوکرا سر پر لا رکھا تھا اس کا بلبلا جانا لازمی تھا۔

وہ پھر سے لڑنے کے لیے کمر باندھنے والی تھی جب ضیغم حنان اور ندیمہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

''پتا نہیں یہ لوگ موبائل رکھتے ہیں تو اسے آف کیوں کرتے ہیں پورا ایک گھنٹہ ہو گیا ہے مجھے نمبر ڈائل کرتے ہوئے سیٹلائٹ کا معاملہ ہوتا تب بھی ایک آدھ بیل تو جاتی ہی، گھر کا نمبر میں اس لیے ملانا نہیں چاہتا کہ اس کے گھر میں اس کے سوا سب ہی معقول اور نارمل انسان ہیں...... ارے عارف تم کب آئے؟'' وہ کونے میں بیٹھے عارف کو دیکھ کر چونکا اور شاید اندرونی طور پر پریشان بھی ہوا تھا کہ اس جملے کو کہاں کھپائے کہاں چھپائے۔

''تم اتنی خاموشی سے آئے ہو کہ ہمیں پتا ہی نہیں چلا۔''

''اگر پتا چلتا تو کیا تم نے توپوں کی سلامی دینی تھی۔'' وہ محفوظ ہو رہا تھا اور وہ پزل۔

''تم نے آج دن بھر دفتر کے علاوہ کیا کیا۔''

''کچھ بھی نہیں، عیش کیے دفتر گیا پاپا کو کچھ وقت دیا دفتر کو تھوڑا سا وقت دیا پھر اپنی ٹی کیفے پر گیا کچھ گپیں ماریں پھر آرٹیکل لے کر اپنے اخبار ''ہیڈ لائن'' کو دیا تھوڑا شغل کیا اور گھر واپس، میرے خیال میں، میں نے پورے دن کی تفصیل دے دی اب یہ بتاؤ تم اتنی دیر سے زہران کا نمبر کیوں ٹرائی کر رہے تھے۔''

ضیغم حنان کا دم رکنے لگا وہ جن باتوں میں جس بات کو غائب کر دینا چاہتا تھا وہ اسی سمت مڑ گیا تھا۔

''وہ ویسے ہی مجھے زہران سے کچھ ذاتی کام ہے اور تو کوئی بات نہیں تھی اچھا تم سناؤ آئسکریم کھاؤ گے۔''

''آئسکریم نہیں فروٹ ٹرائفل۔'' وہ ہلکی پھلکی ہو کر اٹھی تھی ندیمہ نے حیرت سے دیکھا تھا مگر اس نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔

''کیا یہ مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔'' اس نے سوچا اور عجیب سی ہل چل محسوس کرنے لگی، ساری دنیا میں ایک دوست کے نام پر عینا واسف ہی تو اس کی تھی بچپن میں جب بچوں کے پاس دوستوں کا اتنا جمگھٹا ہوتا ہے کہ انہیں ان کے نام تک یاد نہیں ہوتے سوائے اس کے یہ میرا دوست ہے تب بھی وہ ایک اکیلی عینا واسف سے کھیلی تھی وہی اس کی دوست تھی باربی ڈول تھی چھوٹی بہن تھی، عارف اور ضیغم کے درمیان پل تھی لڑائی جھگڑے کے دوران تینوں میں وہی تو خیر سگالی کے سلوگن بجایا کرتی تھی، جھوٹ اس صفائی سے بولتی تھی کہ سامنے بیٹھ کر آپ ایک سیکنڈ کے لیے خود اپنے اوپر مشکوک ہو جائیں اگر وہ آپ سے کچھ منسوب کر کے دوسروں کو سنائے آپ کو لگے گا کبھی بے دھیانی میں کہہ دیا ہوگا ایسا مگر برا ہو اس کی ہنسی کا ہمیشہ یہی مار دیتی تھی اس کی ہر شرارت کو اور وہ کھل کھلا کر کہتی تھی۔

''بن گئی ناں......'' وہ بھی ہنس پڑتی یہی دوستی ان کی زندگی تھی دل لگی تھی، لیکن اس لمحے لگتا تھا عینا واسف اچانک اس سے بہت دور چلی گئی ہے۔

''مجھے ضیغم کے معاملے میں عینا کا ہی ساتھ دینا چاہیے تھے۔'' دل نے کہا اور اس نے اسے منانے کے لیے اچھے سے لنچ کا مینو ترتیب دینا شروع کر دیا۔

''عینا کو منانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔'' اس نے یقین سے دیکھا وہ گلاس ٹیبل پر فروٹ ٹرائفل کا

باؤل رکھ رہی تھی۔

''کیا مطلب......'' عارف کی آنکھیں پھیلیں اور پھٹ گئیں حیرت اس کے خون میں بھی شامل تھی لیکن عینا واسف تو قدرتی طور پر سرپرائز نگ تھی۔

''مطلب یہ ہم چار ہیں یہ رہے چمچے شروع ہو جائیں باؤل میں، ویسے ہی خون جلا جلا کر آدھا کر دیا ہے، انرجی بھی تو حاصل کرنی ہے۔'' اس نے سب کو چمچے دیے اور ندیمہ نے خیر سگالی کی کوشش کی۔

''تھوڑی دیر پہلے تو موڈ کچھ اور تھا، اب لگتا ہے سب کسی طرح ٹھیک ہو گیا ہے۔'' اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا عینا واسف نے خاص توجہ نہ دی پر بے نیازی سے بولی۔

''سیدھی سی بات ہے تھوڑی دیر پہلے یہاں بہت کچھ ویسا نہیں رہا جیسا میں سمجھتی تھی، پھر میں اس کے لیے دل برداشتہ کیوں ہوتی رہوں۔''

''تم ناراض ہو گئی ہو گڑیا......؟''

''نہیں مجھے تو بہت خوشی ہے کہ ذرا سی بات پر برسوں کے یارانے گئے مگر اس کے عوض کچھ دوست ضرور پہچان لیے گئے۔''

''بکو مت! ندیمہ نے اس وقت وہی کیا جو ایک سچا محبت صادق کر سکتا تھا۔'' ضیغم نے اس کی حمایت کی اور وہ چڑ کر بولی۔

''ہاں ٹھیک کہتے ہو اس نے وہی کیا جو ایک محبت صادق کر سکتا تھا، لیکن مجھے صرف ایک اچھے دوست کی ضرورت تھی، ہے اور اس کے لیے شکر ہے میرے پاس ایک شیر جوان موجود ہے مجھے یہی کافی ہے میرے اکثر معاملات سدھر ہی جاتے ہیں حالانکہ میری کوششیں اکثر کام بگاڑنے ہی کی ہوتی ہیں۔''

''بہت زیادہ نہیں ہو گیا یہ نخرہ عینا بی بی۔'' عارف واسف کو بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو تیرتے صاف دکھائی دینے لگے تھے اور ندیمہ واسف سوفٹ موڈ خاموش طبیعت کی وجہ سے بہر حال کم چہیتی نہیں تھی۔

''عینی پھیلو نہیں، بہن کو ستانا اچھی بات ہے؟ جب کہ وہ اتنی اچھی بہن ہو۔'' اس نے اسپون سے ٹرائفل اسے کھلایا وہ نہ نہ کر رہی تھی مگر پروا کسے تھی۔

''تم اس بے وقوف کی باتوں کا اثر مت لیا کرو سنو کل ہم گلف جا رہے ہیں تم بھی چلنا خوب آؤٹنگ رہے گی۔ چلو گی نا؟'' ہولے سے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دلداری سے پروگرام میں شامل کیا اور ضیغم ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

''ہاں ہاں ٹھیک رہے گا موڈ فریش ہو جائے گا۔''

''لیکن یہ سب تو کل ہو گا آج موڈ کیسے فریش ہو گا۔'' عارف کو فکر لگ گئی تھی اس کے موڈ کی۔

''سنو تم دونوں جلد سے جلد شیک ہینڈ کر رہی ہو یا نہیں۔'' اس نے عام سے لہجے میں خاص لالچ دیا اور یہ خاص لالچ بڑا اور آئس کریم کے سوا کیا ہو سکتا تھا اور کھانے پینے کا موقع اسے خدا دیتا اس نے مڑ کر ندیمہ کو دیکھا۔

''دل تو نہیں چاہتا کہ تم سے دوبارہ دوستی کروں، لیکن پرانے تعلقات مجبور کر دیتے ہیں۔''

''بس رہنے دو پرانے تعلقات کی بچی مجھے لگتا ہے تمہارے دماغ کو اوور ہالنگ کی ضرورت ہے۔'' عارف واصف نے اس کے شگی کٹ بالوں کو کھینچا اور وہ ...رنے لگی۔

''عارف بھائی آپ بھی بس اسی ندیمہ کی سائیڈ لیتے رہیے چاہے یہ کچھ بھی کرے اب ذرا اس سے بھی پوچھ کر بتائیے یہ کل سے کس بات پر موڈ آف کیے ہوئے ہے۔''

''کیا مطلب یہ حادثہ کب ہوا مجھے تو خبر بھی نہیں ہوئی۔'' وہ سیدھا ہو کر ندیمہ کی طرف مڑا۔ اور وہ عینا واسف کو گھورنے لگی، مگر بات پھیل چکی تھی اور عارف واسف تشفی کیے بغیر کبھی نہیں مانتا تھا۔

''بتاؤ کیا ہوا ہے میں بہت زیادہ مصروف رہتا ہوں اس کا مطلب یہ تو نہیں مجھ سے اپنی پرابلم چھپاؤ گی تم لوگ......'' اس کا ہمیشہ کا دوستانہ لہجہ تھا اور ندیمہ شرمندہ نظر آنے لگی، یہ شخص بھائی کم دوست زیادہ تھا کسی بھی معاملے میں کبھی انہیں خود سے سوچنا نہیں پڑتا تھا ہر معاملے کو ہینڈل کرنا ہے، مسئلے کا حل نکالنا عارف واصف کا ہی کام تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک ہر ہر قدم پر انہیں مضبوط سہارے کی طرح یاد رہتا تھا مگر یہ معاملے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا جس پر اس نے اپنے دل کو پریشان کر رکھا تھا۔ موڈ آف کیا تھا نا صرف اپنا بلکہ سن کر ضیغم کا بھی موڈ آف کر گیا تھ اور اب یہ عارف واسف۔

''کوئی بھی بات نہیں تھی بھائی، بس ایسے ہی دماغ کا خلل تھا۔''

''یہ میں بہت پہلے سے جانتی ہوں تمہارا دماغ واقعی کسی قابل نہیں رہا، لیکن نئی تازی بتاؤ۔''

''عینا کی بچی بہن کو مت ستاؤ مجھے پہلے معاملے کی تہہ تک پہنچنے دو۔''

''معاملے کی تہہ سے کچھ بھی برآمد نہیں ہو گا بڑے بھائی کیونکہ یہ آپ کا کالم نہیں، محترمہ کا پرابلم ہے۔''

''بتا بھی چکو سست لڑکی آخر کیا معاملہ تھا جس کے لیے تم نے ضیغم تک کو ستایا۔'' اس نے اس کے کمنٹ پر گھور کے اسے دیکھا اور پھر سے توجہ اس کی طرف کی اور وہ ہکلانے لگی۔

''وہ کل آنٹی آئی تھیں وہ کہہ رہی تھیں مجھے اپنی تعلیم کو اب خیر باد کہہ دینا چاہئے، اور جاب کے متعلق تو بالکل نہیں سوچنا چاہئے۔''

''کیا بات ہوئی یہ تائی جان کو اچانک کیا ہو گیا، اس ماحول میں رہ کر بھی وہ تعلیم کے اتنے خلاف......'' اس نے فوراً ضیغم کو گھورا اور وہ ہنسنے لگا۔

''بس بس اس طرح جان نکالنے والے انداز میں مت گھورو یہ سب شہنا آپا کا کیا دھرا ہے، انہیں لگتا ہے زیادہ پڑھی لکھی لڑکیاں گھر اچھا نہیں چلا سکتیں، میں ٹھہرا ان کا اکلوتا بھائی اس لیے انہیں اپنی آئندہ نسل کا مستقبل خطرے میں دکھائی دیا تو انہوں نے فوراً اماں سے رابطہ کیا۔ بڑی بیٹی ہیں اماں بہت کم ان کا دل توڑتی ہیں مگر تم مجھے بہتر طور پر جانتے ہو، میں اپنی بات کو بہت اچھے انداز میں منوانے کی صلاحیت رکھتا ہوں، میں ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھنے کا عادی ہوں، رہی ندیمہ تو مجھے اس کی صلاحیتوں پر کبھی کوئی شک نہیں ہے۔

انسان کو موم کرنے کا ہنر آتا ہے، اسے پتا ہے کس وقت کس کو کس معاملے میں کہاں اور کیسی دلیل دینی ہے، یہ جانتی ہے اگر کبھی اپنی ذات منوانے کے لیے کسی میدان سے قدم موڑ لیے جائیں سازگار حالات کی تمنا میں سامنے والے کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے وہ یہ جنگ ہار گیا ہے، جنگ ہارنا

میری نظر میں ارادے کے مرجانے کا دوسرا نام ہے، ارادہ زندہ ہے تو جنگ کسی بھی لمحے دوبارہ سے شروع کی جاسکتی ہے۔ سو تعلیم کے معاملے میں اسے کمپرومائز کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئے گی، ہاں لیکن ہوسکتا ہے جاب کے لیے ۔ مجھے اس کے لیے کافی الگ قسم کا ماحول بنانا پڑے گا، لیکن مرضی اسی کی ہوگی، دیر سے ہی سہی میں وعدہ کرتا ہوں اس کی پسند و ناپسند کے سوا کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔"

"یہ ہوئی نا مردوں والی بات، تم جیسے شیر جوان دو چار اور ہو جائیں ناں تو ہمارے خاندان کی تاریخ بدل سکتی ہے۔" اس نے بھرپور جوش سے اسے سینے سے لگالیا۔ ندیم نے دیکھا بھائی کا موڈ خراب نہیں ہوا تو تسلی بھرا سانس لیا اور عینا واسف بڑبڑائی۔

"ان کے جینے کی دعا مت کیا کریں انہوں نے تو بزرگ پارٹی کو ہلا کر رکھا ہوا ہے تاریخ بناتے بناتے انہیں ڈر ہے یہ خود تاریخ کا حصہ نہ بن جائیں۔"

"بکومت، بھائی کے لیے ایسا کلام......" ضیغم نے چپت لگائی اور وہ ہنسنے لگی۔

"آپ دونوں تو مجھے لگتا ہے ابھی سے میرے ہاتھوں سے گئے ایک ندیمہ کے کھاتے میں اور ایک پتا نہیں کس اللہ کی بندی کے لیے مختص ہوا۔"

"ہاں تو مما جتنے پروگرام بتا چکی ہیں تم بھی ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر کیوں نہیں لیتیں۔"

"واہ شوہر نامدار اور پروگرام، حضرت ہر وقت ون مین شو ہی کرتے رہیں گے اور مجھے تالیاں بجانے کی فرصت بھی نہیں ملے گی سنتے ہیں شوہر شادی کے بعد بے حد غصیلے ہو جاتے ہیں۔"

"فی زمانہ اعداد و شمار تو یہی بتاتے ہیں لیکن یہ تو بیویوں کا کام ہے وہ اپنے نصف بہتر کو کیسے ہینڈل کرتی ہیں اور چنگیز خان کو کیسے خوش و خرم بناتی ہیں......" عارف نے لطف لیا اور وہ ...رنے لگی۔

"مجھے معلوم ہے میں اس امتحان میں ضرور بالضرور فیل ہو جاؤں گی، ویسے ندیمہ کا کیا رزلٹ رہے گا۔" اسے تجسس ہوا اس کی بابت اور عارف واسف اسے تولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر کچھ ساعت بعد بولا۔

"تمہاری صلاحیت میں ڈاؤٹ ہوسکتا ہے، لیکن یہ ہمیشہ ہی ہر کام اتنے اچھے انداز میں کرتی ہے۔ مجھے بھی اس پر دو رائے نہیں رکھنی پڑتی۔"

"عارف بھائی آپ بھی ناں بس اسی ندیمہ کی سائیڈ لیتے رہنا چاہے یہ کچھ بھی کرے۔"

"چاہے کچھ بھی نہیں یہ ہمیشہ اچھا ہی کرتی ہے اس لیے اس پر کچھ مجھے ڈاؤٹ نہیں ہوا۔"

"یعنی میں سر سے پیر تک مشتبہ ہوں، میں ہمیشہ برا کرتی ہوں۔" وہ تپ گئی اور وہ چڑ گیا ایک تو مانی ہوئی تھی، لیکن دوسری ہر ہر موقع پر فوراً ہاتھوں سے پھسل جاتی تھی، حد درجہ نک چڑھی اور خود پسند تھی، اپنی ذات پر ہلکی سی دوستانہ تنقید برداشت کرنا اس کے لیے ناممکنات میں سے تھا۔ منہ پھلایا جاسکتا تھا اور عارف اسے گھورے جا رہا تھا۔

"مما پپا اور دادو کہاں ہیں۔" اسے اگنور کر کے اس نے ندیمہ سے پوچھا۔

"مسز اکرم کے بیٹے کی پروموشن پر پارٹی ہے دادو کا چہیتا ہے اس لیے دادو کو لازمی جانا پڑا، پھر تم تو جانتے ہو اکرم انکل کے گھر میں جا کر تو آنا بہت کم لوگوں کو یاد رہتا ہے اتنا ہلا گلا رہتا ہے بس۔"

"تم کیوں نہیں گئی تھیں وہاں۔" اس نے چڑ کر سوال داغا اور ضیغم نے ہاتھ پکڑ کر قریب کرلیا۔

"میں نے کہا تھا خوب ہلا گلا ہم گھر میں کریں گے، لیکن زہران کا معاملہ لے کر وہ بدمزگی ہوئی کہ سب کچھ دھرا رہ گیا۔" عارف واسف کے ہونٹوں کو مسکراہٹ نے پھر سے چھوا اور وہ دونوں بہنوں کو ساتھ لے کر ٹیرس کی سمت بڑھا۔

"تم دونوں یہاں بیٹھ کر بساط بچھاؤ میں اور ضیغم تمہارے لیے چائے ساتھ میں گرما گرم سینڈوچز بنا کر لاتے ہیں اور سنو موڈ ہمیں اچھا ہی ملنا چاہیے، اچھے دوستوں کو کبھی بھی روٹھنا نہیں چاہیے سمجھیں۔" وہ دونوں سیڑھیاں اتر گئے پھر بیس منٹ بعد گئے تو بادل چھٹ گئے تھے۔ موسم خوشگوار تھا، بازی چلی تو صبح فجر کی اذان پر ہی وہ اٹھے، تینوں نے نماز کو تھکن میں رکھ کر پھر پڑھیں گے کا عندیہ دیا تھا، مگر ندیمہ نماز پڑھ کر ہی لیٹی تھی۔

☆......☆......☆

"تمہارے آنے کا کوئی وقت مقرر ہے۔" وہ ابھی پورچ میں کودا ہی تھا کہ ایک تیز مردانہ آواز پر گھبرا گیا۔

"میرے آنے کا وقت مقرر نہیں، لیکن تمہیں ضرور اللہ نے کسی جرم کی سزا کے طور پر میرے لیے رکھ چھوڑا ہے، اب چار بجے بھی تمہیں نیند نہیں آتی، میرا کیا قصور ہے۔"

"تمہارا قصور یہ ہے کہ تمہارا تعلق الوؤں کے گھرانے سے لگتا ہے ورنہ ہر معقول انسان نو سے بارہ کے درمیان گھر آ ہی جاتا ہے۔" سامنے والا یوں جرح کر رہا تھا جیسے یہ اس کی روز کی ڈیوٹی تھی اور وہ مطمئن انداز میں کپڑے جھاڑ کر گیٹ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا ایسا لگتا یہ نصیحتیں بھی اس کے لیے روز صبح اور شام جیسی تھیں، جن کا ہونا ضروری تھا ماننا ضروری نہیں تھا، بقول اس کے اللہ نے دو کان اسی لیے تو دیے ہیں کہ ایک سے سن کر دوسرے کان سے نصیحت باہر نکال دی جائے، سو وہ مگن اور مطمئن تھا۔

"میں نے کیا کہا ہے کہ ہر معقول آدمی نو سے بارہ بجے تک گھر آ ہی جاتا ہے۔" بے نیازی دیکھ کر دوبارہ سے سلسلہ کلام جوڑا اور گھور کے بولا۔

"تمہارا جواب تمہارے جملے میں ہے، یعنی معقول آدمی ہے، ناں اور تم جانتے ہو خاندان بھر میں، میں سب سے زیادہ نامعقول آدمی ہوں، سو ہر طرح کی نامعقولیت کی مجھ سے توقع کی جاسکتی ہے۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا، آگے بڑھ گیا تھا اور وہ اس کی پشت کو گھورتا رہ گیا تھا، لیکن اس گھورنے میں غصے سے زیادہ حسرت تھی یہ شخص اس پورے گھر میں اس کے دل کے سب سے زیادہ قریب تھا، لیکن وہ خود اپنے آپ سے ناراض شخص تھا اور جو لوگ اپنے آپ سے ناراض ہو جائیں، پھر ساری دنیا سے روٹھے پھرتے ہیں اور وہ بھی ہر ایک سے ہاتھ چھڑائے پھرتا تھا، ہر خبر چاہے وہ اچھی ہوتی یا بری تکلیف دہ ہوتی یا خوشی دیتی وہ ہر خبر پر "سو واٹ" کا اشتہار بن جاتا۔

"تم مت سدھرنا آخر کیا ضرورت ہے ایسے شخص کے لیے رات رات بھر جاگ کر انتظار کرنے کی، اس نے تم سے پلٹ کر بھی یہ پوچھا کہ تم نے کتنے چکر گارڈن کے لیے تم نے کتنی بار کلائی کی گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ وقت کو اپنے اندر گزرتے دیکھا، کتنی بار ہراساں ہوئے، کتنی بار اس کے آف موبائل کو بار

بار رنگ کیا تم سے اس نے پوچھا، نہیں ناں، لیکن تمہیں نانو کے وِنڈر دی گریٹ بننے کا بڑا شوق ہے۔ ہے ناں۔"

وہ خاموش کھڑا ستون کے پیچھے دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن رہا تھا۔

عثمان رشاد اس کا بھائی ضرور تھا لیکن آج تک اس نے کبھی بڑے بھائیوں والی محبت سے اسے نہیں دیکھا تھا، اسے لگتا تھا محبت بلف کے سوا کچھ نہیں ہے اور بے نام رشتے اس دھوکے کے کھلے ہوئے زاویے اور لاحقے ہیں، اس لیے وہ بہت کم مڑ کر دیکھتا تھا مگر یہ عثمان رشاد سے پتا نہیں کیا سودا تھا۔

وہ پھر سے مڑ چکا تھا، اپنے کمرے کی سمت پھر زینے طے کر کے اپنے کمرے کا لاک کھول رہا تھا، جب نانو نے اسے پکارا، اسے پکارے صدیوں گزر گئی تھیں اور خود اسے کسی کی طرف دیکھے ہزار برس۔

"جی نانو آ گیا ہوں تبھی اپنے کمرے کا دروازہ کھول رہا ہوں۔" خواہ مخواہ ہی زبان تلخی کا ذائقہ بن گئی تھی، اور جھوٹی سچی محبتوں کے درمیان گھرے ہونے کے باوجود اس ذائقے کا مزا ہی گہرے سے گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔

"تم آخر کب سمجھو گے کہ وقت کو تم کتنا ضائع کر رہے ہو۔" نانو کمزور آواز میں احتجاج کرتیں، اس کے بجائے شوز کی ٹو سے دروازہ کھولا کوٹ اتار کر بیڈ پر اچھالا پھر الماری کھول کر کھڑا ہو گیا۔

"میرا اسلیپنگ سوٹ کہاں ہے اور میرے کپڑے جورات کو میں نے اتارے تھے۔"

"عثمان لانڈری دے آیا تھا...... تم بات کو پلٹو مت۔" نانو جرح کر رہی تھیں، وہ مڑا اور اس کے خال وخد کی ایک ایک لکیر ان کی جرح کے سامنے خود احتجاج تھی۔

"آپ ایک ہی سوال کر کر کے تھک نہیں جاتیں نانو۔"

"تم ایک ہی انداز میں غلطی کر کر کے کبھی تھکے ہو زہران جو میں تم سے جواب طلب کر کر کے تھکوں تم میری ذمہ داری ہو میرے بچے۔"

"مجھے کسی کی بھی ذمہ داری بننے کا شوق ہے نہ ذمہ داری اٹھانے کا شوق، رہا وقت ضائع کرنے والا سوال تو نانو اس وقت نے میرا بہت کچھ ضائع کر دیا ہے خواب، گھر، ماں، محبت باپ سب کچھ، پھر میں اس کی پروا کیوں کروں، مجھے نہیں ہے پروا کسی کی۔" اس نے اب ٹائی کھول کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اچھالی تھی ٹائی پن انگلی میں جبھی تو سی کر کے رہ گیا۔

"ہر چیز جو آپ کی ہے آپ کے قریب ہے آپ کو زخم دینے سے نہیں چوکتی......" ٹائی پن بھی اس نے اسی انداز میں اچھالی تھی اور نانو اسے خاموشی سے دیکھے جا رہی تھیں۔

"تم صحیح کہہ رہے ہو جو چیز آپ کے دل کے جتنے قریب ہے وہ آپ کو اتنا ہی زیادہ تکلیف دیتی ہے، زخم لگاتی ہے۔" اب کی بار نانو نہیں رکی تھیں اور وہ چونک کر سکتے کی کیفیت میں ان کا جملہ سوچ رہا تھا۔

"کیا نانو ناراض ہو گئی ہیں۔" پتا نہیں کیوں وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا لیکن سوچنے پر مجبور تھا بہت سی باتیں انسان اور چیزیں ہوتی ہیں ناں جو آپ کے ارد گرد ہوتی ہیں، رہتی ہیں آپ کی زندگی کو سنوارتی ہیں مجمع رکھتی ہیں، رہتی ہیں آپ کی زندگی کو سنوارتی ہیں مجتمع رکھتی ہیں، لیکن آپ ان پر توجہ نہیں دیتے آپ

کے لیے کمرے کی سیٹنگ بدل لینے جیسے حیثیت ہوتی ہے ان کی، آپ نے صوفہ دائیں سے بائیں کر لیا ٹیبل لیمپ اس تپائی سے اٹھا کر ادھر رکھ دیا اور کوئی گلدان میچ نہیں ہوا تو اسے نکال کر باہر کیا، لیکن کبھی سوچیں تو لگے وہ عام سا گلدان ہی تو اس کمرے میں زندگی تھا، دھڑکن تھا، کچھ لوگ دل جیسے ہوتے ہیں، کچھ آنکھ جیسے، دل جیسے لوگ خاموشی سے دھڑکن میں دھڑکتے رہتے ہیں، آپ سمجھتے ہیں یہ آپ کی دھڑکن ہیں، صرف آپ کی دھڑکن جس سے آپ جی رہے ہیں اور جو لوگ آنکھ جیسے ہوتے ہیں وہ نظارے کی طرح رہتے ہیں ہر چہرے سے درشن دیتے ہیں ہر چہرے میں دکھائی دیتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں بس یہی آپ کا محور و مرکز ہیں، مگر جب آنکھ سراب ہو کر تھک پر پلٹتی ہے تو دل میں کچھ انہونا سا سنائی دیتا ہے، دھڑکن میں کوئی الگ سا نام گونجتا ہے لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے وہ نام مر جایا کرتا ہے یا اسے اپنا کہنے کا حق کھو جایا کرتا ہے مگر زہران رشاد اسے ان باتوں سے کیا لینا دیتا تھا اس نے نئے سرے سے سوچتے دماغ کی طرف سوال اچھالا اور بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے بہت نیند آ رہی ہے مجھے اب سو جانا چاہئے... نانو کیا ناراض ہیں مجھ سے۔" وہ نیند کے علاوہ کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا، ساری رات کلب میں اس نے مختلف لڑکیوں کے ساتھ رقص کیا تھا، جی بھر کے ڈرنک کی تھی سگریٹ کر مرغولے بنائے تھے خوب قہقہے لگائے تھے۔ سو اب لال انگارہ آنکھیں اگر نیند کی ضد کر رہی تھیں تو یہ ان کا حق تھا، مگر دماغ کی کسی چھوٹی سی نس میں نانو اٹک رہی تھیں۔

"میں نے آج تک کسی کو نہیں منایا......" اس نے آخر جوتوں سمیت بستر پر دراز ہونے کا فیصلہ کیا پھر دوپہر دو بجے آنکھ کھلی تھی تو صوفے پر نیا سوٹ، جوتے پالش ہوئے رکھے تھے، اس نے چادر ہٹائی، جمائی لی، پیر سکوڑے تو بہت آرام محسوس کیا پیر کے جوتے سامنے ہی تو پڑے تھے کسی نے سوتے میں مہربانی دکھائی تھی۔

اس گھر میں اس پر کون کون مہربان ہے، اس نے کبھی ضرورت ہی نہیں محسوس کی تھی کہ لسٹ بناتا پھرتا اسے اس سے غرض ہی نہیں تھی کہ اگر گھر کے لوگ یا باہر کے لوگ اس کے متعلق کیا سوچتے تھے کن لفظوں کن ناموں سے یاد کرتے تھے کیوں کہ عموماً وہ ہر ایک کے آنے کے بعد آیا کرتے تھے کیوں کہ عموماً وہ ہر ایک کے آنے کے بعد آیا کرتا تھا اور ان کے جانے سے پہلے نکل جایا کرتا تھا، رہی خواتین تو کبھی اس نے اس سلسلے میں کسی کو گھاس نہیں ڈالی تھی وہ کوئی بھی ممانی ہوتیں یا کزنز ہوتیں سب کے لیے وہ ایک شجر ممنوعہ تھا، ہارڈ اسٹون تھا جس سے کوئی بھی سر پھوڑنے کے حق میں نہیں تھا وہ خود اتنا سرد مہر بنا ہوا تھا کہ وہ خود بھی اجازت نہیں دیتا تھا کہ کوئی اس سے اس کی تکلیف یا پریشانی کے متعلق پوچھتا کم عمری کی بات اور تھی تب وہ نانو کے آنچل کا پلو بنا ہوا تھا۔ ہر شخص کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر وہ ان کی پشت کے پیچھے چھپ جانے ہی میں عافیت محسوس کرتا، لیکن بارہ سال کے بعد اس نے جو جون بدلی تو پھر کسی کے ہاتھ نہیں آ سکا کہ کوئی اس کی شخصیت کی گرومنگ کر سکتا، سدھار سکتا۔

"یہاں بہت سی چیزیں بگڑی ہوئی ہیں ان میں ایک میں بھی سہی جہاں آپ کی توجہ سے وہ محروم ہیں میں چاہتا ہوں میں آپ کو اس ذمہ داری سے بھی آزاد رکھوں......" اتنا خالص بے دخلی کا نوٹس تھا کہ تینوں ماموؤں میں سے تو پھر کسی کی ہمت نہیں پڑی تھی کچھ کہنے کی مامیوں کی الگ جان سلگتی تھی اس سے،

دونوں خالاؤں ان کے بچوں اور شوہروں نے الگ اس کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ ماموں زاد کزنز میں سے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے وہ ہاٹ ٹاپک تو تھا، لیکن صرف زبان کے چٹخارہ اور توبہ توبہ کرنے کی حد تک، اس لیے اس نے ان میں سے کبھی کسی کی طرف خیر سگالی کا پیغام نہیں بھیجا تھا رہے عثمان اور نانو تو خون کے رشتوں میں اتنی مجبوری بے بسی تو چلتی ہے، یہ صرف اس کی ذاتی رائے تھی کہ اگر وہ اس کے لیے کچھ کرتے ہیں تو محبت کے سوا ہر جذبہ کارفرما ہو سکتا ہے۔ محبت خود محبت کے اندر نہیں تو کسی کے دل میں کیا ہو سکتی تھی، یہ جن رشتوں میں خالص ہو سکتی تھی وہاں نہیں ملی تو پھر کہاں مل سکتی تھی۔ اس کی ماما ایک بہت مشہور و معروف فلمی ایکٹریس تھیں اور پاپا نے دنیا کا کون سا کام تھا ایسا جو نہ کیا ہوگا، جس پر اسے شرمندگی ہو سکتی تھی۔

اس کی ماں نے اس گھر کے مکینوں سے لڑ جھگڑ کر شادی کی تھی، صرف اٹھارہ سال کی عمر میں وہ اس کی ماں بن چکی تھیں، محبت دو سال چلی تھی تیسرے سال صرف سمجھوتہ اور مجبوری رہ گئی تھی، وہ کبھی ماں کی گود میں ہوتا کبھی زمین پر کوڑے کرکٹ کی طرح پڑا ہوتا کبھی بھوک سے بلکتا کبھی پڑوسی کی خیرات کے دودھ پر پلتا کبھی اس کے ماں باپ گھر سے نکالے جاتے کرایہ نہ دینے پر کبھی کسی محلے سے وہ خود چھپ چھپاتے بھاگ جایا کرتے، یہاں تک کہ وہ بھاگتے بھاگتے تھک گئے لوگوں میں ان کی پہچان ہی چالباز اور کرپٹ ہو گئی، اب کوئی انہیں قرض بھی نہیں دیتا تھا، تب وہ واپس ماں کے گھر آ گئیں باپ نے دھکے دیے مگر ماں نے بڑھ کر تھام لیا۔ بھائیوں نے خار کھاتی آنکھوں سے گھورا مگر ماں کی وجہ سے خاموش رہے یوں وہ اس کے ماں باپ اور چھوٹا ایک ماہ کا بھائی عثمان اپنے ہی گھر کی انیکسی میں رہنے لگے ماں نے خاموشی سے گھر کے کام سنبھال کر اپنے کھانے پینے پہننے اوڑھنے کو جائز کرنے کی کوشش کی اور اس کے باپ نے صرف پینے کو جائز قرار دیا وہ روزانہ پیسے مانگتے اور اس رو رو کر پیسے نہ ہونے کا اعلان کرتی تب اس کے پاپا اس کی ماں کے لیے کام ڈھونڈنے کی کوشش کرتے نانو چیختیں۔

"مرد تم ہو تمہیں کام کرنا چاہیے یہ عورت ہو کر باہر نکلے گی کیا اچھی لگے گی......" پاپا نشے میں دھت، دیکھے بوجھے بغیر کہ احتجاج کہاں سے ہو خباثت سے ہنس کر کہتے۔

"اچھی لگتی ہے تبھی تو کہتا ہوں باہر نکلے مجھ سے زیادہ اس کو سراہنے والے ملیں گے اچھی تنخواہ رہائش سب کچھ خوب صورت بیوی ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔"

ماما منہ کھولے نانو کے سامنے آنچل سر سے اتر کر قدموں میں آ جانے پر ساکت رہتیں اور وہ چھ برس کا ہو کر ساٹھ برس کے انداز میں اپنی ماں اور باپ کا تعلق کھوجتا رہتا، ان میں محبت تھی یا صرف ایک دوسرے کی ذات سے منفعت حاصل کرنے کی تمنا، ماما ان کی باتیں سنتی رہتیں روتی رہتیں اور وہ سوچتا کبھی اس کی ماں ہنسے گی بھی یا نہیں، کبھی اسے یا عثمان کو گلے سے لگا کر پیار بھی کرے گی یا نہیں۔ یہاں تک ایک دن ایک اس کی چیخ و پکار پر آنکھ کھلی تو اسنے اپنے ماں باپ کو دست و گریبان پایا۔

"تمہارے باپ کے پاس اتنی دولت ہے لیکن وہ کس قدر کنجوس ہے، ہمیں یہاں انیکسی میں رلا رکھا ہے۔ یہاں صرف دو کمرے اور یہ ایک پنکھا ہے کس قدر گرمی ہے آج کل مگر انہیں کوئی پروا نہیں ہے تمہاری نہ تمہارے بچوں کی، میں سمجھتا تھا امیر لڑکی سے شادی کر کے انسان آرام سے رہتا ہے، کھانا کپڑا عیش عشرت مگر تمہارے گھر کا تو نظام ہی بگڑا ہوا ہے، یہاں داماد کی کوئی عزت ہی نہیں ہے۔"

"داماد کی عزت ہے تمہارے جیسے داماد کی عزت نہیں ہے......" مما نے پہلی بار زبان کھولی اور اس کے باپ نے ماں کو مارنا شروع کر دیا، جب تھک چکے تو پکارے۔

"تمہیں اب نوکری کرنی ہے، میں نے سب باتیں طے کر لی ہیں، ہمارے دن اب صرف تم ہی پھیر سکتی ہو، میں اتنی غربت کا عادی نہیں ہوں کل مجھے جواب چاہیے سمجھیں۔"

وہ باہر جا چکے تھے، تب اس نے روتی ماں کو دلاسا دیتے ہوئے دوسری صبح معصومیت سے کہا تھا۔

"نوکری کرنا کوئی بری بات تو نہیں مما، خالہ امی بڑی اور منجھلی مامی بھی تو نوکری کرتی ہیں، پھر آپ کیوں لڑتی ہیں پاپا سے لڑنا جھگڑنا تو بہت بری بات ہے ناں۔"

مما نے گھور کے اسے دیکھا اور دھکا دے کر خود سے دور کر دیا۔

"باپ کا خون کہیں جائے گا تھوڑی، باپ میں وفا نہیں ہے اولاد میں کیا وفا ہو گی، باپ نشے کے لیے مجھے کہیں بھی داؤ پر لگا سکتا ہے تو تو بھی تو اس کا بیٹا ہے مجھے تجھ سے کیا خیر کی امید، ہائے اماں سچ کہتی تھیں آپ گلی محلے راہ چلتی کی جانے والی محبتیں، محبتیں کہاں ہوتی ہیں یہ تو بس نفس ہوتا ہے دھوکہ ہوتا ہے ٹھوکر ہوتی ہے پر جب محبت نامے لکھے جاتے ہیں تو لفظ بڑے پیارے ہو کر ملتے ہیں سچ کی طرح لگتے ہیں، مگر ایسی محبتیں ایسے جھوٹ جنم دیتی ہیں۔ ایسے جھوٹ......" ماں نے اس کے اور عثمان کی طرف اشارہ کیا تب پہلی بار اسے اپنے ہونے پر رشک ہوا اپنے ہونے پر دکھ ہوا مگر ماں کو کرنا وہی پڑا تھا جو اس کے باپ نے کہا ماں فلمی دنیا میں قدم رکھ رہی تھی گھر میں بھونچال آ گیا تھا نانو نانا سب نے مل کر ماما کو خوب سنائی تھیں، مگر وہ بے بس تھیں۔

"میں مجبور ہوں مجھے یہی سب کچھ کرنا ہے مجھے اپنا گزارا بھی تو کرنا ہے ماں۔" ماما نے دو فلموں کے بعد ہی فلمی اور غیر فلمی سرگرمیوں سے ایک عمدہ فلیٹ لے لیا تھا وہ وہاں منتقل ہو گئے تھے، مگر اب ماما کے رنگ ڈھنگ بدل گئے تھے۔ اب وہ رقم پاپا کے منہ پر مارنے لگی تھیں، ان پر ہاتھ اٹھانے لگی تھیں اور پاپا بس ہنسے جاتے تھے، نشے میں دھت ایک ہی بات کہتے۔

"خوب صورت بیوی بھی بڑی نعمت ہوتی ہے۔" تب ماما کے نام کے ساتھ کوئی اور نام جڑنے لگا وہ ان کا فلمی ہیرو تھا اس وقت وہ دس سال کا تھا ماما نے پاپا سے طلاق لینے کی بات کی تھی پاپا اتنی بڑی نعمت کیسے ٹھکرا سکتے تھے۔ وہ انکاری تھے تب ماما نے انہیں بڑی رقم کا لالچ دے کر یہ کام کروالیا پھر وہ باپ کی شکل کو بھی ترس گیا اور ماں کی شکل کو بھی اور ایک دن نانو اس کے فلیٹ کے اندر کھڑی تھیں۔

"سارے گھر سے جھگڑا مول لے کر آئی ہوں میں نے کہا بن ماں باپ کے بچے کہاں رلیں گے گھر لے آؤں گی تو ان کا مستقبل سنور جائے گا آخر وہ کہلائیں گے تو ہماری اولاد ناں، باپ رہا نہیں اور ماں کو کوئی اچھے برے کی تمیز نہیں رہی، مجھے تو شرم آتی ہے کہ اسے میں نے جنم دیا نہ تعلیم کا اثر رہا نہ تربیت کا نہ خون کا نا ہی دودھ کا، پتا نہیں کس پر چلی گئی ہے یہ بھلی لوکے۔"

وہ نانو کو دیکھتا رہا، پہلی بار اس کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔

"اس کے پاپا مر گئے۔ مرنے والے دوبارہ نہیں ملتے، نہ ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں۔" کبھی ٹیچر نے سمجھایا تھا اور اس وقت وہ ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں عثمان کے ساتھ بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کیا اس کے دل میں

یہ دکھ ہے کہ اس کا باپ مر چکا ہے اور اب وہ نہ اس سے مل سکتا ہے نہ اسے دیکھ سکتا ہے...... نانو نے بازوؤں کے گھیرے میں انہیں گھر میں دوبارہ داخلہ کا پاس جاری کیا تھا اور وہ جب عثمان کے ساتھ لیٹا تو اس نے پاپا کے مرنے کی اطلاع دینے کی بجائے کہا تھا۔

''ہماری ماں مرگئی ہے اب ہم نہ انہیں دیکھ سکتے ہیں نہ ان سے کبھی مل سکتے ہیں، اب صرف یہی گھر ہمارا گھر ہے۔'' عثمان نے روئی آنکھوں سے دیکھ کر ماں کی موت پر رنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''اور کیا ہمارے پاپا بھی مرگئے ہیں زہران بھائی۔'' اس نے تکیہ اس کے سر کے نیچے رکھ کر پتا نہیں اس سے پوچھا تھا یا خود سے اور کمرے میں لہجہ گونجا تھا۔

''کیا ہمارے پاپا زندہ تھے عثمان۔'' کتنی حسرت کتنے دکھ تھے جو اس جملے میں آ گئے تھے۔ پھر یہ سب کچھ ایک لمحہ بن کر اس کے دل کی زمین پر ایسا سیم وتھور بن گیا تھا کہ سبزہ اگنا محال ہو گیا تھا، زمین بنجر ہو جائے تو پھر موسموں کی دلداری، خدا کی مہربانی سب ضائع چلی جاتی ہے۔

''آپ ابھی تک اٹھے نہیں اور میں سمجھا آپ شاور لے رہے ہوں گے۔'' سامنے ٹرے لیے عثمان کھڑا تھا، سب کہتے تھے اس کی شکل پاپا پر گئی تھی اور اسے اپنا ہر دکھ اس کی شکل میں یاد آ کر رہ جاتا وہ جتنا خوب صورت وجیہہ لگتا تھا کوئی بھی اس پر مرمٹ سکتا تھا، اس کی ماماں نے اس شکل پر سترہ سال کی عمر میں دل ہارا تھا تو وہ انہیں اس پر رحم کا مارجن دے دیا کرتا تھا، لیکن یہ شخص......

''میں نے تم سے کتنی مرتبہ...... کہا ہے مجھ پر مہربانیاں مت کیا کرو۔''

''اگر میں کہوں مجھے ہر ایک پر مہربانی کرنے کی عادت ہے تو۔'' اس نے گھور کے اسے گلاس ٹیبل پر ناشتا لگاتے دیکھا۔

''آج تم کالج نہیں گئے۔''

''نہیں مجھے لگا وہاں سے زیادہ آج میری گھر میں ضرورت ہے۔'' وہ اب بریڈ پیس پر مکھن لگانے لگا تھا۔

''کیا تم سمجھتے ہو میں کوئی چھوٹا بچہ ہوں، جس کی کیئر کرنا تم پر واجب ہے تم بھول رہے ہو میں تمہارا بڑا بھائی ہوا کرتا ہوں۔''

''ایکسلنٹ میں یہی کہنا چاہتا ہوں یہ مجھے یقین دلایئے کہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔'' وہ چائے کا کپ اور بریڈ پیس کی پلیٹ اس کی طرف بڑھا کر رسان سے بولا اور اسے خوامخواہ پتنگے لگ گئے۔

''عثمان پلیز مجھے صبح ہی صبح لیکچر دینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''میں خود ایک وکالت کا طالب علم ہوں لیکچر دینا واقعی افورڈ نہیں کر سکتا، بس جو بہتر سمجھتا ہوں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اسے سمجھ لینے کی کوشش کریں کہ اچھا کیا ہے۔''

اس نے منہ موڑ لیا تھا یہ قطعی ناراضگی کا اظہار تھا مگر اسے بھی اس کی جیسے عادت پڑ گئی تھی۔

''ناراضگی انسانوں سے بجا ہے کھانے پینے سے نخرہ کرنے والے مجھے قطعاً اچھے نہیں لگتے۔'' اس نے زبردستی اس کے منہ میں بریڈ اور آملیٹ کا ٹکڑا ڈالا اور وہ چڑ گیا۔

''میری برداشت سے باہر ہو تم اور مجھے قطعی اچھے نہیں لگتے۔''

اس کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر لہرایا مگر دوسرے لمحے وہ مطمئن دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

''چھوڑیں اس بات کو میں آپ کو کتنا برا لگتا ہوں اس نقطے کو سمجھئے یہاں بہت کم لوگ بہت کم دلوں کو بھاتے ہیں، پسند کرتے ہیں اور اس سے بھی بے حد کم لوگ اچھے لگا کرتے ہیں سو ہمیں ساری زندگی ناپسندیدہ لوگوں ہی کے ساتھ گزارنی پڑتی ہے اس لیے عادت ڈالیے میری شخصیت اس عادت میں پختگی لائے گی چلیے ناشتا کیجئے آپ کے لیے کسی جیا سرفراز کا فون بھی آیا ہوا ہے۔''

''جیا سرفراز، یہ کون ہے......'' عثمان رشاد نے پشت موڑ لی اب وہ اس قدر بھی سخت دل نہیں تھا کہ اس کی رات بھر کی رفاقت کے تذکرے سے اس کی یادداشت کو تازہ کرتا یہ تو وہ جانتا تھا اس کا بھائی کیسی زندگی گزار رہا ہے اور کتنی سیڑھیاں نیچے اتر چکا ہے لیکن وہ اس کا بھائی تھا اس سے بھی زیادہ بری زندگی گزار رہا ہوتا تب بھی وہ اسی طرح اس کی دیکھ بھال کرتا اس کی پروا کرتا کیونکہ کم بخت محبت یہ دل کی محبت چین ہی لینے کب دیتی ہے۔

''جیا سرفراز...... وہ ناشتے کے ساتھ ساتھ نام دوہرائے جا رہا تھا اور وہ اس کے کمرے کی بکھری چیزوں کو ترتیب دے رہا تھا پھر وہ ٹرے لے کر باہر نکل رہا تھا جب بیڈ روم ایکسٹینشن پر بیل ہوئی۔

''ہیلو۔ جی بول رہا ہوں جیا سرفراز ہاں مجھے میسج مل گیا تھا لیکن...... لیکن جی مجھے یاد نہیں آ رہا آپ کون ہیں ارے رات بھر میری پارٹنرز بدلتی رہی تھیں، مجھے کیا یاد یہ تو میری روز کی روٹین ہے۔ بہت سی لڑکیاں ہوتی ہیں میں ان کے ساتھ رقص بھی کرتا ہوں، خواب بھی دیکھتا ہوں، ان کی ریشمی زلفوں سے بھی اٹکھیلیاں ہوتی ہیں، رفاقت اور وعدے بھی مگر یہ سب مجھے صبح تک بھول جاتا ہے۔ نہیں نہیں میں ہر لڑکی کو یاد رکھوں تو میرا گھر تو دارالامان بن جائے گا۔ نبھانا چاہیے تھا پھر پہلے ہی دن کون اتنا مہربان ہوتا ہے جتنا تم ہو گئی تھیں۔'' کھٹاک سے اس نے فون کریڈل پر رکھ دیا تھا وہ کمرے سے باہر کھڑا سب سن چکا تھا اور ہر روز کی طرح دکھ سے اس کا دل بھر سا گیا تھا۔

''کیا کبھی اس کا یہ بھائی وہ زندگی گزار سکے گا جو جائز ہو مطمئن و آسودہ ہو۔'' وہ کچن کی سمت چل رہا تھا پھر کچن ٹاپ پر ٹرے رکھی ہی تھی کہ اس نے اس پر ہلہ بول دیا۔

''کرا آئے مہاراج کو ناشتا، ملا ثواب دارین۔''

''نوما پلیز کیا ہر وقت تم میرے بھائی کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔'' اس نے سارا غصہ اس پر نکالنے کی کوشش کی تھی اور وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ''تمہارا بھائی کاش وہ تمہارا بھائی نہ ہوتا تو ہمارا گھر کتنا پر سکون ہوتا۔''

''پلیز شٹ اپ وہ میرا بھائی ہے اور یہیں — رہے گا۔''

''ہمت کس میں ہے کہ اسے نکال سکے تمہیں نہیں معلوم لیکن زریاب بتا رہا تھا آج کل وہ کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ بھی دیکھا جا رہا ہے جو یونیورسٹیز میں سیاست کو فروغ دینے والے جیالے کہلاتے ہیں۔''

اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا بھائی سیاست میں آ رہے ہیں۔'' وہ چیزیں فریج میں رکھ رہا تھا اور وہ اس کی مدد کر رہی تھی

اس شخص کی مدد کرنا اسے گونا گوں سکون دیتا تھا، لیکن اس وقت اس کی گندمی رنگت پر پریشانی رقصاں تھی۔

''تمہیں کیا واقعی یہ یقین ہے کہ بھائی سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔''

''ہاں کیونکہ زریاب بھائی کی سنجیدگی اور ہیڈ لائن نیوز کبھی غلط نہیں نکلتیں۔'' وہ خاموشی سے مڑ چکا تھا۔ راستہ جو تھا وہی پرخار تھا دروازہ ادھ کھلا تھا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے وہ شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔

''یہ کف لنک آپ پر بہت سوٹ کرتے ہیں کس نے دیے تھے یاد ہے۔''

وہ مڑ کر ترچھی نظروں اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں عدیم الفرصت ہوا کرتا ہوں ایسی کف لنک سے میری دراز بھری پڑی ہے۔ خاص طور پر نہیں نکالے اس شرٹ کے ساتھ میچ کر رہے تھے تو لگا لیے۔'' وہ اب کف بند کر رہا تھا میرون شرٹ پر بلیک کف لنکو اچھے لگ رہے تھے، اس کی صاف رنگ پر یہ رنگ خوب اٹھ رہا تھا۔

''کہیں خاص جگہ جانے کی تیاری لگ رہی ہے آپ کی۔'' وہ گیلا تولیہ اٹھا کا ٹاول اسٹینڈ پر رکھ رہا تھا اور اس کا ضبط آزمانے کی کوششوں میں تھا پھر یہ پیمانہ لبریز ہو ہی گیا تھا۔

''تم میری بہت زیادہ جاسوسی نہیں کرنے لگے ہو۔'' اب کی بار اس نے بروٹ کی بوتل اٹھائی اور اس نے جواب کی بجائے سوال اٹھایا تھا۔

''میں نے سنا ہے آپ سیاست میں قدم رکھ رہے ہیں۔'' اسپرے کی خوشبو سے کمرہ مہک رہا تھا اور اس کا چہرہ خالی ہو کر اس پر آن جما تھا۔

''یہ اتنی کانفیڈینشل نیوز تم تک کیسے پہنچی......'' پرفیوم ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا جا چکا تھا۔

''اس کا مطلب ہے آپ واقعی سیاست میں حصہ لے رہے ہیں۔''

''ہاں میں ایسا کر رہا ہوں اس لیے کہ مجھے اپنی شخصیت کا کوئی مصرف چاہیے، مجھے تشخص چاہیے تاکہ لوگ مجھے پہچانیں وہ بھول جائیں میری ماں کون ہے اور میرا باپ کیسا انسان تھا۔''

''لیکن کیا آپ نے کبھی لوگوں کے کمنٹ میں سنا ہے جب لوگ ماما اور پاپا کے بعد یہ کہتے ہیں کہ زہران رشاد کیا ہے۔''

''عثمان مجھے فضول باتیں سننے کی عادت نہیں ہے۔'' لہجہ حد درجہ تیز تھا، لگتا تھا اس نے بہت مشکل سے اپنا ہاتھ اٹھنے سے روکا تھا، عثمان دو بدو کھڑا تھا وہ خوف زدہ نہیں ہوتا تھا، یہ خوفزدہ ہونے کا وقت بھی نہیں تھا مگر وہ اس وقت کسی معاملے کو پھیلانے کا سبب نہیں بننا چاہتا تھا، اس وقت اس کی کارنر میٹنگ کا وقت ہو رہا تھا۔

''ہم اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔'' والٹ جیب میں رکھ کر وہ مڑا تھا اور اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا تھا۔

''آپ کو شاید یہ لفظ اور جملہ یاد نہ رہے ہمیشہ کی طرح لیکن میری یادداشت بری نہیں اس لیے یہ سوال پھر کروں گا۔'' وہ مڑا نہیں تھا، کچھ بولا بھی نہیں تھا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا، وہ کمرے میں اکیلا کھڑا رہ گیا تھا۔ تبھی اس نے اس کی الماری سے ایک فائل نکالی تھی۔

''یہ فائل اور اس میں لگی تصویر وہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ بہت ہی معصوم سی لڑکی تھی شریر آنکھیں اور

مسکراتے ہونٹ دل چاہتا تھا یہ ہونٹ صرف مسکراتے ہی رہیں۔

وہ اس وقت زہران کے جانے ہی کا منتظر تھا کیونکہ اس تصویر اور فائل کا تذکرہ وہ ٹیلی فون پر زہران اور اس کے دوست کے درمیان ہونے والی گفتگو میں سن چکا تھا، اس کے دوست اس کی طرح ہی بے باک شاطر اور مطلب براری کے ہر فن مولا تھے اور یہ فائل والی لڑکی ان کے درمیان اس لیے موضوع گفتگو تھی کیونکہ اس نے اس کے گروپ کے ہر لڑکے کے لیے بظاہر مشکلات کھڑی کر دی تھیں، بظاہر اس لیے کہ سب اپنے اپنے گھروں کے لیے دردسر ضرور تھے، لیکن عیش و عشرت اور من مانی کی وجہ سے سب جانتے تھے کہ کسی کی پاکٹ منی دو تین مہینے سے زیادہ سزا کے طور پر گھر والے نہیں روک سکتے تھے مگر یہ دو تین مہینے اور گھر کی ڈانٹ نے سب کو تلملا دیا تھا، اس لیے معلومات لے کر انہوں نے اس فائل کی بانی کی خود فائل بنا ڈالی تھی اور اس پر کام جاری تھا۔

''چلے گئے زہر صاحب۔'' اس کو پشت پر قدموں اور لہجے کی جھنکار صاف سنائی دی۔ وہ مڑا۔

''تم کیوں ستاتی ہو مجھے، جانتی ہو وہ مجھے کس قدر عزیز ہیں۔''

''ہوں اسی بات پر رشک آتا ہے کہ وہ آپ کو بہت عزیز ہیں حالانکہ ان میں کوئی لگن نہیں ہے، پھر بھی وہ یہاں کوئی ریاضت پر بھی کسی کے دل میں جگہ نہیں پا سکتے۔''

اس کے ہونٹوں کو مسکراہٹ نے چھوا آنکھوں میں رنگوں نے اودھم مچایا تھا، وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

''تم جانتی ہو میرے پاپا اپنے کردار کی وجہ سے کس قدر نازیبا ماضی رکھتے تھے، اگر مکرنا آسان ہوتا تو میں اپنے پاپا سے پہلے مکرتا، لیکن خون کی کشش نے مجھے ان سے بھی متنفر کیا، لیکن حقیقت کبھی جھٹلائی نہیں جاسکتی، ماضی اچھا ہو یا برا یا براترین لوگ بھولتے نہیں ہیں ہاں دھندلا ضرور جاتا ہے یادداشت سے محو ضرور ہو جاتا ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے ہوسکتا ہے لیکن اس کے لیے مجھے بہت محنت کی ضرورت ہے اور تم جانتی ہو میں اسٹرگل اور محنت کا کس قدر قائل ہوں، تم یہ بھی جانتی ہو جس جذبے کی تم بات کرتی ہو وہ جذبہ تمہارے نام پر ہی میں نے زندگی میں مانا ہے، لیکن تمہارے معیار کا ہونے کے لیے ابھی مجھے بہت ہائی لائٹ قسم کا مستقبل اور حال درکار ہے، روشنی بہت تیز اور چکا چوند ہو تو آپ کے پیچھے والے چہرے دھندلے پڑ جاتے ہیں ناں، میں اسی لائم لائٹ کے لیے جدوجہد کر رہا ہوں جب کامیاب ہوا صرف تم ہی میرے آنگن کی خوشی بنو گی، مجھے ہر اندھیرے اور روشنی میں صرف تمہارا ہاتھ تھام کر چلنا اچھا لگتا ہے، خوشی دیتا ہے تمہارا ساتھ۔''

اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا، محبت آنکھ کے پانی سے شروع ہو کر یہیں ختم ہو جاتی ہے، آنکھ کا پانی روح کو بالیدگی دیتا ہے۔ یہ جب رب کے حضور بہہ جائے تو سجدہ بن جاتا ہے، محبت کی حاجت میں آنکھ کی باڑھ توڑ دے تو دعا بن جاتا ہے، حصار ہو کر محبوب پر سایہ فگن ہو کر رہتا ہے چاہے پھر مطلب کی اس کو پروا رہے نہ رہے کوئی اسے کتنے استغراق سے سوچ رہا ہے یا ہر لمحے یاد رکھتا ہے یا نہیں اسے یہ بات مایوس نہیں کرتی اور اس لمحے وہ یہی یقین لے کر اس کے برابر چل رہی تھی اور محبت ان کے آگے آگے تھی دعا حصار بن کر۔ لیکن اسے وہ لڑکی یاد تھی سو بہت دنوں بعد سوچ کر اس نے اس محبت میں بھی اس فائل

والی لڑکی کے گھر فون کیا، بات چیت نہایت بہتر انداز سے سنی گئی تھی۔ لیکن جب وہ سامنے ملنے آئی تھی اور اس کا مدعا سنا تھا تو اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔

''تم مجھے یہاں اپنے بھائی کا رعب دینے آئے ہو، فون پر تو میں سمجھی تھی کہ تم نہایت معقول انسان ہو گے۔''

''میں ہی نہیں، میرا بھائی بھی نہایت معقول آدمی ہے، لیکن آپ غصے کا لیول کچھ کم کریں گی تو میں کچھ بتاؤں گی۔''

وہ پھر سے بیٹھ گئی تھی اور وہ دھیمے انداز میں اسے اپنی بات بتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تاسف سا امنڈ آیا تھا۔

''آپ میرے بھائی پر رحم کبھی مت کھائیے، اسے صرف محبت بدل سکتی ہے۔ رحم نہیں، ہم جنہیں ذرا سا بھی پسند کرتے ہیں ان پر رحم نہیں کھاتے، ان سے صرف محبت کرتے ہیں اور وہ تو آپ کے دوست ہیں ناں، اچھے نہ سہی برے ہی سہی۔ لیکن برے دوستوں سے نبھانا بھی محبت کا ایک اظہار ہے۔''

اس نے سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا، بہت دنوں سے جو اس کی شخصیت کا بھوت اور خوف تھا وہ دور جا سویا تھا۔ اب اس نے اسے ایک سبجیکٹ کے طور پر لیا تھا۔ وہ مسئلہ تھا محبت کا اور اسے اپنی محبت دوستی سے ہی اسے موم کرنا تھا۔

☆......☆......☆

''میں نے تمہیں پہلے بھی کہا ہے یہاں لڑکیوں کا لائر بننا کوئی کمال کی بات ہے نہ سود مند......'' وہ اسے بظاہر تیار ہوتا دیکھ رہا تھا، لیکن اس کا یہی خیال تھا کہ وہ اسے اس فیلڈ میں مزید آگے جانے سے روک دے کیونکہ وہ جس طرح کی بے باک لڑکی تھی سچ بولنے پر جس طرح کمربستہ رہتی تھی اسے اس کا انجام صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''تم وکالت کی بجائے پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیوں نہیں کر لیتیں۔''

''اس لیے کہ میں نے پولیٹیکل سائنس کو وکالت ہی کی وجہ سے سبجیکٹ میں رکھا تھا، مجھے وکیل بننا ہے۔'' وہ بالوں کو کلپ کرتے ہوئے مڑی اور وہ منہ بسور کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''سنو کیا تمہیں مجھ پر بالکل رحم نہیں آتا ادھر دیکھو میری معصوم شکل پر کچھ ترس کھاؤ ابھی تو صرف میری منگنی ہوئی ہے تم کیوں چاہتی ہو شادی کی حسرت، حسرت ہی رہ جائے۔''

''بکومت ارسلان کے بچے اگر اس فیلڈ میں کچھ ہوا بھی تو صرف مجھے ہی ہو گا اور ابھی سے پل کیوں بنا رہے ہو ابھی تو میرا دوسرا سال ہے وکالت میں اور تم، آگے کی کہانی سنا رہے ہو خود بھی دماغ خراب کر رہے ہو اور مجھے بھی ڈس ہارٹ کرنا چاہتے ہو۔''

''میں تمہیں ڈس ہارٹ نہیں کرنا چاہتا، حقیقت بتا رہا ہوں ابھی ایک ڈیڑھ ہفتے کی بات ہے وہ لائر کی فیملی کے ساتھ کیا ہوا ہے اس کے بچے اغوا ہو رہے تھے ناں پولیس نے پروڈکشن دینے کے زعم میں اسے کیسے جیتے جی مار دیا، کار میں بیٹھے اس کے دونوں بچے فائرنگ کی زد میں آ کر ہلاک ہو گئے، تم نے پھر دیکھا اس کی کہیں نہیں سنی گئی، وہ اتنی بڑی لائر ہو کر پولیس کے ان کرتا دھرتاؤں کو کٹہرے میں گھسیٹ کر بھی

سزا نہیں دلوا سکی اور ان کا کیس سورس کی وجہ سے سرخ فیتے کا شکار ہو گیا کیا ملا اسے کوئی تمغہ یا اپنے کام میں نڈر ہونے کی زعم بھری داد کبھی سوچا ہے تم نے۔''

اس نے اسے گھور کے دیکھا پھر جھرجھری لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں صرف عام سی لائر بننا چاہتی ہوں، جو صرف خواتین کے مسائل حل کر سکے میں بڑے معاملات اپنے ہاتھ میں نہیں لوں گی۔''

''کیا کہہ رہی ہو۔'' وہ جھٹکے سے صوفے سے اٹھ کر اسے خونخوار نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔

وہ سوال کرنے پر ہر لمحے راضی رہتی تھی اور اسے جواب دینے میں ملکہ حاصل تھا۔

''میں سمجھ رہا تھا میری ہونے والی نصف بہتر کوئی دھانسو مقصد رکھتی ہے کوئی بہت جیالا قسم کا مقصد مگر افسوس تم بھی ایک عام سی دبو لڑکی نکلیں۔''

''کیا مطلب......؟'' اس کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں اور وہ سامنے آن کھڑا ہوا۔

''سنو کیا پہلا ایئر کریش آخری ایئر کریش ثابت ہوا تھا۔''

''یعنی......'' کم فہمی اس لمحے ختم تھی اور وہ اسے صوفے پر بٹھا کر سر پر کھڑا مزید بول رہا تھا۔

''کیا پہلی بار جب کوئی ٹرین پٹڑی سے اتر کر حادثے کا شکار ہوئی کیا کسی بس کا ٹکراؤ ہوا، جانیں گئیں، بم پھٹا لوگ مرے تو لوگوں نے گھروں سے نکلنا جہاز کا سفر کرنا، بس اور ٹرین میں بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ نہیں سائرہ عرفان ایسا کچھ نہیں ہوا تھا، بلکہ لوگوں نے ہر حادثے کی تلخی کو دل میں اتار کر اسی دکھ سے نئے جہان کی آبیاری کی تھی، انہوں نے کہا تھا وہ آگے کا سفر نہیں روکیں گے وہ خوف زدہ نہیں ہوں گے وہ اسی خوف سے بہادری کی اک نئی تاریخ رقم کریں گے جیت ہماری ہم جیسے سرپھروں کی بہت ہی کم ہوتی ہے، لیکن ہمیں دنیا یاد ضرور کرتی ہے، ایک بار نہیں ہم یاد ضرور آتے ہیں اور یہی اس سفر کی صعوبتوں کے بھوگنے کا انعام ہے۔''

وہ اسے منہ کھولے دیکھ رہی تھی اتنے دنوں سے جو وہ اس کی جان کھا رہا تھ فیلڈ چینج کرنے پر کمربستہ ہو رہا تھا تو اچانک درمیان سے بالکل نئی اور انوکھی بات نکال کے لایا تھا۔

''تم حیرت انگیز ہو، میں تمہیں سمجھ نہیں سکی ہوں۔'' وہ ہر گئی تھی اور وہ ہنس رہا تھا۔

''میں ارسلان ہمدانی کوئی الجبرا کا سوال ہوں جو تمہیں نہیں سمجھ آیا، سنو میں کیسا ہی لاابالی دکھائی دوں کتنا ہی غیر سنجیدہ مگر با اصول ہوں، میں چاہتا ہوں کہ ہر انسان پکا ہو میں تمہیں آزما رہا تھا، میں تمہارے اندر سے تمہارے راز لانا چاہتا تھا کہ اس فیلڈ میں تمہارے کیا عزائم ہیں تم کہاں تک دیکھتی اور کہاں تک سوچتی ہو مگر افسوس سائرہ عرفان تم نے اس سلسلے میں بے حد مایوس کیا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں انسو بھر آئے۔

''اب یہ عورتوں کی طرح رو کر میرا دماغ مت خراب کرنا یار تم وکالت پڑھ رہی ہو یا کسی رومانی کہانی کے کردار، مجھے نہیں اچھی لگتیں روتی ہوئی لڑکیاں اپنے حق کے لیے اس بات کی تمنا کرتی لڑکیاں کہ کوئی نجات دہندہ قسم کا فلمی یا ناول کا ہیرو ان کی زندگی میں آ کر سب سیٹ ہے، سب ٹھیک ہے کا نعرہ مستانہ بلند کرے گا اور موسم یکدم خوشگوار ہو جائے گا۔''

''سوری ارسل پلیز مجھے اس معاملے میں پہلے موقع تو دو تا کہ میں تمہاری امیدوں پر پوری اتر سکوں۔''

''میری امیدیں...... ہائے کیا چھیڑ ڈالا مجھے، اس وقت تو تم میرے دل کی آخری امید بھی ہو کر ملو تو قبول ہے۔''

''بکومت، تم کہانی کے ہیرو مت بنو، مجھے ایسے ڈائیلاگ پسند نہیں محبت کا احساس میرے لیے زیادہ قیمتی ہے تا کہ اسے ہلکے ترین لفظوں میں بیان کیا جائے۔'' اس نے اس کے کاندھے پر چٹکی بھری اور وہ ہنسنے لگا۔

''بھئی تمہارے دل کو برمانے کے لیے مجھے بھاری بھاری لفظ یاد کرنے پڑیں گے اردو کی ڈکشنری کے ساتھ ساتھ مجھے اردو میں بھی دماغ کھپانا پڑے گا۔'' اس نے کہا اور وہ مسکرا کر پکاری۔

''جی نہیں آپ کو یہ ریاضت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ اپنے سوفٹ ویئر کے بزنس پر اچھی طرح توجہ دے لیں یہی کافی ہے۔''

''جو حکم میری سرکار کا، چلیے آپ کے کالج کی پہلی کلاس کا وقت نکل جائے گا ورنہ۔'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پروٹوکول دیا اور وہ ہنس کر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی اور یہ کسی کے ساتھ ساتھ چلنا کتنا معتبر کر دیتا ہے وہ نظر چرا کر بار بار اسے دیکھ رہی تھی۔ اپنے ماں باپ کی مرضی اور انتخاب کو سراہ رہی تھی اور وہ چپکے چپکے اس کی اس چوری کو پکڑ کر بھی نظر انداز کیے جا رہا تھا لیکن کب تک بلا آخر بول ہی پڑا۔

''اگر اس طرح دیکھتی رہیں تو تمہارا یہ انہماک یہاں حادثہ کروا دے گا اور مستقبل کی ایک بہترین وکیل سے دنیا محروم ہو جائے گی۔'' اس نے دانتوں تلے ہونٹ دبا کر شرمندگی چھپائی اور وہ قریب ہو کر بولا۔

''تائی مما اور مما نے آج گلف لے کر جانے کا پروگرام بنایا ہے، میں تمہیں دوپہر کو جلدی لینے آؤں گا مجھے تم باہر ہی ملنا ورنہ تمہاری دوستوں کی لمبی گفتگو میں پھنس گیا تو پھر یہ پروگرام رہ ہی جائے گا۔''

''ٹھیک ہے میں جلدی باہر آ جاؤں گی، لیکن اصلاح کر لیں میرے فرینڈز آپ کے دیدار کے شوق میں آپ سے نہیں ملتیں بلکہ وہ صرف آپ سے عارف واسف کی نیوز کے متعلق جاننے کے شوق میں وقت ضائع کرتی ہیں۔'' وہ ہنسنے لگا مطمئن انداز میں کار سبک رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی اور یہی زندگی کا راستہ تھا۔

☆......☆......☆

وہ اس وقت گلف سے خریداری کر کے نکل چکے تھے اور عارف واسف انہیں ہوٹل میں شام کی چائے پر انوائٹ کر رہا تھا وہ سب بہت مزے سے گفتگو کر رہے تھے، نریمہ اور عینا واسف خوب بڑھ چڑھ کر سائرہ سے دوستی گانٹھ رہی تھیں کہ اچانک عارف واسف کے موبائل پر بیپ ہوئی۔ نمبر بالکل غیر متوقع تھا، پھر رابطہ ہوا تو اس کے چہرے کا کھنچاؤ بڑھ گیا۔

''تم جانتے ہو تمہارے فون کا نمبر یہاں آ چکا ہے۔''

''میں کسی کچی آبادی کا باشندہ نہیں جو یہ جانوں گا کہ تمہارے پاس موبائل فون ہے تو یہ سہولت

لازمی ہوگی، کیونکہ یہ سہولت تو کارڈ موبائل پر بھی دستیاب ہے۔'' لہجہ بہت سرد مہر اور عجیب سا تھا جیسے کوئی ہنس ہنس کر آپ کے سینے میں گولی داغ دے اور پھر افسوس سے کہے۔

''اچھا تو آپ مر گئے میں تو یونہی ٹرائی کر رہا تھا۔''

''تم اتنے اسمارٹ ہو تو کیا میں تمہاری شناخت پوچھ سکتا ہوں۔'' وہ گلاس ڈور پش کرتا باہر نکل آیا تھا سب نے صرف اسے کال ریسیو کرتے دیکھا تھا اور عموی طور پر سچ کی علم برداری کے چکر میں کسی دھمکی آمیز فون کال کی بابت رائے قائم کی تھی اس لیے سب روز کا معمول ہے کی تفسیر بنے چائے سے انصاف کرنے میں مگن تھے۔ وہ اب باہر کھڑا تھا ہلکی ہلکی سبک خرام ہوا اس کے بالوں کو سہلا کر گزر رہی تھی، مگر دوسری طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا شناخت کی فرمائش پر تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا کون ہو تم۔''

''زہران، زہران رشاد کہتے ہیں لوگ میں نے تمہاری بہن کی ایکس فائل کے متاثرین کی درخواست پر یہ کیس اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ تم ہیڈ لائن کے بہت اچھے رپورٹر کم صحافی ہو اس ساری داستان پر بہت اچھا سا آرٹیکل لکھ سکو گے۔''

''بکومت کسی قسم کی حماقت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں کوئی عام صحافی نہیں ہوں۔''

''واقعی میں یہی سننا چاہتا تھا تا کہ کہہ سکوں خاص لوگوں کے ساتھ میں بہت خاص سلوک کیا کرتا ہوں اور ایک خاص صحافی کی بہن کے ساتھ تو کیا کیا کچھ خاص ہو سکتا ہے تم جانتے ہو۔''

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے تمہیں کسی نے بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی۔''

''نہیں، کیوں کہ میری ماں تربیت سے زیادہ تمہاری طرح خاص بننا چاہتی تھی اور میرا باپ وہ عام انسان بھی نہیں بن سکا اس لیے ان دونوں کے کمبی نیشن سے مجھ جیسی ہی ایب نارمل اولاد تخلیق ہو سکتی تھی۔''

''تم مجھے واقعی ایب نارمل ہی لگ رہے ہو ورنہ پڑھے لکھوں کو ایسی گفتگو زیب نہیں دیا کرتی۔'' اس نے موبائل دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا اور وہ ہنسنے لگا۔

''پڑھنے لکھنے کا یہاں شوقین کون ہے بس سمجھئے گھر سے دور رہنے کے لیے یونیورسٹی چل جاتا ہوں کھاتے پیتے لوگ ہیں ماموں سو عیش کر رہا ہوں...... ہاں مگر اس عیش میں دوستی پر جان نچھاور کرنے کے جذبات مانند نہیں پڑے ویسے سر عارف کیا دولت کے بعد انسان کے دل سے محبت کا احساس واقعی مٹ جایا کرتا ہے۔''

''نہیں یہ انسان کی فطرت پر منحصر ہے کہ وہ پہلی ترجیح کس چیز کو دیتا ہے۔''

''یہی تو! سب فطرت کا کھیل ہے انسان اور چیز کے فرق، اسی میں تو محبت کھو گئی ہے۔ ہم اسے چیزوں میں ڈھونڈتے ہیں، انسان چھوٹ جاتا ہے ہم انسان کا ہاتھ تھامنا چاہیں تو ضرورتیں چیزوں میں بٹ کر دل کی محبت کو کھا جاتی ہیں، سنو میں نے تمہیں بور تو نہیں کیا۔'' وہ بے ربطی سے ربط میں آ رہا تھا اور عارف واسف غصے کے باوجود اس پر غصہ نہیں کر پا رہا تھا۔

''مجھے لگتا ہے تم بہت اچھے انسان ہو۔''

''ہاہاہاہا......'' اتنا دلخراش قہقہہ تھا کہ اس کے نرم دل میں ہل چل سی ہو اٹھی۔

"کبھی پھر مذاق میں بھی بے عزت مت کیجیے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی میں نے تو آپ کی اندر کی اندر چھپی خوبی کی تعریف کی ہے۔" وہ پہلی بار کسی کے سامنے انکار اور وہ پھر سے ہنسنے لگا پھر ترنگ میں بولا۔

"میرے اندر خوبی تو ڈھونڈنے سے بھی برآمد نہیں ہوسکتی سر۔ کیونکہ کبھی اچھا بننے کی حسرت نہیں کی جو اچھے ہیں انہوں نے انسانیت کے لیے کیا کرلیا جو میں ملمع کاری سے اچھا بن کر کرلوں گا دراصل عارف میں بہت فیئر بندہ ہوں، میں کسی کی مدد اس لیے نہیں کرتا کہ مجھے اجر وثواب ملے کیونکہ میں جانتا ہوں جنت میرے لیے نہیں ہے، اس لیے بھول کر بھی منافقت بھری نیکی نہیں کرتا میں کسی منفعت کے لیے کسی کی تعریف اس لیے نہیں کرتا کہ مجھے اپنے زور بازو پہ بھروسہ ہے، میں جانتا ہوں میں جو چیز چاہوں چھین کر بھی لے سکتا ہوں، پھر خالی خولی کی عجز وانکساری کی ضرورت کیا ہے، شاید تمہیں میرے پاگل ہونے پر کوئی شک نہ ہو اور میں یہی بتا دینا چاہتا ہوں، میں واقعی پاگل ہی ہوں، اس لیے جو سودا سما جائے پورا کرکے چھوڑتا ہوں۔" موبائل آف ہوگیا تھا اور وہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ایسا انسان جو اتنا بے ربط ہو کہ لفظ مجتمع کرنے کے چکر میں معنی کھونے کے باوجود اندر کا غصہ پوری طرح پورٹرے کرے اور جس کا غصہ اتنا دوٹوک ہو وہ اپنی بات کو ہر صورت میں پورے کرنے کے جنون میں مبتلا ہوتا ہے اور جنہیں جنوں ہو وہ آندھی طوفان نامساعد حالات سے کب چوکتے ہیں، لیکن یہ فائل کا کیا چکر ہے اس نے تو یہ معاملہ دبالیا تھا۔ وہ واپس ہوٹل پلٹا تھا۔

"کیا بھئی کون تھا جس سے اتنی طویل گفتگو کرنے بیٹھ گئے ہم تو یہاں کھا پی بھی چکے۔" ارسلان ہمدانی نے سوالیہ انداز میں دیکھا اور وہ تفکر چھپاتا مسکراتا ہوا ان میں آن بیٹھا۔

"بھئی کیا کروں صحافت ایسا شعبہ ہے کہ آپ دوستوں سے لے کر دشمنوں تک میں بے حد ان رہتے ہیں، اگر واقعی آپ سچ لکھ رہے ہیں تو آپ محدود نہیں ہوسکتے، کیونکہ سچ دیر سے اثر پذیر ہوتا ہے، لیکن اس کا حلقہ وسیع رہنا چاہیے، اس میں لوگ ماننے والے ہوں دل سے درست سمجھنے والے ہوں یا کسی منفعت کے تحت مکر کر اس کو جھوٹ ثابت کرنے کی اسٹرگل ہو سچ اپنا اثر رکھتا ہے۔"

"بس عارف بھائی ہم آپ کے ہیڈ لائن کے دفتر میں نہیں بیٹھے اس لیے اچھی اچھی باتیں کریں ہاں وہ سنہرے سورج کی روشنی کا کیا ہوا۔"

"سنہرا سورج....." عینا واسف کے کان کھڑے ہوئے اسیس نے بگل دے دیا تھا، عارف کو قہقہہ دبانا مشکل لگنے لگا تھا۔

"کیا ہے اسیس کے بچے ابھی پہلی کی بات پر جان نہیں چھوٹی اور تم نئی کہانی ڈال رہے ہو۔" اس نے گھور کے دیکھا اور وہ ہنسنے لگا۔

"ارے آپ اس بات سے کیا سمجھے میں تو آپ کے سنہرے سورج اسٹوری کے متعلق پوچھ رہا تھا، میں نے سنا ہے آپ آج کل جاسوسیت کی طرف مراجعت فرما رہے ہیں۔"

"مراجعت خاصا ثقیل لفظ ہے ہاں میں کرائم رپورٹنگ اسٹوریز کو کہانی کی شکل دینے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" اس نے سینڈوچ کا ہلکا سا بائٹ لیا اور اس نے بھنویں اچکائیں۔

"یہ کرائم اسٹوریز آپ تک کون پہنچا رہا ہے عارف بھائی میں نے سنا ہے کوئی خبطی سا شخص ہے جسے مرنے کا شوق زندہ رکھے ہوئے ہے۔ ہائے۔" وہ چیخا تھا سب نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور وہ نیچے جھکا ہوا شوز کے تسموں سے کھیلنے لگا تھا۔

"ارسل بھائی مرنا زیادہ آسان ہے یا حالت نزع میں مبتلا رہنا۔"

"مر جانا......کیوں۔" ہونٹوں سے ہنسی نکلنے کو تیار تھی۔

"اللہ کے واسطے اگر یہ سچ ہے تو میرے دوسرے پیر پر بھی اپنا پیر رکھ دیجیے تاکہ میں اس عالم نزع سے نجات پاؤں۔" سب کو اب پتا چلا تھا کہ وہ تسموں سے نہیں کھیل رہا تھا ارسلان ہمدانی کی کارروائی بھگت رہا تھا۔

"ارسل کیا کرتے ہیں آپ بھی، بھائی کو اس طرح ستاتے ہیں۔" ارسلان نے خجل ہوکر حرکت پکڑے جانے، اسیس ہمدانی کے موقع محل دیکھ کر بات نہ کرنے کی عادت کو دس نام سنا کر دوبارہ سے چائے کی طرف توجہ کی جو سائرہ لے کر آگئی تھی۔

"تم لوگوں کا اگر بلڈ ٹیسٹ ہوناں، تو ہموگلوبن سے زیادہ چائے نکلے گی۔"

"یہ تو ہے مگر کیا کریں کراچی والے چائے کی جگہ لسی لینے لگیں ناں تو ایف سکسٹین میں رکشے کی انجن لگانے والی بات ہوگی کہیں کے کہیں پہنچ جائیں گے ہم۔"

"تم ہر خامی کو بہت مزے سے خوبی بنالیا کرو اچھا ذرا یہ تو بتاؤ یہ کراچی والے اتنا سگریٹ کیوں پیتے ہیں۔" عینا واسف نے کلاس لی اور وہ مزے سے بولا۔

"سیدھی سی بات ہے کراچی کی سڑکوں کے حادثوں، دہشت گردی کے باوجود لوگ زندہ رہ رہ کر اتنا تھک جاتے ہیں کہ وہ شارٹ کٹ ڈھونڈتے ہیں مرنے کا بقول غالب۔

اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

گنگناہٹ خاص تھی، لہک بھی اچھی خاصی تھی عینا واسف اسے گھورے جارہی تھی، کچھ دال میں کالا ضرور تھا۔

"یہ عارف بھائی کسی کی محبت میں تو گرفتار نہیں ہوگئے۔" اس نے سوچتے دماغ کے ساتھ اسے بے توجہی سے دیکھا۔

"کیا ہوگیا کیا سوچنے لگی ہو پھر دماغ میں کچھ خلل اٹھا ہے۔"

"نہیں تو بس ویسے ہی کچھ دیر کو خاموش رہنے کو دل چاہ رہا تھا اچھا اسیس سی ویو چلیں یہاں سے۔" اس نے اپنے آپ کو نارمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی سب بل پے کرکے اٹھ کھڑے ہوئے تھے پھر ڈوبتا سورج تھا اور اسیس ہمدانی کان میں گھسا پکار رہا تھا۔

"ڈوبتے سورج کو دیکھ کر سنہرے سورج کی کسی کرن کی بات کرنا کتنا اچھا لگتا ہے ناں چلیں کوئی اچھی سی نظم ہوجائے سب کچھ نہ کچھ سنائیں گے لیکن پہلے آپ کچھ سنائیے۔"

وہ اسے گھسیٹ رہا تھا وہ بچنا چاہ رہا تھا، مگر ممکن نہیں تھا کل ہی اس کے ایک دوست نے اچھی سی نظم انٹرنیٹ سے اٹھا کر بھیجی تھی، سنہری کرن کو سنانے کے لیے یہ معاملہ بھی عجیب تھا الوینہ حسان امریکہ نژاد پاکستانی

تھی، تین سال سے یہاں پاکستان اپنی خالہ کے گھر آ کر ٹھہری ہوئی تھی مسئلہ وہی تھا کہ پاکستانی خاندان اولاد تو وہاں لے جا کر پالتے ہیں، لیکن جب بھی شادی بیاہ کی بات آتی ہے تو ان کی سوئی پاکستان کی زمین پر آ کر اٹکنے لگتی ہے اولاد وطن کی اہمیت اپنی زمین کی محبت کو سمجھنے والی نکل آئے تو کچھ بچت ہو جاتی ہے، لیکن اکثریت کی سوچ، نہ پوری طرح یورپین ہوتی ہے نہ پاکستانی اور نہ اسلامی ایسی اولاد والدین کے لیے دردسر ہو جاتی ہے، مگر یہاں معاملہ الگ تھا، یہاں والدین یورپ نہیں چھوڑنا چاہ رہے تھے۔ نامساعد حالات سے لڑ کر وہاں انہوں نے جو مقام بنایا تھا، نیشنلٹی لی تھی وہ اسے چھوڑنے کے تمنائی نہیں تھے، لیکن ان کی بیٹی میں بس اچانک وطن کی یاد اور محبت نے ایسی ہوک بھری تھی کہ وہ ہر دھمکی، ہر لالچ، ہر بہترین مستقبل کی آفر کو ٹھکرا کر یہاں ہیڈ لائن کے دفتر میں آ گئی تھی، بڑے بڑے سربراہان سے لے کر عام دفاتر کے خاص الخاص آفیسرز کے بخیے ادھیڑنے کسی بھی وقت خاموشی سے پہنچ جاتی اور کورٹ مارشل کے کٹہرے میں لے آتی، پھر منافقت بھری مسکراہٹیں ہوتیں، کرسی پر دائیں سے بائیں کروٹیں ہوتیں، سوالات سے بچنے کی معصومانہ کوششیں اپنے سے چھوٹے اہلکار سے بات شروع ہو کر اوپر کی کرسی تک بات برابر کرنے کی کوشش کی جاتی، نتیجہ نکلتا کہ جس معاملے کے لیے جس فرد سے رابطہ کیا گیا ہے دراصل وہ تو ہر معاملے سے بے بہرہ ہے، بری الذمہ ہے، بس برا ہوا الوینہ حسان کا کہ وہ اس معصومانہ کوششوں کو بڑی عمدگی سے ہیڈ لائن کے کانفرنس ہال میں سب کے سامنے کھول دیتی، پھر اخبار میں سرخیاں ہوتیں، خبریں ہوتیں ریکارڈ کھنگالے جاتے، اپنے بیان کی صحت سے یا تو مکر جانے کی کوششیں ہوتیں یا اس بیان کو توڑ مروڑ کر چھاپنے کے الزامات کی بھرمار لگتی، مگر پڑھنے والے اس میں سے پھر بھی اپنے کام کی بات نکال ہی لیا کرتے اور بس اسے اس کا یہی جی دار انداز بھایا کرتا تھا جانتا تھا خاموشی کی زبان میں وہ بھی کہیں اس کے اندر ورد ہے، لیکن پھر بھی پہل کر کے وہ ہلکا نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

''کیا سوچنے لگے کیا نظم...... ارے یہ دیکھئے نظم میں نے صبح ہی لکھی ڈائری سے بس آپ اسے پڑھ ڈالیے۔''

''کیا یہ پروگرام تمہارا پہلے کا تھا......'' اس نے گھور کر اسے دیکھا پھر کوٹ سے ہاتھ باہر نکال لیا اور وہ شرارت سے ہنسنے لگا۔

''آپ بالکل صحیح سمجھے میرا یہ شاعری کا پروگرام پہلے سے تھا۔

'چلیے اب سنا بھی چکیں۔'' وہ اس کے موبائل کو ہاتھ میں لے کر اس کے بٹنوں سے کھیل رہا تھا۔

''ایس ایم ایس بھی کیا بہترین مشغلہ ہے۔'' وہ کسی کو پیغام دینے لگا تھا وہ سب اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر عارف واسف کی طرف دیکھ رہے تھے اور وہ نظم سرسری سا پڑھ کر اسے گھور رہا تھا۔

''خبیث یہ نظم ہے یا چالان کا پرچہ، دھر لیا جاؤں گا۔''

''کچھ نہیں ہوتا مستقبل کی وکیل آپ کے ساتھ ہے اور بھی کچھ قانون کے کرتا دھرتاؤں کا تعاون حاصل ہے آپ کو آپ بے فکر رہیں اور بس رچ کے شاعری سنائیں۔'' وہ ردھم بنانے لگا پھر اس کی آواز اطراف میں بکھری۔

کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
وہ جو دھند تھی وہ بکھر گئی
وہ جو حبس تھا وہ ہوا ہوا
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
تو سمٹ گئی
وہ جو تیرگی تھی چہار سو
وہ جو برف ٹھہری تھی روبرو
وہ جو بے دلی تھی صدف صدف
وہ جو خاک اڑتی تھی ہر طرف
مگر اک نگاہ سے جل اٹھے
جو چراغ جاں تھے بجھے ہوئے
مگر اک سخن سے مہک اٹھے
میرے گلستان میرے آئینے
کسی خوش نظر کے حصار میں
کسی خوش قدم کے جوار میں
کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
میرا سارا باغ ہرا ہوا

وہ نظم کے اختتام پر خاموش ہوا اور اسیس ہمدانی کے چہرے کی چمک سے لگتا تھا کوئی میدان مار لیا ہو۔

''یہ آپ کا موبائل۔'' اس نے نہایت خلوص سے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا اور سب ارسلان ہمدانی کی طرف بڑھ گئے۔

''کوئی اچھی سی نظم یا غزل۔''

وہ ہنسنے لگا۔

''کل سائرہ کی ڈائری میں کچھ دیکھا تھا حرف بہ حرف یاد ہے یا نہیں کہہ نہیں سکتا، لیکن سنا دیتا ہوں، کسی کو غلطی محسوس ہو تو اصلاح کر دینا۔ نظم کا عنوان ہے ''اس کا چہرہ''

''توبہ ہے، یہ آج سارے بیچلر ڈھونڈ ڈھونڈ کر چہرے اور نخبتاں پر کیوں آ رہے ہیں کیا یہ مستقبل میں خطرے کا بگل نہیں ہے۔'' ندیمہ نے شفق کے رنگ پھوٹتے دیکھ کر شرارت دکھائی اور عینا واسف بولی۔

''اپنی مصروفیت کی وجہ سے، ضیغی یہاں نہیں ہے وگرنہ تم بھی اپنے چوکھٹے پر کچھ ضرور سن لیتیں، لیکن خیر یہ حسرت گھر جا کر پوری کر لینا، ہاں تو سنائیے ارسلان بھائی اپنا چہرہ۔''

''میرا نہیں اس کا چہرہ۔'' وہ شرارت دیکھ کر اور شریر ہو گیا اور سنانے لگا۔

چاند کہوں تو چاند بھی اس سے کمتر ٹھہرے

پھول کہوں تو پھول کی خوشبو سے بڑھ کر
اس کی خوشبو
رنگ کہوں تو رنگوں میں وہ رنگ کہاں ہے
میں اس کی تصویر کہوں گر
ہر تصویر ہے اس سے کم تر
اس چہرے کو سوچتے سوچتے جیون بیتا اور مجھے کوئی لفظ نا سوجھا

''ہو ہو ہو۔'' سب کورس میں بولے اور سائرہ شرمانے لگی۔

''اس صدی میں بھی تم ستر کی دھائی کی لڑکی کی طرح شرما رہی ہو کمال ہے۔'' اسیس نے طرح دی اور وہ اس کے کاندھے پر چٹکی بھر کر اٹھ گئی کچھ بولی نہیں۔ اور ندیمہ واسف اپنی باری پر سنانے لگی۔

دل تھا کہ ہوش خیال تجھے دیکھ کر ہوا
یہ شہر بے مثال تجھے دیکھ کر ہوا
آئی نہ تھی کبھی میرے لفظوں میں روشنی
اور مجھ سے یہ کمال تجھے دیکھ کر ہوا

''کیا دیکھا بھالا جا رہا ہے واہ لیکن وائے افسوس ہم دونوں ایسی کسی شاعری کے حمایتی نہیں مگر پروگرام کے تحت ایک ہائیکو میں سنا ہی دیتا ہوں مگر عینا سے کچھ سننا کار دارد ہے۔'' اس نے اسے چھیڑا اور خود لہک کے پکارا۔

''بے نیازی عجیب ہے لیکن
اس کی عادت یہ ہو گئی شاکر
ہر جگہ میرا نام لکھتا ہے

''خوش فہمی ملاحظہ فرمایئے جناب۔'' عینا واسف نے ناطقہ بند کیا اور وہ ہنسنے لگا۔

''تم تو اس جیسی نظم بھی نہیں سنا سکتیں، بقول تمہارے، تمہیں شاعری سمجھ میں نہیں آتی ہے ناں۔''

''ہے تو ایسی ہی بات مجھے شاعری درد بھرے گانے افسانے ناول یہ سب فضول لگتے ہیں بندہ تھوڑا سا تھک کر فریش ہونے کی کوشش کرے تو ہو بھی نہ سکے۔'' اس نے اپنا دفاع کیا اور ندیمہ نے اسے سمجھایا۔

''تم اس اسیس کو کامیاب کروا رہی ہو یہ ثابت کر کے کہ تم کور ذوق ہو۔''

''اب ایسی بھی نہیں ہو رہی سنو مجھے کچھ سوچنے دو......''

اس نے کچھ وقت لیا اور بہت رٹی رٹائی قسم کی نظم سنائی۔

میں صبح و شام لکھتا ہوں
زمیں پر جس قدر اچھی زبانیں بولی جاتی ہیں
میں ان سے حرف چنتا ہوں
اور تمہارا نام لکھتا ہوں

''پٹی ہوئی نظم سنائی ہے تم نے، واقعی شاعری تمہارے بس کی چیز نہیں۔'' اس نے برا منائے بغیر

کاندھے اچکائے اور یوں وہ سب ایک اچھا وقت گزار کر گھر لوٹ آئے پھر گھر میں داخل ہوتے کے ساتھ ہی عینا واسف تھی اور وہ سنہری سورج کا تذکرہ ندیمہ نے بھی بھائی کے لہجے میں کوئی بات، شوخی، کوئی چہرہ پایا تھا سو اس کے ساتھ وہ بھی شامل ہو گئی تھی اور ضیغم حنان وہ کب پیچھے رہ جانے والا تھا وہ دس منٹ پہلے دفتر سے آیا تھا اور فریش ہوئے بغیر ان کے پورشن میں چلا آیا تھا۔

''بھئی وہ ایک بہت اچھی سی لڑکی ہے اور بس۔''

اس نے جان چھڑانا چاہی۔

''تصویر دکھاؤ یا دوبدو ملواؤ......'' عینا واسف نے فرمائش گھڑی اور وہ تھم گیا۔

''تصویر دیکھ لو یار دوبدو بات فائنل ہونے پر کرواؤں گا تاکہ بزرگ پارٹی سے مہر تصدیق مل جائے تو تیری جیلسی بھی کام نہ آئے۔ ہاں بھئی اگر کچھ الٹا سیدھا کہہ کر زندگی سے رفو چکر ہی کر دیا اسے تو میں کیا کر لوں گا۔'' اس نے جان کر چڑایا اور وہ واقعی چیخ پڑی۔

''توبہ ہے عارف بھائی آپ مجھے ایسی بہن سمجھتے ہیں، مذاق کی بات اور ہے وگرنہ ہر بہن کی طرح آپ کی شادی اور بھابھی کے رشتے سے منسوب ہر محبت کو چکھنے کا مزہ کون کافر نہیں لینا چاہے گا۔''

''میں مذاق کر رہا تھا وگرنہ تم دونوں کی محبتوں پر شک کر کے میں نے کنگال ہونا ہے۔'' اس نے والٹ سے تصویر نکال کر دکھائی تینوں کو الوینہ حسان بہت پسند آئی تھی، پھر وہ اپنی شاپنگ دادو ممانی جان کو دکھانے اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں، شاور لینے کے لیے اٹھ گیا تھا اور اپنے لکھنے کے کمرے میں اٹھ آیا تھا پھر قلم تھاما ہی تھا کہ موبائل پر بیپ ہوئی۔

''کیا ہوا ابھی تک فارغ نہیں ہوئے۔'' لہجہ آواز وہ ہزاروں میں پہچان سکتا تھا۔

''ارے الوینہ آپ، خیریت کوئی کام۔'' نہایت مدبرانہ لہجہ تھا دوسری طرف سنجیدگی سے بھرا سوال ہوا۔

''کیا ہے عارف کیا ہم صرف کام کی باتوں کے علاوہ کوئی تذکرہ نہیں کر سکتے۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں دراصل صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ کو میرے رویے سے یہ نہ لگے جیسے میں بھی فارغ پاکستانیوں کی طرح آپ کو صرف ذہنی و قلبی ٹیز کر رہا ہوں۔'' فلرٹ کہتے کہتے زبان خاص طور پر روکی تھی اسے اس جیسی لڑکی کے لیے یہ لفظ مثال میں بھی دینا اچھا نہیں لگا تھا اور وہ شکوہ بھول کر اس کی تعریف کر رہی تھی۔

''آپ کی شاعری کا ذوق بہت اچھا ہے، حالانکہ سنا ہے انگلش لٹریچر پڑھنے والے کافی مشکل ہو جاتے ہیں۔''

''مشکل نہیں ناقابل فہم ہو جاتے ہیں دراصل اندر کی کوئی کمی ہی ہوتی ہے جو تعلیم دماغ کے دروازے نہیں کھول پاتی اور لوگ گوروں کی تعلیم، اقوال، شاعری کو حرف آخر سمجھ کر اپنی شاعری اپنی چیز کو خود کمتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انہیں انگلش شاعری میں تو عام خیال بھی خاص لگتا ہے اور اردو میں روح کے موسموں کی بات کرنا بھی فضول بات لگتی ہے، ویسے آپ میرے ذوق کی کیوں تعریف کر رہی تھیں۔'' اسے تجسس ہوا اور دوسری طرف نقرئی قہقہہ گونجنے لگا اس نے ہنسی روکی تو وہ بولی۔

''اسیس آپ کا چھوٹا بھائی ہے۔ بہت شرارتی ہے مجھ سے کل آپ کی بابت بہت باتیں کرتا رہا، پھر اچانک آج میرے موبائل پر آپ کی موبائل بیپ آئی تو میں حیران رہ گئی، آن کیا تو شاعری کا ماحول جم رہا تھا اور کوئی سنا رہا تھا۔

کوئی چاند چہرہ کشا ہوا
میرا سارا باغ ہرا ہوا

''اوہ تو اس حرکت میں مصرف تھا اور ہمیں ایس ایم ایس کا راگ دے رہا تھا، سوری الوینہ اگر آپ کو یہ سب کچھ برا لگا ہو۔'' اس نے بگڑنے سے پہلے بات سنبھالنے کی کوشش کی مگر بات تو اس کے ہاتھ میں تھی اور یہ ہاتھ بھر کا فاصلہ وہ کتنے برس سے سنبھالے کھڑا تھا۔

''اگر میں کہوں مجھے یہ سب اچھا لگا آپ کی شاعری اچھی لگی تو آپ کیا سمجھیں گے......''

''صرف یہی کہ میرا وقت بہت اچھا ہے۔'' لہجے کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی وہ سلام دعا کے بعد فون رکھ چکی تھی، لیکن اسے لگ رہا تھا وہ ابھی تک وہی گونج رہی ہے، دل میں اس کی آواز کی جھنکار بار بار سر تال دے رہی تھی، اس نے فون کھسکا کر اسیس کو جی داری کا سرٹیفکیٹ دینا ضروری سمجھا تھا، وہ بہت خوش تھا اور اس کے لیے کراچی تو اسلام آباد کا گھومنے کا پروگرام سیٹ کر رہا تھا جو وہ کئی دنوں سے ارسلان ہمدانی کے تھرو بھیجنا چاہتا تھا، مگر نئی یہ ہوئی تھی کہ اجازت کے ساتھ اس نے اسے آؤٹنگ کے لیے ایک چیک بھی چیک بک سے دیا تھا پہلے تو وہ انکاری ہوا تھا پھر مان گیا تھا، اس نے ریسیور رکھ دیا تھا، بہت مطمئن تھا ایک بہت بڑا معاملہ حل ہو گیا تھا، لیکن جب وہ اس خوشی کو جذب کرنا چاہ رہا تھا اس سرخوشی کو بڑھا کر کشید کرنے کا تمنائی ہوا تھا کہ اچانک زہران رشاد کی فون کال نے اسے پریشان کر دیا تھا وہ کچھ دیر تو سوچتا رہا تھا پھر صبح ناشتے کی ٹیبل پر سب کے جانے کے بعد اس نے عینا واسف کو ساری بات سے آگاہ کر دیا تھا وہ چونک کر خوف سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''عارف بھائی میں نے سنا ہے وہ بہت برا انسان ہے۔''

''صرف سنا ہے دیکھا بھی ہوتا تو یقین کر کے ایسی حرکت سے باز رہتیں، آخر تمہیں سوجھی کیا تھی۔'' وہ سمجھاتے سمجھاتے چڑ گیا اور وہ رونکھی ہو گئی۔

''وہ بس ہم نے تو ایسے ہی مذاق میں تھرل کے لیے کیا تھا، دراصل اکثر لڑکیاں اس سے عاجز تھیں اس لیے ہم نے پورے گروپ کی چھٹی کروانے کے لیے یہ محنت کی تھی، یہ تو ہم جانتے تھے وہ یونیورسٹی سے نکالے نہیں جا سکتے نہ ہی کوئی اور سخت قسم کی کارروائی ہو سکتی ہے، ان پر ہاں بس ان کے گھر والوں کی طرف سے ڈانٹ پھٹکار کی ضرور توقع تھی، جس پر یہ کام انجام دیا گیا۔''

''ڈانٹ پھٹکار مگر عینا بی بی بات ڈانٹ پھٹکار سے بہت آگے نکل گئی ہے، وہ بہت سنجیدہ لگ رہا تھا، اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اور تم جانتی ہو سنجیدہ دشمن کتنا خطرناک ہوتا ہے۔'' وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بہن ایک عام سے طالب علم سے خوفزدہ ہو، لیکن اسے ہر طرح چوکس رکھنے کے لیے اسے بریف کرنا ضروری تھا، اس لیے وہ مگن تھا اور وہ گتھیاں سلجھا رہی تھی۔

''ہم اگر اس سے سوری کر کے معاملہ رفع دفع کرنے کی کوشش کریں عارف بھائی؟''

''شرم آئے گی، مجھے اس بات کو سوچتے ہوئے کہ یہ میری سب سے جیالی بہن کی سوچ بھی ہو سکتی ہے سنو معاملات کو ہمیشہ سدھارا جا سکتا ہے اگر انسان ذی فہم ہو، رہی مشکل شخصیت تو اگر ہم چھوٹی چھوٹی پرابلم کو حل نہ کرنا سیکھیں گے تو آگے بڑی بڑی کامیابیوں کا وزن کیسے برداشت کر سکیں گے۔ تم پریشان بالکل مت ہو، میں دیکھ لیتا ہوں معاملہ کیا ہے اور کیسے ہینڈل کیا جا سکتا ہے۔'' وہ پرسوچ نظروں سے دیکھ کر تیار ہونے اندر بڑھ گئی، پھر اس نے اسے یونیورسٹی چھوڑا تھا۔ شام کو وہ حیرت سے اسے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

''یہ تو ہمارے ایج گروپ کا ہے ابھی تک یونیورسٹی میں کیا کر رہا ہے، اسے تو عملی دنیا میں قدم رکھ لینا چاہیے تھا۔''

''وہ پڑھنے آتا ہی کب ہے اس کا سارا وقت باہر لڑکیوں کو گھمانے پھرانے میں عیش و عشرت میں گزرتا ہے، ہر سال پیپر خالی چھوڑ کر آ جاتا ہے۔ ماموؤں کی بیک پر اسے یونیورسٹی سے نکالا بھی نہیں جا سکتا کہ ان کی وجہ سے اچھا خاصا ڈونیشن ملتا ہے انہیں، پھر اس کی ماں بھی ایک مشہور فلمی ایکٹریس ہے، اس کی سورس بھی اس کے کام آتی ہے۔'' وہ معلومات دے رہی تھی اور وہ اسے پرسوچ انداز میں دیکھ رہا تھا پھر باتیں سمیٹ کر اٹھ گیا تو الوینہ حسان سے اس کا پہلا سوال یہی تھا۔

''پتا نہیں مائیں ایسی اولادیں دنیا کے لیے کیوں دردسری کے لیے چھوڑ دیتی ہیں تربیت نہیں کر سکتیں تو ماں کا منصب کیوں حاصل کرتی ہیں۔''

''شاید یہ مجبوری کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' الوینہ نے اس کے سوال کا جواب دیا، تعلقات سے نئے رشتے جنم لیتے ہیں، یہ فطری امر ہے، لیکن وہ نئے رشتے ویسے ہی زندگی میں اہمیت بھی رکھتے ہوں ضروری نہیں اور یہ غیر ضروری ہونے کا غصہ اسی طرح زہران رشاد جیسے کرداروں میں ہر طرف چیختا پھرتا ہے، وہ سنبھل کر اچھی باتیں کرتے مستقبل کے سنوارنے کی پلاننگ کرتے سمندر کی گیلی ریت پر چل رہے تھے، پرانے نقش مٹ رہے تھے، لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خوش امیدی کا ہلکا سا امکان رکھ کر جیتے ہیں جو یہ نہیں کہتے سامنے رکھا گلاس آدھا خالی ہے وہ یہ کہتے ہیں آدھا خالی گلاس آدھا بھرا ہوا بھی تو ہے پرانے نقش مٹ رہے ہیں تو کیا غم آگے قدم نئے نقش بھی تو ابھار رہے ہیں، نئی منزلوں کا سراغ دیتے نئے قدم۔

☆......☆......☆

وہ یونیورسٹی میں بظاہر مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن زہران رشاد کی کارروائی اور وہ بھی غیر متوقع اور سرپرائزنگ کارروائی اسے ہراساں کر رہی تھی۔

آج تک اس نے کبھی بھی کسی کے خلاف کوئی ردعمل نہیں دیا تھا، عموماً کوئی اس کے سامنے اٹھ کھڑا بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ اس کی پہلی کوشش تھی جو شاید آخری کوشش بننے والی تھی۔

وہ بار بار دھندلی ہوتی آنکھوں سے اسے کھوج رہی تھی، مگر وہ عدم دستیاب تھا پھر وہ مطمئن ہوا ہی چاہتی تھی کہ سیڑھیاں اترتے اچانک کوئی اس سے آن ٹکرایا، اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور ایملی کا ہاتھ مضبوطی سے بھینچ لیا۔

"مارے گئے امیلی آج برے پھنسے میرا تو موبائل بھی پرس میں ہے عارف بھائی کو تو خبر تک نہ ہوگی میرے مرحوم ہونے کی۔"

وہ سامنے جما کھڑا تھا اسے ہی دیکھ رہا تھا پھر اس سے پہلے کہ وہ گھبرا کر ساری بہادری کے رٹے رٹائے سبق بھول جاتی اس نے اس کی طرف سے پشت موڑ لی وہ تیزی سے کوریڈور میں گم ہوگئی اور الیاس احمد نے کہا۔

"زہران تم نے اتنا اچھا موقع گنوا دیا وہ بالکل تمہارے سامنے کھڑی تھی اور تم نے کوئی بھڑک تک نہیں ماری انتقام تو کیا ہی لیتے۔"

"حکومت میں اس وقت بات پھیلانا نہیں چاہتا یہ کیس میرے پاس ہے، لیکن یونیورسٹی میں اور یونیورسٹی کے باہر جو سیاست میں قدم رکھ چکا ہوں اس کے لیے مجھے بظاہر سیٹ اینڈ کلین دکھائی دینا ہی پڑے گا۔" سب نے کم فہمی سے اس کی بات مان لی یہ اور بات کہ جب وہ اکیلا ہو کر خود سے ملا تو کافی تلملایا ہوا تھا۔

"کیا ہے اس لڑکی میں کہ میں ہر بار ہر طرح سے اس سے ہار جاتا ہوں، الیاس نہ بھی کہتا تب بھی یہ لڑکی کب سے میری لسٹ میں ہے، اس کا بولنا، چلنا، اٹھنا، بیٹھنا مخاطب کرنا سب کچھ میری نظروں سے اوجھل نہیں رہ پاتا، میں محبت کو خرافات سمجھتا ہوں، مگر اس لڑکی کے آگے پتا نہیں مجھے کیوں لگنے لگتا ہے جیسے محبت کا کہیں اگر وجود ہے تو یہیں کہیں ہو سکتا ہے۔" اس نے دونوں ہتھیلیاں سمیٹ لی تھیں۔

"میں چاہتا ہوں اس لڑکی کی خوبصورتی پر تیزاب ڈال دوں تا کہ اس کی آنکھیں جو مجھے بے بس کر دیتی ہیں دکھائی نہ دیں، اس کے ہونٹ جو مسکراتے ہیں تو مجھے لگتا ہے مجھ پر ہنس رہے ہیں ختم ہو جائیں اس کے بال خس و خاشاک کی طرح بھر بھرے ہو کر اس کی جھولی میں آن گریں، میں چاہتا ہوں یہ بدصورتی کا اعلیٰ نمونہ بن جائے، مگر میں ایسا نہیں کر پاتا پتا نہیں کیوں میری ماں کی ساری نفرت بھی مل کر اس لڑکی سے نفرت نہیں کر پاتی۔"

وہ کپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا تھا پھر وہ اسے ہر ہر موقع پر ملنے لگا تھا وہی سب لفظ تھے وہی چور محبت سے بھرپور مگر وہ عینا واسف اپنی جگہ قائم تھی۔

"مجھے محبت لفظوں میں نہیں عمل میں احساس میں محسوس کرنے کی عادت ہے اور تمہارے کسی لہجے سے میرے اندر کوئی کونپل نہیں پھوٹتی کوئی سر نہیں ابھرتا تو میں کیسے کہہ دوں کہ مجھے تم سے محبت ہے، محبت زبردستی کی چیز نہیں یہ تو آزاد جذبہ ہے خود ابھرتا ہے، اٹھان لے کر آسمان ہو جاتا ہے یا پھیل کر زمین بن جاتا ہے، جو اس کے لیے آبیار ہیں وہ اس زمین پر بیج بوئیں، فصل اٹھائیں۔"

"تم صرف لفظوں سے کھیلتی ہو تمہارے لیے میری کوئی اہمیت نہیں ہے، نہیں ہے ناں میری کوئی اہمیت۔" وہ جانتا تھا ہر عورت میں ہر لڑکی میں ممتا کا جذبہ ہر جذبے سے بڑھ کر ہوتا ہے، وہ اس کا پرانا کھلاڑی تھا وہ اسی جذبے کو مہمیز دے کر کتنے ہی چہروں سے زندگیوں سے اپنی شامیں سجا چکا تھا مگر وہ سامنے کھڑی تھی۔

"انسان کی اہمیت خود اپنا وجود ہوتا ہے، آپ اگر ہیں تو کوئی آپ کو رد نہیں کر سکتا، لیکن اگر آپ خود

کو مسترد کرنے کی بیماری میں مبتلا ہیں، خود رحمی کا شکار ہو کر خود کو بے وزن کرنے کے تمنائی ہیں تو بہت سے لوگ مل جائیں گے جو ہزاروں نہیں لاکھوں خامیاں خود آپ میں گنوا کر آپ کو شرمندہ کر دیں گے۔"

"تم بچنا چاہتی ہو دوٹوک جواب سے، تم بچنا چاہتی ہو اپنے اندر کی اتھل پتھل سے کہ تم بھی عام لڑکی کی طرح محبت کو ایک عام سا مسئلہ سمجھتی ہو دو مختلف لوگوں کے ادھورے پن کو مکمل کرنے کا عام سا مسئلہ۔" وہ جان جان کر اس سے لڑ پڑتا اور وہ اسے دیکھے جاتی۔

"آپ غلط فہمی کا شکار ہیں، میں محبت کو اتنا کم تر نہیں سمجھتی کہ اپنی ذات کو بالا کرنے کے لیے اس سے منافقت بھری کوتاہی کروں، مگر جاؤں اس سے دراصل مجھے لگتا ہے محبت ایک ایسا جذبہ ہے کہ یہ جب آپ میں سر اٹھاتا ہے تو سب سے پہلے عزت سے خود آپ کو سر اٹھانا سکھاتا ہے، یہ عزت دینے، عزت کرنے کا ہنر دیتا ہے یہ خود کو اندر سے مکمل کرتا ہے، پھر بڑھ کر سامنے محبوب کا دامن تھام کر اس کی اکائی سے اپنے ذات کی اکائی جوڑ کر منزل دکھانے والا راستہ بنتا ہے۔

یہ قابل رحم نہیں ہوتا محبت قابل رحم ہو تو محبت نہیں ہوتی کیونکہ محبت خیرات کے لیے مانگنے والی ہتھیلی نہیں، دان کرنے والا ہاتھ ہے یہ دامن ہے کشادہ اور بھرا ہوا دامن جس سے ہر کس و ناکس کو خوشیاں امیدیں سب کچھ ملتا ہے، اس نقطے کو سمجھئے۔"

وہ بھنا کر اٹھتا اٹھ کر پھر بیٹھتا اور بیٹھ کر پھر اٹھ جاتا، یہاں تک کہ عثمان رشاد سے یہ بات چھپی نہیں رہ سکی تھی وہ جانچنے کے چکر میں تھا، مگر وہ خود کھل کر اس کے سامنے آ گیا تھا، اس دن اس نے جی بھر کر پی تھی اور عثمان اسے اس کے کمرے تک چھوڑنے آیا تھا اور وہ اس کا ہاتھ تھام کر پکارا تھا۔

"تم نے کبھی کسی ایسی لڑکی سے محبت کی ہے جس سے تم نفرت کرنا چاہتے ہو۔" کیا عجب سوال تھا اور کتنے مختلف انسان کے ہونٹ کر رہے تھے۔

"محبت سے نفرت کرنا اچھی بات تو نہیں بھائی ہر کسی کا دل عثمان رشاد جیسا تو نہیں ہوتا۔"

"مت کرو آج اپنی بات مت کرو، صرف مجھے سنو دیکھو وہ لڑکی عجب لڑکی ہے اسے میرا کوئی وعدہ نہیں تڑپاتا وعدہ ایفا نہ کرنے کا غم نہیں ہوتا وہ کہتی ہے میں جانتی ہوں جو شخص بہت وعدے کرتا ہے وہ سچا نہیں ہوتا اور بس میں تمہارے جھوٹ اس امید پر سنا کرتی ہوں کہ کبھی نہ کبھی تمہارے اندر کا سچ اس جھوٹ کو پی کر روشنی بن جائے گا، جب تم کچھ نہیں کہو گے وعدے کی بجائے اس لمحے تم صرف خاموشی سے دیکھ ہی لو گے نا تو تمہارے اندر کر یقین میرے پلو سے بندھا وعدہ ہو جائے گا۔ وہ میرے پینے کا سن کر عام لڑکیوں کی طرح چیخیں نہیں مارتی وہ لڑکیاں جو اسی نشے کی آڑ میں میری جیبیں خالی کرتی رہتی ہیں، جنہیں مجھ سے نہیں میری دولت، میرے والٹ سے پیار ہے، وہ ان لڑکیوں کی طرح مجھ سے نفرت نہیں کرتی وہ کہتی ہے۔"

"تم اپنے آپ سے نفرت کرنے کے لیے خود اتنے کافی ہو کہ مجھے تم سے دوستی رکھنے کے لیے تمہاری پروا کرنی پڑتی ہے، تو وہ ہمیشہ دوستی کی بات کرتی ہے وہ محبت کی بات کیوں نہیں کرتی۔" عثمان رشاد نے اس کا سر اپنے کاندھے سے ٹکا لیا۔

"شاید آپ نے خود بھی تو آج تک اس سے محبت کی بات محبت سے نہیں کی، آپ خود بھی تو کہتے

ہیں آپ کو اس سے محبت ہے۔مگر ویسی نہیں جیسے کسی مرنے والے کو زندگی سے، جیسے دعا کو اثر سے جیسے روشنی کو خواب سے جیسے آنکھ کو امید سے ہوتی ہے۔آپ نے بھی تو اس سے محبت نہیں کی ہے، بس آپ کو اس کی طرف نیا پن کا تجسس دوڑائے پھرتا ہے، آپ اسے حل کرنا چاہتے ہیں، آپ دیکھنا چاہتے ہیں وہ آپ کے کس جملے پر بہکتی ہے ———— کس آفر پر آپ کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیتی ہے۔آپ کو دولت کی کس نمائش پر آ کر کہتی ہے مجھے یہ دے دو اور میرے دل کی محبت سمیت سب کچھ لے لو، آپ محبت کو اغراض کی سمت لے جانا چاہتے ہیں۔

آپ نے کبھی محبت کو اپنی روح کا راستہ نہیں دکھایا، آپ چاہتے ہیں آپ جی کھول کر اس پر بہت سی عام لڑکیوں کی طرح ہنس سکیں جیسے آپ ہنستے تھے، ہر لڑکی کی قیمت ہے خریدی جا سکتی ہے ہر لڑکی عام لڑکی ہے مگر وہ لڑکی آپ کے ارادوں کی راہ میں حائل ہے، آپ اس کی محبت نہیں پانا چاہتے، آپ صرف اسے ہرانا چاہتے ہیں، تاکہ گنتی کر سکیں کہ وہ ان لڑکیوں میں کون سا نمبر لے سکتی ہے، جنہیں آپ نے بہت سارا وقت خرچ کر کے لیٹ ڈاؤن کیا تھا۔“

”نہیں ایسا نہیں ہے عثمان میں اس سے محبت کرنا چاہتا ہوں، خالص محبت لیکن میرے اندر کی نفرت مجھے روک لیتی ہے، کہتی ہے کیا ہے اس لڑکی میں جو تم اس سے محبت کرو گے تمہیں اس سے نفرت کرنی چاہئے کیونکہ یہ بھی ایک عورت ہے وہی عورت جو میری ماں تھی تمہاری ماں تھی۔

مجھے تم سے بھی نفرت ہے کیونکہ تمہاری صورت میں مجھے پاپا دکھائی دیتے ہیں، مجھے پاپا سے نفرت ہے جو کسی گلی کے کسی خالی کچرہ گھر میں ہیروئن کی زیادہ ڈوز سے مر گئے تھے، کوئی انہیں اٹھانے کو تیار نہیں تھا وہ کچرے میں پڑے ہوئے کچرا لگ رہے تھے، ماموں کہتے تھے ان کی عزت پر حرف آئے گا اور نانو کہتی تھیں ایسے مردود کے لیے فاتحہ درود سب بے کار ہے، ان کے لہجے میں جو نفرت تھی وہ میرے دل میں بھر گئی تھی۔ مجھے لگا تھا مجھے بھی اپنے باپ پر نفرت سے تھوک دینا چاہیے تھا جس نے جی کر کچھ نہیں کیا تھا، ہاں بس مر کر ہمارے لیے دردسری چھوڑ گیا تھا کہ اس کی لاش لاوارث دفنائی جائے یا کچرا گھر میں ایسے ہی پڑی رہنے دی جائے، میرے اندر نفرت بھر گئی تھی، جب میرے گھر کے میری عمر کے بچوں نے کہا تھا۔

”زہران کے پاپا مر گئے پتا ہے ان کی لاش کہاں سے ملی تھی۔“ یہ سوال ادھورا کوڑا بن کر میری روح پر لگتا پھر میں اتنا پاگل ہو گیا کہ کوئی مجھ سے پوچھتا آپ کے والد کیسے مرے تھے تو میں خود سے جنونی ہو کر کہنے لگتا تھا ”میرے پاپا ڈرگس لیتے تھے ایک دن وہ بہت زیادہ نشے کی وجہ سے مر گئے اور ان کی لاش ایک کچرہ گھر سے ملی تھی۔“ نانو مجھے ماما کی داستان سناتیں، پاپا کے قصے سناتیں، ان کے کردار کو اور برا بتاتیں اور میں ان سے نفرت کے چکر میں اور تلخ ذائقہ ہو گیا۔

میں قدرت کا سب سے تلخ ذائقہ ہوں زہر امرت میرا کوئی بھی متبادل نہیں ہے، میں اپنے لیے ہی آگ ہوں تھوڑی تھوڑی آگ اندر ہی اندر جلتا رہتا ہوں، راکھ ہوتا رہتا ہوں اور سب سمجھتے ہیں، میں سب کو جلا کر خاکستر کر سکتا ہوں عثمان کبھی راکھ نے بھی آشیانے جلائے ہیں۔“

”راکھ میں گمشدہ چنگاری نے ضرور آشیانے پھونکے ہیں۔“ اس نے جواب دیا اور وہ خالی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا ”پتا نہیں میرے اندر چنگاری بچی بھی ہے یا نہیں، لیکن تم بتاؤ ہم جس سے

نفرت کرتے ہوں تو اس سے محبت کرنے کا تجربہ کیسا رہتا ہے۔“

وہ کچھ نہیں بولا قریب بیٹھ کر اس کا سر گود میں لے کر اس کے بال سہلانے لگا اور وہ نیم مدہوشی میں بڑبڑائے گیا۔

”پتا نہیں ماں کیسی ہوتی ہے میں نے کبھی ماں نہیں دیکھی، لیکن میں نے جب بھی درد سے دل پھٹتے دیکھا ہے جب بھی میں نے خالی ہاتھ اپنے سامنے پھیلا کر پوچھا ہے۔“

”کیا ہے اس دنیا میں جو صرف تمہارا ہے تو میں نے دل کی پھٹتی رگوں پر تمہاری ذات کو مرہم کی طرح اترتے دیکھا ہے تمہارا میرے لیے رونا پروا کرنا ہر اس لمحے میں مجھے مرنے سے روک لیتا ہے جب جب میں نے اس زندگی کو مٹانے کی بابت سوچا سلیپنگ پلز سے لے کر ریوالور تک سب سوچ کر میرے ہاتھ کانپ جاتے ہیں، میں سوچتا ہوں کیا ضروری ہے ہم نے جس پہلی آنکھ میں اپنے لیے پہلی محبت دیکھی ہو اس کو اپنی موت کا آخری دکھ بھی دیں، مر جانا کوئی مشکل نہیں ہوتا، میں سوچتا ہوں میں ہوں تو تم کبھی کبھی سوچتے تو ہو گے کہ میرے کاندھے سے سر ٹکا کر تم ہر غم ہلکا کر سکتے ہو، لیکن میرے جاتے ہی تم کتنے تنہا ہو جاؤ گے دکھ میں دکھی ہونے کا دکھ نہیں مارتا جتنا یہ دکھ کہ آپ کے دکھ پر کوئی نہیں ہے جو مل کر روئے آپ جس کے دامن میں سر چھپا کر دھاڑیں ماریں کوئی آپ کے آنسو پونچھے کوئی نہ ہو تو دکھ ہمارے اپنے اوپر کتنے دکھ سے روتا ہوگا، ہے ناں۔“

وہ بے آواز روئے جا رہا تھا، آج جانے دل کے اندر کہاں چوٹ کھائی تھی کہ اندر تک سے زہران رشاد باہر آ گیا تھا وہ ساری رات اس نے جاگتے گزاری تھی۔

رات بھر اسے نیند نہیں آئی تھی، وہ اس کے کمرے سے سلیپنگ پلز ریوالور اور جانے کیا کیا تلاشتا رہا تھا، پھر تھک کر کمرے میں آ کر اس کے پاس ہی لیٹ گیا تھا۔ جس محبت نے اسے رلایا تھا اس محبت نے آج اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر دیئے تھے۔ آج دل سے دعا نکلی تھی کہ عینا واسف جس سے اس کا مستقل رابطہ تھا وہ اس کے ٹوٹے بکھرے بھائی کے وجود کو محبت سے جوڑنے میں ضرور کامیاب ہو جائے، مگر صبح آنکھ کھلی تو اس کی آنکھیں حیرت زدہ رہ گئیں۔

”یہ بھائی کہاں گئے......“ اس نے نوما، نانو، نانا سب سے پوچھا تھا مگر کہیں سے جواب نہیں آیا تھا، وہ کالج میں بھی بہت پریشان و ہراساں تھا، پھر صبح کا اخبار دوپہر کو نظروں سے گزرا تو جان گیا وہ ایسے کیوں غائب ہوا تھا۔

”یہ سیاست بھائی کو کہیں کا نہیں چھوڑے گی، بھلے کتنی ہی الگ سوچ رکھتے تھے، لیکن گھر اور رشتوں کو بالکل اگنور نہیں کرتے تھے، رات گئے انہیں گھر کی طلب ضرور ہوتی تھی، لیکن یہ سیاست......“

اس نے سیاست کو بہت برے لفظوں میں یاد کیا۔ پھر روز خبریں لگتیں اور وہ روز ہولتا رہتا، زہران رشاد نے بہت سا وقت دے کر بہت اچھی جگہ بنا لی تھی۔ اس لیے اس سیاست میں بھی وہ اشتہاری مجرم نہیں بنایا جا سکا تھا۔ نانا کی سپورٹ، ماموؤں کی بیک پردہ بہت جلد عام شہری کے طور پر لوٹ آیا تھا، لیکن خو بدلنا ناممن سا تھا۔ اس کے انداز اطوار وہی تھے، وہ بس اس کی پشت دیکھتا، چہرہ دیکھتا تو بہت ناممکنات میں سے تھا۔

کارنر میٹنگز، جلسے، جلوس، وہ روز اخبار دیکھتا، زہران سے بات کرنا چاہتا۔ لیکن ہمیشہ ہار جاتا۔ یہاں تک کہ پھر وہ اپنی تعلیم میں اس معاملے کو حذف کر گیا، عینا واسف کو بھی یہی شکوہ تھا کہ وہ اب اس سے بالکل رابطے میں نہیں رہتا، فون سن کر بات مختصر کرنے کی کوشش کرتا ہے، موبائل پر نمبر دیکھ کر لائن ڈس کنکٹ کر دیتا تھا اگر شہر میں ہوتا ہے تب بھی کہلوا دیتا ہے، وہ شہر سے باہر ہے، مصروف ہے، بات مختصر کرو۔" وہ سن کر افسردہ ہو جاتا، لیکن اس معاملے میں اس کی ایک نہ چلتی تھی، یہی وجہ تھی کہ اس کی مصروفیات نے اسے بہت جلد جذب کر لیا تھا پھر وقت گزرتا چلا گیا تھا۔

عثمان اور سارہ آج کل پریکٹس کر رہے تھے جب سائرہ کے ساتھ کچھ افراد کی بدسلوکی پر وہ بھنا گیا تھا۔

"کیا معاملہ ہے آپ کے ساتھ آپ کی پارٹی پاور میں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں، آپ انسانیت کا سبق بھول جائیں۔"

"انسانیت کا سبق اور ہمیں پڑھا رہا ہے۔" کسی نے اس کا گریبان پکڑا کسی نے گھونسا مارا، سائرہ چیختی ہوئی باہر بھاگی تھی، سائرہ اور وہ ایک ہی وکیل حشمت علوی کے جونیئر تھے، حشمت علوی آج آف پر تھے وہ کچھ کیسوں پر تاریخیں لینے کے بعد اپنے چیمبر میں بیٹھے تھے کہ یہ افتاد آ پڑی تھی۔

"میرے کولیگ کو پلیز بچا لیجئے، پلیز وہ اسے مار دیں گے۔" اس نے دیوانوں کی طرح بس جو سامنے نظر آیا اس کا ہی کاندھا بھینچ لیا، مگر پشت موڑے کھڑا وہ شخص مڑا تو اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا، وہ زہران رشاد تھا اور اس کے دل پر کسی کی آہ و بکا کب اثر کرتی۔

"پلیز سر......!" پتا نہیں اس نے پھر بھی کیوں اس سے بلک کر کہنا چاہا تبھی وہ اسے سیڑھیوں سے گھسیٹتے کوریڈور سے مارتے ہوئے اس کے سامنے لے آئے۔

"یہی دونوں ہیں جی صاحب فضل کے بخیے ادھیڑنے والے۔"

"شوٹ ہم......" اس نے پشت موڑ کر حکم دیا۔ لیکن ایک چیخ پر بس غیر متوقع طور پر پلٹ کر دیکھا تھا اور پتھر کا بت بن گیا تھا۔

"عثمان......" گولی صرف ایک چلی تھی باقی گنز اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"ڈونٹ شوٹ یہ میرا بھائی ہے۔" وہ کب وکیل بنا کب اتنا اعلیٰ مقام پا گیا اسے خبر ہی نہیں ہو سکی وہ تو اپنی اس ادھوری دنیا اور پورے دکھ میں ڈوبا رہا تھا۔

"آ کسی دکھ پر اکٹھے روئیں۔" کوئی دھندلی سی بات گونج رہی تھی، کسی کی گود اور اس کے آنسو...... وہ دیوانوں کی طرح اسے بازوؤں میں بھر کر ہاسپٹل کی طرف بھاگا تھا۔

"مجھے تم سے نفرت ہے تمہاری شکل بالکل پاپا جیسی ہے۔" وہ اس کا وجود گود میں بھر کر بیٹھا تھا اس کا سر اس کی گود میں تھا، تکلیف سے ہونٹ بھینچے کراہتا ہوا یہ چہرہ دل کے اتنے اندر تک اترا ہوا محبوب ہو چکا ہے اسے خبر نہیں تھی۔

ہم ساری زندگی کچھ چہروں سے خود ساختہ محبت کرتے رہتے ہیں، اپنے آپ کو یقین دلاتے رہتے ہیں، ہمیں ان سے محبت ہے مگر محبت کو ان سے محبت نہیں ہو پاتی اور کبھی کبھی ہم محبت سے مکر کر کہتے ہیں

ہمیں اس چہرے سے نفرت ہے، اس شخص سے نفرت ہے تو محبت تکلیف کا خار بن کر ہمارے احساس میں آن چبھتی ہے پوچھتی ہے سنا درد سے دل پھٹا یا نہیں، محبت جو اندر چھپا رکھی ہے یہ کس کے لیے ہے اسے نکالو...... نفرت سب کچھ نہیں ہے، مگر لوگ محبت کو کچھ نہیں سمجھ کر نفرت کیے جاتے ہیں۔"

وہ شاید رو رہا تھا، آج سے پہلے اس کی آنکھ سے آنسو نہیں ٹپکے تھے، لیکن آج وہ رو رہا تھا۔

"میرے عثمان کو بچا لیجئے اس دنیا میں صرف وہ میرا واحد سہارا ہے، میرا اپنا ہے میرے وجود کا آدھا حصہ ہے۔" اس نے گڑگڑا کر ڈاکٹر سے التجا کی، دعائیں مانگنے کے لیے تنہا کھڑا ہوا تب غیر متوقع اس کی ماں نے اس کے کاندھے کو چھوا۔

"تم نے میرے عثمان کو مار دیا۔"

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماں کو دیکھا ایک ہیروئن کی آنکھ میں دکھ بھی نمائش بن گیا تھا۔

"میں نے آج اپنے آپ کو مار دیا ہے میں تنہائی میں خاموشی میں آپ سے نفرت کرتے کرتے تھک گیا ہوں مجھے آپ پر اب ترس آتا ہے مجھے آپ سے محبت نہ نفرت، لیکن مجھے عثمان سے محبت ہے، اس کے خال و خد پاپا جیسے سہی لیکن اس کے کردار جیسا ایک بھی شخص میرے خاندان میں نہیں مجھے اس کے ہونے پر فخر ہے، چلی جائیں آپ یہ نہ ہو آپ کو محبت خیرات دیتے دیتے میں آپ سے سب کچھ چھین لوں، آپ کا غرور تشخص کی ہوس دولت اور نمائش کی تڑپ سب کچھ اور آپ خالی گھر رہ جائیں، جس کے اندر ادھ بجھا دیا بھی نہیں ہوتا۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو بھائی کی موت نے شاید۔"

"نہیں مرا وہ، میرا عثمان زندہ ہے۔" وہ چیخا وہ جا چکی تھیں، اس کی فیملی آ گئی تھی، عینا واسف سے پہلے اس کے قریب پہنچی تھی اور نانو اس کے آپریشن کامیاب ہونے کے بعد دکھ اور تاسف سے اسے دیکھ کر بولی تھیں۔

"میں سمجھتی تھی میں جب اسے اس کے باپ کی غلط کاریوں کی داستان سنا کر اسے اچھے کاموں کی طرف بلاؤں گی تو وہ ردعمل میں اچھا بلکہ بہت اچھا بننے کی کوشش کرے گا مگر میری ہلکی ہلکی نفرت اس کے اندر اتنی گہری اتر گئی کہ اس نے پھر محبت کرنا چھوڑ دی۔ اپنے آپ سے ناراض شخص ساری دنیا سے ناراض ہو جاتا ہے اور ساری دنیا سے ناراض شخص کب پھولوں کی آبیاری کرتا ہے، کب محبت کی فصل بوتا ہے، میرے بچے کو تو خود میری اولاد نے دربدر کیا ہے۔ یہ بے قصور ہے، یہ بے قصور ہے۔" وہ رو رہی تھیں اور وہ خاموشی سے اس کے پاس اٹھ آئی تھی وہ اسے اپنے انداز سے ہینڈل کر رہی تھی، دوستی کی نئی جہت کی بات کر رہی تھی اور وہ خاموش تھا۔

"مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں میں اب صرف نانو کا زہران بننا چاہتا ہوں۔" تیس سال کا یہ شخص کیا تھا کیا سے کیا ہو گیا تھا، وہ اسے دیکھ رہی تھی وہ آج کے حادثے سے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا اور اسے جوڑ کر نئی شکل دی جا سکتی تھی وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی مگر وہ خاموش تھا، پھر عثمان صحت یاب ہو کر گھر آ گیا تھا، تو وہ اس کے سامنے آیا تو وہ حیران رہ گئی۔

"یہ تم ہو پہچانے نہیں جاتے۔" کھلی ہوئی شرٹ، جینز، بڑھی ہوئی شیو وہ اس کے دفتر کے سامنے

کے پارک میں بینچ پر بیٹھا تھا اور اس نے روز کی طرح عادتاً پھیلے ہوئے ہاتھ پر پرس سے نوٹ نکال کر رکھا تھا مگر پہچان کر وہ چیخ نہیں روک سکی تھی، تھم کر وہیں بیٹھ گئی تھی اور وہ سوال سے پہلے کہنے لگا تھا۔

''میں پہلے تم سے جو کہتا تھا مجھے تم سے محبت ہے تو میرے لہجے میں لفظ ہوتے تھے، محبت نہیں ہوتی تھی، میں صرف تم سے اپنی انا مردانگی کی جیت چاہتا تھا، مجھے کسی نے کبھی رد نہیں کیا تھا لیکن تم نے کہا تھا تمہارے لیے محبت ایک گہرے راز جیسی ہے میں سمجھا یہ تمہاری صرف لفاظی ہے، تمہارے لیے شاید میں وہ پرکشش آفر نہیں کر سکا جن پر تم مجھ سے میری طرح جھوٹی محبت کا ڈھونگ کر سکتیں، تب میں نے تمہارے قریب آنے کی سعی کی تمہیں نامحسوس جھکانے کی کوشش کی، لیکن جب میں کامیاب نہیں ہوا تو مجھے تجسس ہوا آخر کیا ہے تم میں جو اپنی طرف کھینچتا ہے پھر میں نے تمہاری شخصیت کی پرتیں اتارنے کے لیے اپنا آپ بدل لیا جو تمہیں پسند تھا، جیسا تمہیں پسند تھا ویسا بنا لیا پھر بھی لیکن جب تمہاری نگاہ نے مجھے نہیں دیکھا تو میں نے سوچا کیا تمہاری نفرت مجھ سے بڑی ہے یا تمہاری محبت پھر میں نے سوچا میں اتنا برباد ہو جاؤں کہ تم مجھ سے محبت نہ کرو تو نفرت بھی نہ کرو تم مجھ پر ترس کھاؤ تمہارا دل پسیج جائے تم رو دو۔

محبت خیرات نہیں تم نے کہا تھا مگر جب یہ ملتی نہیں ہے یا تو مدتوں بعد ترس ترس کر ملتی ہے تو دل بڑھی ہوئی تھیلی بن کر اس کے سامنے پھیل جاتا ہے پھر دل چاہتا ہے اسے اس کا مطلوب بس مل جائے اسے وہ مل جائے جو دل کی حاجت ہے پھر چاہے وہ خیرات کیوں نہ ہو۔''

اس نے اس کی طرف دیکھا کہنا چاہا کہ دل کی ہر محبت صرف اس کے لیے ہے اسی کی ہے مگر کہہ نہیں پائی خاموشی سے اٹھ کر پارکنگ لاٹ میں آ گئی جہاں الوینہ عارف اور ندیمہ...... اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

''کیا ہوا' کہاں رہ گئی تھیں' ہمیں اتنی جلدی بلا کر دفتر سے خود محترمہ سے نکلا ہی نہیں جاتا۔''

''کام بہت کرتی ہے ناں ایک انہیں مصروفیت کا ہوکا ہے ایک ان کے بھائی کو'' الوینہ نے چھیڑا اس کے چہرے کی سنجیدگی کو ہمیشہ وہ عارف سے جھوٹ موٹ کے جھگڑے کی بات سے دور کیا کرتی تھی کیونکہ وہ خود تو عارف سے لڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھی لیکن عارف واسف کے متعلق کوئی اور کچھ کہتا یہ اس سے برداشت نہیں ہوتا تھا لیکن اس وقت......

''کیا ہوا تم کیا رو رہی ہو......؟''

''ندیمہ دیکھو اس کی آنکھ کی نمی......'' الوینہ نے چور پکڑا اور وہ مکر نے والے انداز میں ہنسنے لگی۔

''پاگل ہو تو دونوں بھلا میں کیوں روؤں گی بس آج گرد بہت اڑ رہی ہے ناں شاید کوئی ذرہ آنکھوں میں چلا گیا۔'' ندیمہ نے سامنے دیکھا وہ گاڑی میں بیٹھنے والے شخص کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔

''تم زہران سے ملی تھیں۔''

''وہ خود مجھ سے ملنے آئے تھے۔'' یہ لحہ زعم کا نہیں تھا لیکن خوامخواہ کسی کی محبت ہونے پر اترانے کو جی چاہا تھا اور الوینہ نے اسے دیکھ کر کہا تھا۔

''سائرہ اور نوما سے کل ملاقات ہوئی تھی وہ کہہ رہی تھیں زہران اب بالکل بھی پہلے جیسے نہیں رہے ہیں وہ بدل گئے ہیں خاندان کے سب سے سنجیدہ انسان ہو گئے ہیں دونوں کا خیال ہے تمہیں ان کے متعلق

نرمی سے سوچنا چاہیے۔'' وہ خاموش بیٹھی رہی تھی پھر گھر پہنچی تو الوینہ تو کچن میں مصروف ہو گئی تھی اور وہ اسے کمرے میں لے جا کر غصے سے بولی تھی۔

''آخر تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو محبت بار بار آپ کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتی ایک شخص تمہاری اتنی چاہ کر رہا ہے اور تم تمہارے مزاج ہی نہیں ملتے آخر تمہارے انکار کی وجہ کیا ہے کیا واقعی تم زہران سے محبت نہیں نفرت کرتی ہو۔''

اس کے چہرے پر تشنجی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جس سے محبت کریں ہر لمحہ ہر سیکنڈ اور اس سے محبت مشکوک ہونے لگے تو...... وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ گئی تھی پھر جیسے ہواؤں کو مخاطب کر کے پکاری تھی۔

''انسان جس سے سچی محبت کرتا ہے اس کی عزت نفس کی پرواہ اپنی محبت سے بھی زیادہ کرتا ہے وہ کوشش کرتا ہے ایسا موقع نہ آئے جہاں ایک کی جیت اور ایک کی ہار کا سوال اٹھے کہ محبت بیک وقت جیتنے اور ہارنے والے دونوں کو شہ مات دے دیتی ہے لیکن پھر بھی محبت کبھی نہیں چاہتی ایک آسمان ہو دوسرا زمین' کوئی طالب یہ نہیں چاہتا اس کا مطلوب اس کے لیے دنیا کے سامنے تو کیا خود اس کے سامنے بھی جھکے اس سے بھی ہارے۔''

''پاگل ہو تم' تم کسی فلم یا افسانے کی ہیروئن نہیں جو یوں سوچتی ہو یہ سب باتیں کتابوں کی حد تک اچھی لگتی ہیں لیکن ان باتوں خبطی سوچوں پر واقعی محبت ٹھکرا دینا حماقت کے سوا کچھ نہیں' عینا میں نے کبھی یہ دعوا نہیں کیا کہ میں محبت بہت اچھی طرح پرکھ سکتی ہوں، لیکن اس دنیا میں اگر تم نے یا اس نے محبت کی ہے تو واقعی ٹوٹ کر ایک دوسرے سے کی ہے تمہیں اور اسے ایسی محبت کرنے والا پھر کوئی اور نہیں ملے گا وہ تمہارا مقسوم ہے اسے مت جانے دو۔'' وہ سننے کی بجائے خاموشی سے سٹنگ روم کے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی تھی وہ اسے اب برا بھلا کہہ رہی تھی تب وہ اپنے کیوٹکس لگے ناخنوں کو حسرت سے دیکھ کر پھر سے بولی۔

''وہ محبت کرنا سیکھ گیا ہے ندیمہ اس لیے اسے کوئی بھی لڑکی اب کیسے بھی چاہے سنوار سکتی ہے میں نے اس کے دل کی مٹی کو نرم کر دیا ہے وہ اب محبت کی فصل کے لیے تیار ہے جو بھی چاہے اس زمین میں پنیری لگا سکتا ہے۔'' وہ غصے میں تن کر کھڑی ہو گئی تھی کہ وہ سٹنگ روم کے سامنے آن رکا۔

''پتا نہیں مجھے یہاں آنا چاہیے تھا یا نہیں لیکن یہاں آ کر جو کچھ سنا ہے اس نے یہی دل کو تسلی دی کہ ہر کام اچھے کے لیے ہوتا ہے اگر میں تم سے نفرت کے چکر میں نہ ٹکراتا تو آج مجھے محبت کرنا نہیں آ سکتی تھی عینا جو تم سمجھی ہو وہ درست لیکن میرا دل بھی تو کچھ کہتا ہے۔'' اس کے ہونٹ کپکپانے لگے تھے اندر کا ابال باہر آنے کو مچل رہا تھا اور وہ قریب ہو کر پکارا تھا۔

''تم کہتی ہو تم نے میرے دل کی مٹی کو نرم کر دیا ہے تو تم غلط نہیں کہتیں واقعی میری زمین محبت کی پنیری کے لیے تیار ہے مجھے کوئی بھی سنوار سکتا ہے مگر میرا دل اگر یہ چاہے کہ صرف تمہارے ہاتھ ہی مجھے سنواریں اگر میں چاہوں کہ صرف تم میرے دل کی کھیتی میں محبت لگاؤ تم محبت بنو تو کیا تم تب بھی انکار کرو گی۔'' وہ سر جھکا کر رہ گئی تھا منے والا محبت کے احساس سے فاتح تھا اور اس کا دل......

اس کا دل تو کب سے محبت کے سامنے ہار چکا تھا لیکن یہی ہار تو اس کی فتح ابدی تھی اس نے سکون سے آنکھیں بند کر لیں ایک شعر دل گنگنائے جا رہا تھا۔

ایک امید سی دیتی ہے سہارا مجھ کو
برف رت پر کوئی سورج سا دھرا لگتا ہے

محبت نے اس سورج کی حدت سے برف رت میں بھی شگوفے کھلانے کا ہنر آزما لیا تھا امید کا اک سہارا دل کو بڑھا وا دے رہا تھا رتوں پر سورج کی نارنجی شعاعیں عمودی پڑ رہی تھیں وا ہمے سوچیں خدشے رفتہ رفتہ پگھل رہے تھے آنکھوں میں پانی تیرنے لگا تھا اس نے اس پانی کو پلو سے صاف کر لیا تھا آنکھیں بند کر کے وہ کرسی پر بیٹھ گئی تھی وہ اندر محبت کی جیت کے بگل بجانے اس کے مان جانے کی نوید سنانے بڑھ گیا تھا اور اس نے کھلی آنکھیں پھر سے بند کر لی تھیں اور ان آنکھوں میں محبت چپکے سے خواب بننے لگی تھی خوب صورت انوکھے خواب۔

○ ○ ○ ○ ○

ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ھے

وہ ابھی ابھی دفتر سے اٹھی تھی آج چودہ جون اور ہفتے کا دن تھا اس لیے اس کے قدم بس سے اتر کر خود بخود پھولوں کی دکان کی سمت اٹھ گئے تھے اس وقت وہ جینز اور ہلکے سے سفید کرتے میں ملبوس تھی لمبے بالوں کی چٹیا کمر پر جھول رہی تھی آنکھوں پر باریک فریم کی عینک لگائے بار بار چہرے پر جھول جانے والی لٹ کو وہ دوسرے ہاتھ سے پرے کرتے ہوئے پھولوں کی دکان میں اپنے مطلوبہ پھول ڈھونڈ رہی تھی۔ پھر یکدم وہ رکی۔

''پلیز یہ بکے دیجئے گا......'' فلورسٹ گرل نے چونک کر اسے دیکھا وہ ہر ہفتے یہاں سے یہی بکے لے جاتی تھی آج اس کا خیال تھا وہ اس سے اسی بکے کو منتخب کرنے کے متعلق چھپی کہانی کو ضرور کھوجے گی بظاہر وہ عام سی لڑکی تھی اور خود اتنی مصروف کہ اس کے ذہن میں ایسا خیال رہنا زیادہ دیر تک ناممکن تھا۔ مگر ہر ہفتے اسے ''گل نرگس'' خریدتے دیکھ کر اسے بس ایک کسک سی ہوتی تھی اس لیے آج اس نے بکے اس کے سامنے رکھا تو نہایت اپنائیت سے بولی۔

''میم صرف انہی پھولوں کی پسندیدگی کی کوئی خاص وجہ......؟''

وہ کینوس بیگ سے والٹ نکال کر رک گئی فلورسٹ گرل کو گمان ہوا وہ اس کے حد سے تجاوز کرنے والے لہجے پر اسے سخت سنائے گی لیکن وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔

”یونہی مجھے انتظار کی عادت ہے۔“

فلورسٹ گرل نے سر ہلا کر اس بات کی تائید کی لیکن اس جواب سے بہت سے نئے سوال اس میں در آئے تھے۔ تیز رفتاری منہ کے بل گرا سکتی ہے اس نے سوچا اور پھولوں کی کاٹ چھانٹ میں لگ گئی۔

وہ بکے لیے گلاس ڈور پش کرتی باہر آ گئی تھی سخت دھوپ کی تپش گرچہ کم ہوگئی تھی مگر اب بھی گرم دن کی ساری گرمی اس کے اندر کسی تلخ یاد کی طرح ہلکورے لے رہی تھی۔

پچھلے کسی برس جب ایسی گرمی تھی تو وہ کتنی زیادہ کولڈ ڈرنک اور آئسکریم کھا جاتی تھی اور وہ شیرازی وہ کیسے اس کی فرمائشوں پر بلبلایا کرتا تھا۔

”فائحہ پلیز یار میرے والٹ پر کچھ رحم کھاؤ اگر ایسی فضول خرچی کرو گی تو میں ممی سے کہوں گا ابھی بھی سوچ لیں ابھی گیند اپنے کورٹ میں ہے ایسی چٹوری بہو گھر لانے کا مطلب ہے دھڑن تختہ!“۔

وہ اس بات پر کتنا ہنسا کرتی تھی اس نے گلاسز اتار کر آنکھیں پونچھیں اور گیٹ پار کر کے اندر داخل ہوگئی یہاں ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا ہرے بھرے درخت خزاں کا عنوان بنے ایستادہ تھے خاک اور مٹی کا کھیل رچا ہوا تھا ہر طرف مٹی اڑ رہی تھی اور شکستہ و دریدہ قبریں نوحہ کناں تھیں۔

یاد کرنے یاد رکھنے کا دعوا کرنے والے دل اور چہرے کہیں گم تھے اور بھلا دیے جانے والی آنکھیں اس غم میں بین کر رہی تھیں، وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ایک قبر کے سامنے آن رکی۔

”شیرازی“ صاف لفظوں میں اپنا پتا دے رہا تھا۔ اور وہ بے پتا کسی شہر کے کسی بہت اجنبی دیار میں کھڑی تھی مہر لب خاموش، دُکھ کی ہر کیفیت اس کے چہرے پر تھی کچھ اس طرح کہ دکھ کسی واقع میں کھوجنا کار دشوار نہیں لگتا تھا بلکہ خود مجسم دکھ سامنے کھڑا تھا جو خاموش تھا ہجر سے ہوک رہا تھا۔

”تم چلے گئے شیرازی اور میں سمجھتی تھی میری دعائیں میری محبتیں تمہیں کبھی مرنے نہیں دیں گی لیکن تم نے یہ تلخ جام پیا تو مجھے لگا ہر چیز فانی ہے مگر کاش اس سب کچھ میں سے ہماری محبت ابدیت رکھتی مگر تم نے سب سے پہلے اسے ہی موت کا پروانہ جاری کیا مگر شیرازی آج بھی تم دیکھ لو تمہیں لگے گا اس محبت میں سوہنی اور ہیر اتنی جنونی نہیں تھیں جتنی میں ہوں، میں جس نے محبت کا حرف اول تم سے ہی سیکھا اور آج اس محبت کے ہر لفظ کے آگے میرا دل ہے جو سرنگوں ہے دیئے کی طرح جل رہا ہے مگر تم...... تم شاید محبت پا کر کھو دینے کا دکھ کبھی نہیں سمجھو گے کبھی نہیں......“

آخری لفظوں تک آتے آتے حرف اس کے لہجے میں ہلکورے لیتے آنسو بن گئے تھے وہ بکے قبر پر رکھ کر شہر خموشاں سے باہر کی سمت چلتی چلی گئی تھی مگر وائٹ مرسڈیز میں بیٹھے شخص کو لگ رہا تھا وہ ہر لمحے کے اندر ایک نیا جہان تھی دلکش اور سحر انگیز حسن پر اترانے والا کوئی رنگ اس کے چہرے پر نہیں تھا اور اسے لگتا تھا اس کے چہرے پر حسن کی یہی ایک نئی جہت ہے کہ وہ خود ایک الگ رنگ پہنے کھڑی تھی انتظار کا رنگ جاں گسل ہوتا ہے مگر اس کے سراپے میں یہ رنگ کتنا شوخ کتنا اپنا سا لگ رہا تھا اس نے سوچتے ہوئے اپنا سر پشت سے ٹکا دیا اور نیم وا آنکھوں سے اسے پھر سے دیکھنے لگا۔

”مجھے اس لڑکی کو جانتے ہوئے ایک برس ہوا ہے لیکن مجھے لگتا ہے میں نے جس کی طلب کی تھی یہی وہ لڑکی ہے یہی لڑکی جو مجھے سنوار سکتی ہے جو مجھے ٹھکرا نہیں سکتی پتا نہیں اس کا چہرہ دیکھ کر ہر بات پر

یقین کرنے کو دل کیوں ہو کنے لگتا ہے ہر بات ہونے کے لیے ہی لگتی ہے جو مستقبل میں کسی لمحے میں میرے لیے رقم ہے مجھے لگتا ہے اسے دیکھ کر اس کے لیے قدرت نے کچھ برا نہیں لکھا ہوگا۔ کیونکہ اس لڑکی میں جو محبت ہے میرے دل کو ڈھارس دیتی ہے کہ اس کی محبت میری محبت ہے جو مجھے کبھی ہارنے نہیں دے گی۔“ نیم وا آنکھیں ہولے سے اس نے بند کر لی تھیں وہ منظر سے ہٹ چکی تھی بس دھواں اڑاتی آگے بڑھ گئی تھی۔

”ایک ہفتے کا جاں گسل انتظار“ اس نے ونڈ اسکرین کی طرف دیکھا اور مرسڈیز اسٹارٹ کر کے سڑک پر لے آیا فاصلہ بے حد کم تھا مگر اسے صدیوں پر بکھرا وقت لگ رہا تھا۔

میں نے بہت جیا ہے بہت اپنی طرح سے میری زندگی ورق سادہ کبھی نہیں رہی کتنی لڑکیاں آئیں اپنی مرضی سے اس سینے میں ٹھہریں اور اپنی مرضی سے اس دل کو خیر باد کہا لیکن میرا دل چاہتا ہے یہ لڑکی جو چپکے سے میرے دل میں آن بسی ہے یہ میری محبت کے ٹرانس میں یونہی ساکت رہے اس کے قدم واپسی کا راستہ نہ جان سکیں میں ہر کھڑکی ہر دروازہ بند کرلوں اور چابیوں کو کسی گہرے پاتال میں گرا کر بس چھپ چھپ کر اسے دیکھوں اور رشک کروں کہ یہ لڑکی کس قدر میری ہے میری ہو کر وہ کیسی ہو سکتی ہے میں سوچوں تو کوئی رنگ اس پر کھلتا ہی نہیں وہ میرے سامنے آ کر دھنک اوڑھ لیتی ہے۔ ”رنگ باہر کہاں ہیں یہاں ان آنکھوں میں جھانکو۔“ ہر روز وہ مجھے دعوت دیتی ہے اور میں دوزانو اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی تمنا کرنے کی باوجود اسے بھرپور نظر سے دیکھنے کی ہمت نہیں کر پاتا اگر جو میری نظر سے وہ کملا گئی میرے اندر کی تپش میرے کچھ گناہوں کی آگ۔ اگر اس کے آنچل کو چھو گئی تو......

اور بس اس کے بعد میں ہر خواہش کو دل میں رکھنے کی سعی کرتا ہوں اور اسے دور سے دیکھتا ہوں مگر بے سبب ایسے میں دل چاہتا ہے کہ میں ہر خیال باطل کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکوں اور دیکھوں اس کی آنکھوں کا رنگ کیا ہے؟ اس رنگ میں کیا میرے نام کا بھی کوئی عکس ہے یا نہیں؟

اسٹیرنگ وہیل پر اس کے ہاتھ متحرک تھے اور روز کی طرح دماغ مصروف عمل تھا وہ بہت دوٹوک بات کرتا تھا اس کا حکم حرف آخر سمجھا جاتا تھا وہ چاہتا تو ایک سیکنڈ میں اس شہر میں خاک و خون کا بازار گرم ہو سکتا تھا وہ جو تمنا کرتا، جس کی تمنا کرتا یہ ناممکن تھا کہ وہ اس کی قربت کی انکاری ہوتی مگر اس چہرے تک آتے آتے اس کے اندر کا الاؤ بجھ سا جاتا تھا وہ چاہتا تھا وہ اسے اس کی رضا سے مانگے اور جب تک وہ اس کی نہیں تھی خیالوں میں اس کی بنی ہوئی تھی اتنی اتنی کہ وہ کبھی کبھی ہر کام چھوڑ کر صرف اسے ہی سوچتا اچھے لفظوں میں اسے تراشنا سراہنا اچھا لگتا ہے کچھ اچھا لگنا کتنی خوبصورت کیفیت ہے۔

”کتنی خوبصورت کیفیت۔“ اس نے مرر میں اپنا چہرہ دیکھا اور دل نے کہا۔

”کسی کے اچھا لگنے کی کیفیت اتنی دلکش ہے کہ پھر موت بھی سامنے کھڑی ہو تو مر جانا برا نہیں لگتا ہاں بس یہ دل ضرور چاہتا ہے کہ مرتے ہوئے ان آنکھوں میں جو اس دل کو پیاری ہیں، بہت ڈھیر سارا پانی بھرا ہو ہونٹوں پر ان کہی، ادھوری بات کی طرح کپکپاتی ہو اور سانس۔ سانس ان بانہوں ان خواب آگیں لمحوں میں منقطع ہو جو لمحے محبت سے بھی پیارے ہوں۔

”اسفند یار تم...... تم کس قدر شاعرانہ انداز میں سوچنے لگے ہو مجھے حیرت ہے ان پینتیس سالوں

میں۔ میں نے کبھی تمہیں اتنا جنون پسند نہیں پایا تم تو ہر چیز ہر بات کو سو واٹ کہہ کر آگے بڑھ جاتے تھے مگر ایک سال سے تم صرف ایک نقطہ اور ایک چہرے پر ٹھہرے ہوئے ہو حیرت ہے کہ تمہارے اندر کی رجائیت تمہارے اندر ہیجان برپا نہیں کرتی۔''

جواب ندارد تھا اس لئے وہ دھیان بٹانے کی غرض سے ایک مشہور ہوٹل کی سڑک پر آ گیا۔

''کتنے دن ہو گئے میں نے ٹھیک طرح سے بلیرڈ نہیں کھیلا ٹھیک طرح ڈرنک نہیں کی مجھے پتا نہیں یہ کیوں لگتا ہے اگر میں نے انہی راستوں پر سفر کیا جہاں پر اب تک محو سفر تھا تو میں اسے کھو دوں گا اسے جسے میں نے بہت اچانک پایا تھا۔'' وہ ٹھہر گیا کار مخصوص پارکنگ لاٹ میں روک کر وہ چابی واچ مین کو دیتا بالوں میں ہاتھ پھیرتا اندر کی سمت بڑھتا گیا ہال میں سب سے پہلے اسعدی سے اس کا سامنا ہوا تھا۔

''ہائے اسفی تم یہاں؟ میں روز تمہارے بارے میں جوزف سے پوچھتا تھا مگر سب کا خیال ہے تم آدم بے زار ہو گئے ہو سب کہتے تھے تم شاید اس شہر میں ہی نہیں رہتے اور وہ مادام صفیہ وہ مجھ سے پوچھتی تھیں کہیں اپنے اسفی نے کسی ویرانے میں قیام تو نہیں کر لیا کسی برگد تلے نروان تو نہیں بھوگ لیا۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا اور آج شام اپنے ساتھ شیئر کرنے والوں کے ہاتھوں مخصوص زاویوں سے ملنے والی آفرز کو خوش اسلوبی سے ٹالتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''اے اسفی دی گریٹ کیا واقعی تم نے دنیا کو تیاگ دیا ہے۔''

''وہ کہے تو شاید میں خود کو بھی تیاگ دوں مگر وہ کہے تو؟'' حسرت نے دل میں ٹیس کی طرح سر ابھارا اور اس کا دل چاہا وہ پوچھے اتنے بہت سے لوگوں میں کیا اس نے بھی کبھی پوچھا کہ وہ اسفند یار جو ہر روز دکھائی دیتا تھا وہ کہاں ہے مگر وہ یہ کب پوچھے گی وہ تو مجھے نام کی حد تک بھی نہیں جانتی وہ تو یہ بھی نہیں جانتی کہ میرے دل کے معبد میں وہ ایک نور کی طرح ابھری تھی اور اس نے کہا تھا۔

''جان محبت کیا ہے اور دیکھ یہ محبت کیسی ہوتی ہے'' تب میں نے جاننے کے زعم میں اسے دیکھا تھا اور اپنا آپ گنوا دیا تھا محبت میرے سامنے کھڑی تھی اور میں نے آرزو تمنا کی جگہ خود کو خیرات کر دیا تھا میں تھا مگر نہ ہونے جیسا اور وہ نہیں تھی اور مکمل تھی میرے سامنے پورے وقار اپنی نسوانیت کے فخر سمیت کھڑی تھی۔

''اسفی کیا ہو گیا آج کل تم بولتے کم ہو سوچتے زیادہ ہو کسی بھوت پریت کا قبضہ تو نہیں ہو گیا۔'' اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ بولا۔

''محبت کو جاننے والے ایک شخص نے کہا ہے جو محبت کو جان لیتے ہیں وہ محبت کو لفظوں میں نہیں جانچتے وہ اسے ابدی خاموشی میں کشید کرتے ہیں کہ محبت لفظ نہیں دل ہے اور اسے صرف دل کی ان کہی میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔''

اسعدی منہ کھولے اسے دیکھے گیا اتنی حیرت شاید اسے اسفند یار کے مرنے پر نہیں ہو سکتی تھی جتنی حیرت اب اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

''اسفی مجھے لگتا ہے تم پر واقعی کوئی سایہ وایہ ہو گیا ہے وگرنہ تم اور ایسی باتیں۔''

وہ رک گیا اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرنے لگا اور وہ دھیمی محبت کی طرح دھیمی مسکراہٹ سجا کر

بولا۔

''اسعدی محبت کرنا یا اس کو سراہنا صرف دماغی خلل کے سوا کچھ نہیں ہے؟'' شاید وہ جاننا چاہتا تھا درحقیقت وہ محبت کو کتنا جان پایا ہے اور اسعدی نے نئی ڈرنک بنا کر ہونٹوں سے لگاتے ہوئے اسے غور سے دیکھا تو کہا۔

''محبت وحبت یہ میرے لیول کی چیز نہیں اور جو چیز میرے کسی کام کی نہ ہو میں اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکتا ہوں اور یہ محبت یہ بھی میرے لئے بے کار چیز ہے میری رش لائف میں اس کی گنجائش نہیں زندگی دو دن کی ہے سو اس کا مزہ بہت ضروری ہے۔'' اس نے بات ختم کرتے ہوئے سلیمہ احمد کے ہاتھ کو ہولے سے چھوا اور وہ مسکراتی ہوئی اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی یہاں لگاؤ اور محبت کی صرف یہی تشریح تھی اسفند یار نے دونوں کی نگاہوں کے ٹکراؤ کو دیکھا اور سر جھکا لیا کہ ایسی کتنی ہی شامیں اس کے کاندھوں پر بار تھیں۔

''تم کچھ کھاؤ گے تو آرڈر کر دو میں ابھی آیا۔'' وہ گلاس اٹھائے سلیمہ احمد کی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ دونوں نے بہت خاص انداز سے ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا تھا مگر...... خلش ایک ادھوری بات کی طرح اس کے سینے میں چبھنے لگی تھی۔ آرکسٹرا نے دھن بدل دی ڈانسنگ فلور پر ایک ایک کر کے جوڑے آنے لگے تھے۔

''کیا آپ یہ شام میرے ساتھ گزارنا پسند کریں گے......'' اس نے مسز بقائی کی نواسی کی طرف دیکھا۔

''یہ خاندان اس ملک کی سیاست میں کس قدر ضروری ہے مگر اس لڑکی کے لیے اپنی ذات کے سوا کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

''آج آپ موڈ میں نہیں لگ رہے خیریت؟''

یہ سوال کسی اور نے کیا ہوتا تو کتنا اچھا لگتا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں آیئے اس شام کو انجوائے کریں۔'' اس نے یکدم موڈ بدل لیا وہ اپنی سوچوں سے خود کو بچانے کی سعی کرتا اٹھ گیا تھا۔ ڈانسنگ فلور پر تھرکتے قدم ڈولتے وجود سب ایک تسلسل کا حصہ تھے تسلسل جو بہت تواتر سے ہو تو بورنگ لگتا ہے مگر اسے اسی بے زار کن لمحوں سے کچھ لمحے چرانے تھے وہ مگن تھا اور بہت زیادہ فارم میں تھا سب اسے رشک سے دیکھ رہے تھے آج کی پسند پر اسے روبرو داد دے رہے تھے لیکن وہ سوچ رہا تھا اگر زندگی اسے واقعی اپنی پسند سے کچھ منتخب کرنے کا حق دیتی تو اس کی پسند صرف ایک لڑکی ہوتی وہ جو عجیب سا دھیما دھیما آنچ دیتا حسن رکھتی تھی جو بہت سے چہروں میں سے بہت الگ سے پہچانی جا سکتی تھی۔

''اسفی تم غلط اسٹیپ لے رہے ہو خیریت......''

اس نے چونک کر اس کے شگی کٹ بالوں میں الجھا ہاتھ اس کے کاندھے پر رکھ لیا۔

''آئی ایم ساری شاید میں فارم میں نہیں ہوں۔''

وہ ہولے سے الگ ہو گیا مگر سونیا رحیم نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

''آج آپ شروع سے کچھ اداس سے لگ رہے ہیں کیا میں پوچھ سکتی ہوں کیوں؟'' اس نے سگار کا کونا توڑ کر لائٹر کا شعلہ دکھایا۔

''کیا آپ نے یہ سوال کبھی خود سے کیا کہ آپ اتنی اداس رہتی ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟''

''میں نے اکثر یہ سوال خود سے کیا ہے لیکن شاید اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔''

''پھر آپ کیسے سمجھتی ہیں کہ یہ جواب مجھے آتا ہوگا......'' وہ اب کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ تب اس نے دیکھا نازک اندام سونیا رحیم نے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

''سینہ جل جائے گا آپ کو نیٹ استعمال نہیں کرنی چاہئے۔'' بے سبب اس نے ترحم سے اسے دیکھا تھا اور وہ عجیب خالی سی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر خالی آنکھوں سے بھی زیادہ خالی لہجے میں بولی تھی۔

''میں جب اولیول میں تھی تب سے کوئی ہے جو پوچھتا رہتا ہے لڑکی۔ تم......تم اتنی اداس کیوں رہتی ہو۔ تمہارے پاس نام ہے شہرت ہے دولت ہے پھر تمہیں کیا غم ہے تب میرا دل حساب کرنے لگتا ہے، تب مجھ پر کھلتا ہے میرے پاس سب کچھ ہے لیکن اس سب کچھ میں میرا اپنا کمایا ہوا کچھ بھی نہیں ہے۔ میری ایک پیڑھی نے جو کچھ کمایا تھا دل جان دے کر جو نیکی سمیٹی تھی ہم تین پیڑھیوں سے بس اس کی خیرات کھا رہے ہیں سب کہتے ہیں تمہارا ہاتھ دینے والا ہاتھ ہے اور میں ہوں خیرات مانگنے والوں کی سب سے آخری قطار میں کھڑی ہوں میرا ماضی مجھ پر تاسف سے ہاتھ ملتا ہے اور ڈھیر ساری اداسی میری طرف اچھال دیتا ہے یہ اداسی ایک اکیلی میری جاگیر ہے وراثت ہے میرے گھر میں اور کوئی نہیں جو اس طرح سوچے یہ سوچنا کتنا بڑا عذاب ہے ناں۔'' اس نے سر ہلا دیا اور اس کے اندر کوئی پکارا۔

''سوچنا سمت دکھاتا راستہ ہے جو قدموں کو مہمیز دیتا ہے سوچنا اعتراف کرنا سکھاتا ہے اور اعتراف انسان کو پھر سے پاک کر دیتا ہے کہ تسلیم کر لینے والے ہی بیتی زندگی پر پہلے سے اچھے انداز میں تبصرہ کرنے کی تمنا میں اچھا ہونے کی سعی کرتے ہیں۔''

''تم اس طرح خاموش کیوں ہو کیا تمہیں لگتا ہے میں تمہیں بور کر رہی ہوں؟'' اس نے چونک کر دیکھا۔

''نہیں تم بہت اچھی باتیں کر رہی ہو ایسی باتیں جو یہاں پر موجود کوئی بھی شخص کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تم سچ کہہ رہی ہو اور سچ کا گراں بار یہاں کسی کے کاندھے برداشت نہیں کر سکتے کہ ہم سب جھوٹ کھانے اوڑھنے اور بچھانے کے اتنے عادی ہیں کہ ہمارا آئینہ بھی ہمیں کبھی ہمارا اصل چہرہ نہیں دکھا سکتا۔''

''آئینہ توڑ دینا کتنا آسان ہے مگر اسفی ہم سب اپنی کریہہ اور اندر کی بدصورتی سے لتھڑی شکلیں کبھی سنوارنے کی کوشش نہیں کرتے۔''

''تم شاید درست کہہ رہی ہو لیکن یہاں پر ہر شخص غلام ہے اپنی مرضی سے نہیں جیتا کچھ اپنے نفس کے سامنے محکوم ہیں اور کچھ اپنی رضا سے اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کے سامنے غلام ہیں ان کی سوچ بھی پابند سلاسل ہوتی ہے۔''

''تم بالکل ویسی باتیں کرتے ہیں اسفی جیسی میں سوچا کرتی ہوں اس شہر میں ایک اپنی جیسی سوچ کا

دوسرا ہم نوا مل جانا کتنی قیمتی متاع ہے کاش میں تمہیں بتا سکتی......'' اس نے گلاس رکھ کر ہولے سے اس کا ہاتھ تھاما پھر مخمور لہجے میں بولی۔

''آؤ اسفی آج کہیں چلتے ہیں کہیں ایسی جگہ جہاں ہماری باتوں کے سوا کچھ نہ ہو۔'' اسفند یار نے کچھ ساعت اسے دیکھا اور بے سبب اس کے ہمراہ اٹھ گیا موبائل سے اس نے ڈرائیور کو اپنی کار ہوٹل سے پک کر لینے کا اطلاعی حکم دے دیا تھا اس وقت وہ سونیا رحیم کے برابر بیٹھا تھا یہ ایک حسین و جمیل نازک اندام لڑکی تھی مگر اسے لگتا تھا وہ بس ایک دل ہے اس کی طرح کا تڑپتا ہوا دل، سونیا رحیم خاموش تھی مگر اسفند یار کو محسوس ہو رہا تھا وہ مسلسل محو کلام ہے ایک آنسوؤں کا گولا تھا جو کہیں اس کے سانس اور لفظوں کے درمیان اٹک رہا تھا اس کے پورے وجود میں ارتعاش تھا بالکل ویسا ہی ارتعاش جیسا کسی جاں بلب مریض کے منہ پر سے آکسیجن ماسک ہٹا دینے کے بعد اطراف میں پھیلتا ہے۔

''سونیا تمہیں کیا چیز خوشی دیتی ہے۔ کبھی تم نے اندازہ لگایا۔'' سونیا رحیم نے اس کی آنکھوں میں جھانکا پھر حسرت سے بولی۔

میری زندگی میں خوشی میرے بچپن کے سوا کچھ نہیں تھی میری گڑیا میرا ٹیڈی بیئر میرا پالتو کتا میری کامکس بکس، میرے لیے یہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں تھیں جو دن بھر میں ایک دوسرے سے مل جاتیں تو میرے لیے ایک خوشی بھرا یادگار دن بن جاتیں میرے لیے ماما کا پیار تھا نہ پاپا کا دادی دادو سب کی مصروفیتوں میں۔ میں کہیں بھی نہیں تھی سو مجھے میرا کمرہ ایک چھوٹی سی اپنی ذاتی جاگیر لگا کرتا' میں اپنی کامکس بکس میں موجود اچھے اچھے کردار منتخب کرتی اور اسے ایکٹ کیا کرتی لیکن جب میں شعور میں پہنچی تو مجھے لگا زندگی کامکس بک نہیں ہے اس میں انہونیاں نہیں ہوتیں کچھ خوش کن انہونیاں جو دل میں ترنگ جگا دیں میں نے گھر میں ہر طرف گوان ٹیک محبت نہیں دیکھی یو ویلکم قسم کی محبتوں کے بیج' دل میں نہاں نفرتیں' میں دیکھتی رہی اور آہستہ آہستہ سمٹتی رہی میرے اطراف پھر کچھ بھی ایسا نہیں تھا جو میرے لیے خوشی کہلاتا۔''

وہ یک دم چپ ہوگئی اس کے ہاتھ اسٹیرنگ وہیل پر تھے وہ اس وقت سونیا رحیم کے اختیار میں تھا مگر اس بے اختیار لڑکی کے اختیار میں ہونا عجیب قسم کی معصوم سی خواہش تھی جسے وہ رد نہیں کر پا رہا تھا وہ جس نے زندگی میں کبھی اپنے علاوہ کسی کی چوائس اور مرضی پر سانس لینا گوارا نہیں کیا تھا۔

''تمہارا فارم ہاؤس کتنی دور ہے سونیا......'' اس نے اس خاموشی کو توڑنا چاہا اور وہ ہولے سے بولی۔

''اتنا زیادہ دور نہیں کہ اس زندگی میں پایا نہ جا سکے ویسے تمہیں اگر اس زندگی میں کچھ پانے کو کہا جائے تو تم کیا قبول کرو گے۔''

اسفند یار نے سوچا اور چھم سے وہی چہرہ نگاہوں میں آ ٹھہرا۔

''شاید مجھے اس زندگی میں ایک اس کے ساتھ کے سوا کچھ قبول نہ ہو۔''

''اس کا ساتھ؟ تمہارا مطلب ہے محبت کا کوئی کردار۔''

وہ ایسے ہنسی جیسے کوئی تجربے کار بزرگ کسی بچے کی ''کھیلن کو مانگے چاند'' قسم کی تمنا پر ہنسے اسفند یار نے اس کے انداز کو دیکھا مگر اپنی رو ہی میں بولا۔

''ڈیئر وہ کوئی محبت کا کردار نہیں وہ خود محبت ہے شاید تم نہیں جان سکو کہ میرے لیے وہ کیا ہے اگر وہ خود آ کر مجھ سے پوچھے وہ کیا ہے؟ تو شاید میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکوں میرے لیے وہ لفظوں سے ماورا ہستی ہے میں نے اسے پایا ہے مگر کبھی نہیں چاہا کہ وہ بھی مجھے ایسے ہی چاہے ......'' وہ گاڑی روک چکی تھی اور ساکت اس کو تکے جا رہی تھی۔

بہت سارے لمحے ایسے ہی گزر گئے تب اس نے کہا۔

''اسفند یار میں تمہیں جتنا جانتی ہوں میرا خیال تھا اس حوالے سے تمہاری زندگی میں کہیں بھی محبت کا دخل نہیں ہو سکتا تم ہارڈ اسٹون مشہور ہو ٹریگر پر تمہاری انگلیاں یوں تیز رفتاری سے متحرک ہوتی ہیں کتنے خون ...... کتنے خون ہیں جو تمہارے کاندھوں پر بوجھ پڑے ہیں۔''

اسفند یار جو محبت کے احساس سے دھیرے دھیرے مخمور ہو رہا تھا یک دم کانپ گیا۔

''یہ ...... شاید یہ سچ کبھی بھی اسے محبت کے شہر کا باشندہ نہیں رہنے دے گا کہ محبت زندگی دان کرتی ہے موت نہیں بانٹتی مگر یہ دل یہ کم بخت دل!''

''سونیا تمہیں یہ سب کچھ کہتے ہوئے ایک لمحے کو بھی خوف نہیں آیا کیا تم نہیں جانتیں کہ اس وقت بھی میرا ریوالور خالی نہیں تم اکیلی میرے ساتھ چلی آئی تھیں اس لمحے سے ڈر نہیں لگا جو کسی بھی لمحے سب کچھ چرا لے جا سکتا ہے؟''

سونیا رحیم گاڑی سے باہر آ چکی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی جواب کسی اگلے وقت کے لیے سنبھال کر رکھتے ہوئے وہ دونوں چہل قدمی کرنے کے انداز میں دونوں طرف لگے درختوں کے سائے میں چل رہے تھے محبت نے آنکھیں مل کر دیکھا وہ دونوں سائے کے سوا کچھ نہیں تھے جنہیں محبت قبول نہ کرے وہ سائے ہی بن جاتے ہیں مکمل ہونے کی حسرت میں ہوکتے سائے۔

☆......☆......☆

اس نے کال بیل کا بٹن پش کیا تھا اس وقت وہ بے حد ملول و دل گرفتہ لگ رہی تھی اسے لگ رہا تھا اگر کچھ لمحے اور فلیٹ کا دروازہ نہیں کھلا تو وہ یہیں کہیں ٹوٹ کر بکھر جائے گی۔

''کون ہے؟ ......'' سوال سن کر اسے خواہ مخواہ غصہ آ گیا۔

''ہر روز جو آ سکتا ہے وہی ہے ننی ......''

کلک کے ساتھ دروازہ کھل گیا اور وہ مضمحل قدم اٹھاتی اندر داخل ہوئی۔

''ننی کیا ایک کپ چائے مل جائے گی۔'' وہ صوفے پر گرنے والے انداز میں بیٹھ چکی تھی ننی نے اسے دیکھا اور بوڑھی آنکھوں میں پھر سے نمی تیرنے لگی۔

''آج پھر سے گئی تھیں قبرستان۔'' اس نے کچھ نہیں کہا اثبات میں سر ہلا کے سر جھکا لیا تھا تب ہی ننی کا استخوانی ہاتھ اس کے کاندھے پر آن رکا تھا۔

''تم خود کو یہ دھوکا کب تک دیتی رہو گی فائحہ؟''

اس نے کچھ نہیں کہا فلور کشن پر بیٹھ کر سینڈل کے اسٹیپ کھولنے لگی۔

''صبح سے شیرازی کا تین بار فون آ چکا ہے۔ فائحہ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''لیکن میں اس سے ملنا نہیں چاہتی آپ کو اس پر واضح کر دینا چاہیے تھا۔''

''تم اتنی لمبی سزا آخر کس کو دے رہی ہو فائحہ۔''

''پلیز ننی یہ سوال جواب بہت پرانے ہو چکے ہیں آپ جانتی ہیں میں بہت کم اپنے فیصلے بدلا کرتی ہوں پھر بار بار کسی کے کہنے پر ناکام کوششیں کیوں کیا کرتی ہیں؟ آپ شاید نہیں جانتیں لیکن آپ کو انکار مسلسل کرتے ہوئے مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔''

ننی نے سر ہلایا اور کچن کی سمت چلی گئیں تب ہی اس کے کارڈلیس پر بیل ہوئی وہ مسلسل اسے اگنور کرتی رہی کہ بار بار نمبر ایک ہی تھا ایک نمبر جس پر وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی شاید کبھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان کچھ اتنا سطح سے گر جاتا ہے کہ پھر اس کی شخصیت مٹ جاتی ہے اور وہ نمبر اور ہندسوں میں جانا جاتا ہے مگر کم سے کم عدد پر تقسیم ہو جانے والا ہندسہ۔

''آخر تم فون ریسیو کیوں نہیں کر لیتیں جو کہنا ہے کہہ ڈالو تا کہ اس کے سوال کی گنجائش ختم ہو جائے۔''

''ننی پانچ برس سے وہ ایک ہی سوال دوہرا رہا ہے اور میں سے ایک ہی بات کہہ رہی ہوں مگر اس کی خوش گمانی ختم نہیں ہو کے دیتی وہ سمجھتا ہے وقت میرے فیصلے میں رکاوٹ یا کمزوری پیدا کر دے گا مگر وہ یہ نہیں سمجھتا جب فیصلہ سچائی کا ہو تو وہاں مروت نہیں ہوتی مروت بزدلی بن جاتی ہے ایسے فیصلے میں اور میرے پاپا کہتے تھے میں ایک بہادر لڑکی ہوں۔''

''تم واقعی بہت بہادر لڑکی ہو فائحہ۔'' ننی نے چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں تھمایا اور وہ سامنے دیوار سے لگے ڈی وائیڈر میں رکھی اپنی منگنی کی تصویر دیکھے گئی شیرازی اور وہ کس قدر ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے جس نے دیکھا تھا اس نے انہیں بیسٹ کپل کا خطاب دیا تھا اس نے بے ساختہ نمی اطراف میں گھلتی محسوس کی۔

''تم لڑکیوں کو رونا کس قدر اچھا لگتا ہے خوشی ہے تو آنسو غم ہے تو آنسو ٹپ ٹپ یہ تم لوگ اس قدر پانی کہاں سے جمع کر لیتی ہو۔'' تب اس نے ایک نظم پڑھی تھی۔

آنکھوں کی اس نرم زمیں پر
آپ ہی آپ یہ اگ آتے ہیں
جن کو آنسو کہتے ہیں!

وہ ہنستا تھا۔

''تم اگ آنے کا تذکرہ کیوں کر رہی ہو جیسے یہ جھاڑیاں ہیں یا خودرو پودے''

اس نے پین کاغذ پر رکھ کر اسے دیکھا تھا پھر بولی تھی۔

''آنسو یاد کے نقیب ہیں اچھی یادیں خوشبو سی ہوں تو آنسو صندل ہوتے ہیں یادیں تلخ ہوں تو آنسو ببول ہوتے ہیں یہ انسان کو انسان سے ملاتے ہیں۔''

''کیسے ......؟'' وہ سوال کرنے کا شائق تھا اور اسے جواب دینے میں مزا آتا تھا۔

''خوشی کو لفظ درکار ہوتے ہیں اور دکھ کا سہارا اور یہ آنسو یہ کچھ اپنوں کو بہت اپنوں کے قریب لے

آتا ہے ''تم تنہا نہیں ہو'' کی ڈھارس دیتا ہے روٹھے لوگوں کے دل کی گرد کو یہ بہا لے جاتا ہے اور شفاف موسموں میں شفاف دل سے محبت کرنا سکھاتا ہے یہ صندل کر دیتا ہے دل کو صندل...... کیا سمجھے......''

وہ سمجھا مگر شریر انداز میں اسے دیکھتا ہوا اس کے سامنے آ بیٹھا۔

''تم مجھ سے شادی کرو گی؟''

تب اتنے برسوں کے اس تعلق کو اس پیرائے میں سننے کے لیے ترستے کان کس قدر جھوم اٹھے تھے۔ اور اس نے اس کے گالوں کی شفق نظروں ہی نظروں میں چرا کر کہا تھا۔

''منفرد لڑکی' تم بھی اندر سے وہی ہو ایک عام گھر گرہستی کے شوق میں مبتلا لڑکی' تم جو اکنامکس پر بحث کر سکتی ہو تم جو بھرے مجمعے میں کسی بھی منسٹر سے دو بدو بحث کر سکتی ہو' تم بھی وہی ہو' وہی جو میری ماں ہے۔''

''شاید، اس نے اعتراف کرنے میں جھجک محسوس نہیں کی کہ اعتراف ہر معاملے میں ایک سمت رکھتا ہے۔ اچھا اعتراف انسان کو پا لینے والا بنا سکتا ہے اور کسی برے لمحے کسی بری عادت کا اعتراف انسان کو وہ عادت چھوڑ دینے والا ناصح ثابت ہوتا ہے کہ اعتراف کرنے والے کم ہمت لوگ نہیں ہوتے۔

''تم نہیں جانتی ہو تمہارا یہ اعتراف تمہیں سب کے سامنے کتنا ایکسپوز کر سکتا ہے۔'' اس نے شرارت بھری نظروں سے نظریں چرائیں تو کہا۔

''دراصل میں اپنی زندگی سے کمیٹڈ ضرور ہوں مگر میں ایب نارمل نہیں ہوں۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں جو زندگی کو صرف اپنی مرضی سمجھتی ہیں جو محبت گھر اور بچوں کو ایک دقیانوسی چیپٹر سمجھ کر اسے کبھی پڑھنا نہیں چاہتیں انفرادیت ہر انسان میں اچھی لگتی ہیں۔ ہونی چاہئے لیکن شیرازی انفرادیت اگر انسان کو زندگی سے دور کر دے تو اس کا مٹ جانا بہتر ہے۔''

''مگر میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ تمہاری یہ انفرادیت کبھی ختم ہو۔ فائحہ تمہیں پتا ہے تم میں سب سے مختلف اور خوبصورت خوبی کیا ہے۔'' اس نے جاننے والی آنکھوں سے اسے پرکھا اور کہا۔

''تمہارے اندر کی محبت! سب سے قدیم ترین خوبی مگر آج بھی سب کچھ سمیٹ لینے کا ہنر رکھتی ہے'' وہ مسکرائی تھی اسے لگا تھا اس پل زندگی بھی مسکرائی ہو گی اور تب شوخ جھونکے سے ہلتے پردے پر نظر گاڑے اس نے اسے اپنی پہلی نظم سنائی تھی۔

وفا دوستی جو خوشبو بہار رت
سب تیرے ہی عکس ہیں
بہت ساحر بہت کافر
مگر اس وقت زیادہ تابندہ لگتے ہیں
جب تیری نگاہ
مسکرا کر مجھ کو دیکھے
اس نے مسکرا کر بہت پہلے کی اک ان کہی بات کہی
لوگ میری زیبائی پر

رشک کریں
اور بے سبب کریں
کہ
میری آنکھیں
میرا چہرہ
دل آویز ہے
صرف تم سے

شیرازی معید نے اسے سمو لینے والی نظروں سے دیکھا تھا لیکن......

وہ یکدم چونکی...... وہ بے آواز کتنی دیر سے رو رہی تھی۔

''اتنی لاعلم ہو گئی ہوں میں خود سے' جسے کبھی کبھی دنیا کی خبر ہوا کرتی تھی۔'' اپنے بیگ میں سے میک اپ کٹ کے چھوٹے مرر میں اس نے اپنا عکس دیکھا' شاید یہ حقیقت تھی کہ وہ اب حقیقت سے عکس ہی بن گئی تھی آنکھیں چہرہ سب مرجھا گئے تھے اس نے چھوٹے ٹیبل پر رکھی چائے کو دیکھا اور ٹھنڈی ٹھار چائے اپنے اندر انڈیل لی۔

گرم چائے برفاب وجود میں جا کر کچھ پگھلا سکتی تھی مگر ٹھنڈی چائے ٹھنڈے وجود میں کچھ اور برف جماتی چلی جاتی تھی اور اس کا کولیگ حسین ہر لمحے تاسف سے کہتا۔

''تم ایک لڑکی ہو جو بہادر دکھائی دینے کی کوشش بھی کرتی ہو مگر تمہارے اندر جو یہ آنسو گلیشیئر بن کر جم رہے ہیں یہ تمہیں اندر ہی اندر سے ختم کر دیں گے' تمہارے انداز میں زندگی نہیں چھلکتی یوں لگتا ہے تم بس وقت بھر رہی ہو زندگی کے نقشے میں صرف وقت' تمہیں کسی کی پروا نہیں ہے' کسی کے لوٹ آنے کی طلب نہیں ہے تو پھر تم ویسے کیوں نہیں جیتی ہو جیسا تمہارا دل چاہتا ہے۔ دنیا شیرازی معید کے بعد ختم نہیں ہو جاتی تم فائحہ ہو جو خود بذات خود مہک ہے' خوشبو ہے اور خوشبو نہ تو ناامیدی کا نام ہے نہ ہی قید سخت میں ڈالی جا سکتی ہے۔

تم زندگی ہو فائحہ جیو پورا جیو' جیسا تم چاہو۔''

اور وہ خاموشی سے اس کی ہر روز کی دلیل سن کر پہلے سے زیادہ دلگیر ہو جاتی ہر شخص پھول کی قسمت پر روتا ہے خوشبو کے لیے کوئی آزردہ خاطر نہیں ہوتا کہ وہ صبا کا دامن تھام کر کہیں بھی کسی بھی نئے جہان کو دریافت کر سکتی ہے۔ مگر جس خوشبو کے پیروں میں زنجیریں ہوں جو فائحہ مقصودی جیسا نصیب رکھتی ہو جس کے لیے زندگی میں صرف ایک خوشی ہو اور وہ خوشی بھی اپنی سچائی کی نذر کر دے وہ فائحہ مقصودی کیا کرے۔'' اس نے ہتھیلیاں سامنے پھیلا لیں۔

لکیریں وہی تھیں مگر ان میں کتنے کراس کتنی گرہیں آ گئی تھیں۔

''تم بہت خوش قسمت ہو فائحہ تمہارے ہاتھ میں مکمل ایم بنتا ہے۔ یہ خوش قسمتی کا نشان ہے تمہارے مشتری کے ابھار پر یہ کراس تمہاری ازدواجی زندگی ہزار سکھ میں گزرے گی۔

تمہارا مضبوط انگوٹھا تمہاری قوت ارادی' محبت' بہت طاقت ور ہیں شیرازی کو ہمیشہ باندھ کر رکھے

گی۔‘‘

اس نے پھر سے نمکین پانیوں سے بھری لبالب کرتی آنکھیں رگڑ کر ہتھیلیوں کو دیکھا۔ یہ لکیر اپنی جگہ ہے مگر اس میں شیرازی کہیں نہیں ہے۔ وہ جو اس ایک اکیلی دنیا میں کبھی میرا تھا۔

’’نہ ہونا ایک دکھ ہوتا ہے‘ مگر کسی کو اپنا ہو کر کھو جانا دل چیر کر رکھ دیتا ہے وہ پہلے سے زیادہ تھک گئی تھی۔

’’نینی میں سونے جارہی ہوں پلیز مجھے مت اٹھایئے گا۔‘‘ نینی نے اسے خاموشی سے دیکھا ہر سیٹر ڈے اس کی یہی روٹین تھی وہ اپنے بیڈروم میں آکر بیڈ پر گر سی گئی کبھی کبھی کھڑا رہنا گرنے کے مقابلے میں کتنا دشوار لگتا ہے‘ ایسے میں اور زیادہ جب کوئی اپنا تھامنے کے لیے قریب بھی نہیں ہو۔

سائیڈ ٹیبل پر منگنی کی تقریب کا البم رکھا تھا فرائی ڈے یونہی رت جگے میں گزرتا تھا اور سیٹر ڈے ان یادوں کی راکھ سمیٹنے میں تمام ہوا کرتا تھا اس نے البم پھر سے کھول لیا اور شہنائی کی آوازیں اطراف میں بکھرنے لگیں۔

☆......☆......☆

’’توبہ ہے سوزی تم یہ مجھے کیا بنانے جارہی ہو میں ایک میچورڈ لڑکی ہوں یہ سولہ سنگھار......امپاسبل‘‘ اس نے اٹھنا چاہا مگر سوزی کے ساتھ عمارہ نے اسے روک لیا۔

’’عجیب گھامڑ لڑکی ہو آج تمہارے ’’ان‘‘ کے والدین آرہے ہیں کچھ خیال کرو یوں سر جھاڑ منہ پھاڑ ان کے سامنے جاؤ گی تو انہیں کتنا شاک لگے گا۔‘‘

’’شاک! کس بات کا شاک......‘‘ وہ واقعی نہیں سمجھی تھی تب ہی اندر داخل ہوتی اسماء وحیدی نے لقمہ دیا۔

’’اسی بات کا شاک جو بغیر پینٹ کے کسی عمارت کو دیکھ کر عموماً کسی کو ہوتا ہے پاگل لڑکی‘ شیرازی نے تمہارے حسن کے قصیدے میں دیوان اپنی ماں کو سناڈالے ہیں۔ اگر وہ تمہیں ویسا نہیں پائیں گی تو مجھے ڈر ہے یہ پرپوزل واپس بھی لے جاسکتی ہیں۔‘‘

’’تو لے جائیں......‘‘ اس نے اپنا دل تیزی سے دھڑکتے پایا مگر مضبوط بن کر کہا پھر دھیمے سے بولی۔

’’شیرازی نے میری خوبصورتی سے نہیں‘ میری سوچ سے محبت کی ہے وہ کہتا ہے اسے حسن ہر جگہ مل سکتا ہے‘ ہر قدم پر لیکن ذہنی ہم آہنگی صرف اسے مجھ سے ہی میسر آسکتی ہے۔ اور ذہنی ہم آہنگی اچھی زندگی گزارنے کے لیے سب سے حسین خوبی اور بہترین خوبصورتی ہوتی ہے۔ حسن ڈھل جاتا ہے‘ مگر سمجھ لیے جانے کا حسن ہر لمحہ بڑھتا ہے آپ کو اندر سے سیراب کرتا ہے اور تم جانتی ہو مجھے یہ ہنر خوب آتا ہے۔‘‘

’’الامان الامان اے لڑکی تجھے بولنے کا کتنا خبط ہے‘ خاموش اب مت بولنا ورنہ لپ اسٹک گئی۔‘‘ دوسری نے چپ کرایا تو وہ خاموش ہو رہی پھر تیار ہوکر اٹھی تو سب کی آنکھوں میں ستائش تھی۔

’’ارے لڑکی یہ تمہارے اندر کہاں سے ایسا روک لینے والا حسن آگیا سر جھاڑ منہ پھاڑ لڑکی کو دیکھنے کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ ہضم نہیں ہو رہی ہو تم۔‘‘

’’بکومت میں تمہاری فیورٹ چکن جلفریزی نہیں ہوں جو تمہیں ہضم ہو جاؤں ندیدی ہر وقت کھانے پینے کی پڑی رہتی ہے‘ آگے بھی کچھ سوچ لے دنیا کھانے کے علاوہ بھی کچھ ہے۔‘‘ اس نے عمارہ کو دھپ لگائی اور وہ انٹلکچوئلز کی اداکاری کرتے ہوئے بولے۔ اور یہ اس کا ذاتی خیال تھا کہ ہر انٹلکچوئل دراصل بہت بڑے اداکار کو کہتے ہیں جسے تار پر چلنے‘ خیالی گھوڑا دوڑانے سے لے کر مداری کی طرح کرتب دکھانے میں ید طولیٰ حاصل ہوتا ہے جو جتنی دیر عوام کو مسحور رکھ سکے وہ اتنا بڑا فنکار ہوتا ہے۔ خیر اس نے زیادہ دیر اداکاری قائم رکھنے کی بجائے کہا۔

’’دنیا میں کھانا وہ واحد موضوع ہے جو انسان کو انسان رکھ سکتا ہے اور عدم دستیابی پر حیوان بنانے پر قادر ہے ایک ولی اور ایک شیطان اس میں صرف بھوک کی حد فاضل ہے۔‘‘

سب ہی نے اس رائے سے اتفاق کیا تھا اس وقت کوئی بحث کے موڈ میں نہیں تھا اس لیے نینی کے کہتے ہی وہ فائحہ کو تھامے ہوئے ڈرائنگ روم میں لیے چلی آئیں شمسہ آنٹی اور معید عباسی نے کھڑے ہوکر اس کا استقبال کیا تھا۔

’’ارے ہماری بیٹی تو بہت زیادہ خوبصورت ہے۔‘‘ شمسہ آنٹی نے اسے پیار کرکے قریب بٹھالیا اور وہ جھکے سر کو اٹھا کر اترانے سے چوکی نہیں تھی‘ سوزی کو اس کی شریر آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اچھا لگ رہا تھا تب ہی اس نے اس کا بایاں ہاتھ تھام لیا تھا وہ کچھ کہہ نہیں سکی تھی مگر فائحہ کو لگا تھا کہ ایک اچھوتی اور پہلی دعا ہے جو اس کی اس خوشی کی محافظ بن گئی ہے۔ دعائیں جینے کا مزا دوبالا کردیتی ہیں پتا نہیں لوگ دل دکھا کر روٹھ کر بچھڑ کر کیسے جی لیتے ہیں۔

’’خدا ہمیں ہمیشہ ایک دوسرے کا رکھے زندگی میں ملا رہا ہے تو ہمیں صرف موت ایک دوسرے سے دور کرسکے بس یہ رحم کرنا یہی رحم رکھنا۔‘‘ اس نے دل کو بے ساختہ جھکے سجدہ کرتے پایا لفظ اس کی سانسوں میں امید بن کر پھیلتے چلے گئے۔ جیسے اندھیرے میں جگنو......مگر یہ اندھیرا اس نے مٹھیاں کھولیں کوئی جگنو نہیں تھا جو اس کو راستہ دکھا سکتا۔

’’میرے نصیب کے سب روشن دیئے کن راہوں میں ہوا نے رول دیئے کہ اب گھپ اندھیرے کے سوا کچھ بھی نہیں۔‘‘

اس نے ہوا سے پوچھا اور سر تکیے پر رکھ کر لیٹ گئی تب پھر سے یادوں نے یورش کی۔

’’تم کس قدر چٹوری ہو لڑکی سدھر جاؤ اگر اوور ویٹ ہوگئیں ناں تو سمجھو منگنی شگنی ختم۔‘‘

’’کیا تم ایسا کرسکتے ہو؟‘‘ وہ سوال کرتی تھی مگر لہجے میں اتنا یقین تھا کہ شیرازی معید کے لفظ بت بن جاتے تھے۔

’’تجھے میں جہاں ہے جیسی ہے کہ بنیاد پر چاہنے پر مجبور ہوں پتا نہیں کیا ہے تجھ میں کہ میں کھنچتا چلا جاتا ہوں تیری جانب تجھے سننے کو تجھ سے باتیں کرنے کو من میں ہر وقت اور اور کی گردان رہتی ہے مجھ جیسا حسن کا شیدائی جو لڑکیوں میں راجہ اندر ہے اور مجھے پسند آئی تو صرف تو......‘‘

وہ ہنس ہنس کے بے حال ہو جاتی یہ لفظ کس قدر اندر اتر کر نئی کونپل لگاتے تھے نئی سے نئی کونپل کہ دل کی زمین پر بہار رہی بہار پھرا کرتی تھی‘ گنگناتی سوغات لٹاتی بہار‘ سرخ گلاب ان دنوں کتنے پسند تھے

اسے۔

اور اب رنگ کیسے کھو گئے یہ خوشیاں رنگ' یہ بہار کہاں سے آتی ہے کون لاتا ہے' اور کون چرا لے جاتا ہے۔'' دل نے کرلا کر سوال کیا اور اس کے ارد گرد شیرازی کا لہجہ گونجنے لگا۔

''تمہیں نہیں پتا ماما نے اس بات کو کتنا بڑا ایشو بنالیا ہے وہ کہتی ہیں اگر تمہارے والد مقصودی عظیم نہیں تھے تم ایڈاپٹ ہو تو کون ہوگا تمہارا اپنا' انہوں نے میرا دماغ کھالیا ہے آخر تم یہ بات ان سے چھپا نہیں سکتی تھیں کیا انہوں نے رجسٹر کھنگا لنے تھے۔'' وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

''کیا تمہیں فرق پڑتا ہے اس سے کہ میں گمنام والدین کی اولاد ہوں۔''

''مجھے فرق نہیں پڑتا تم میرے لیے صرف فائحہ ہو مگر ماما کہتی ہیں ان کا خاندان ایک اعلیٰ پائے کا خاندان ہے آج تک ان کے ہاں باہر شادی نہیں کی گئی' وہ میری ضد پر مانی تھیں لیکن یہاں یہ کھکھیڑ پڑ گئی۔''

اس نے اپنے آپ کو مجتمع کیا جو شخص بہت قریب بیٹھا تھا وہ اسے لگنے لگا کہ وہ اس کی پہنچ سے بہت دور ہوتا جا رہا ہے۔

''تم آنٹی سے کہہ کیوں نہیں دیتے میں جو ہوں جیسی ہوں میری تربیت' میری ماں اور بابا نے کی انہیں بھی اس بات سے فرق نہیں پڑا کہ انہوں نے مجھے کسی کوڑے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا وہ جانتے تھے میرا اپنا عمل' میرا کردار ہوگا پھر میرا وجود کسی اور کے عمل کی بھینٹ کیوں چڑھایا جائے۔ میرے پاپا ایک خاندانی فرد تھے لیکن انہوں نے مجھے اٹھایا پالا پوسا اور کہا۔

''ہم جو کچھ تمہیں دے سکتے تھے وہ اچھی تعلیم' اچھی تربیت تھی ہم نہیں جانتے تمہارا ماضی کیا تھا لیکن ہم چاہیں گے تمہارا حال اور مستقبل بہترین ہو' جس عمل میں تم صرف دنیا میں آنے کی حد تک حصہ دار ہو ہم اس پر تمہیں کبھی بلیم نہیں کر سکتے یہ گناہ ہے لیکن تمہیں آئندہ اپنے قول و فعل سے ہی اپنے لیے زندگی جنت اور جہنم بنانی ہے۔

اور میری دعا ہے کہ تمہیں کوئی گرم ہوا چھو کر بھی نہ گزرے تم یہ کہو۔'' میں واقعی نہیں جانتی میں کون تھی۔ لیکن میں یہ جانتی ہوں میں کون ہوں'' اور یہی زندگی کے لیے ضروری ہے انسان جانتا ہو وہ کون ہے۔''

شیرازی معید اسے دیکھے گیا لیکن اس کی آنکھوں کی مایوسی اسے اپنی زندگی کی اتنی بڑی خوشی سے محروم ہونے کی اطلاع دے رہی تھی' دھیرے دھیرے کوئی بہار چرا رہا تھا لیکن نسوانیت کا وقار......

وہ خاموش اس کے سامنے بیٹھی رہی۔

''تم لڑکی ہو یا پتھر تمہیں لگتا ہے تم میرے بغیر جی لو گی۔''

''جی لینا اور زندہ رہنا الگ الگ کیفیتیں ہیں ایک میں مجبوری چھلکتی ہے ایک میں خوشی' سو شیرازی میں تمہارے بغیر واقعی میں بس جی لوں گی۔ شاید اس لیے کہ میں یہی کر سکتی ہوں۔''

''مگر تم...... تم یہ بھی تو کہہ سکتی ہو یہ سب مذاق تھا۔'' اس نے بچکانہ خوشی سے کہا۔ اور وہ بے آواز ہنسے گئی' ہیجانی کیفیت ہر اس انسان کو کتنے اچھوتے اور کتنے احمقانہ جواز ڈھونڈ کے دیتی ہے جن کا نہ

مطلب ہوتا ہے نہ مقصد' کچھ لمحوں کے لیے جھوٹے اطمینان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا مگر انسان یہ دھوکے کھانے کا کتنا شوقین ہوتا ہے۔

''شیرازی کیا کوئی لڑکی اپنی زندگی سے اتنا بڑا مذاق کر سکتی ہے' جو انہیں یہ لگے کہ ایسا ممکن ہے' فریب مت دو جان لو کہ ہم بس یہیں تک تھے۔''

''میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا تم سے باتیں کر کے مجھے ہر لمحہ سکون ملتا ہے مجھے لگتا ہے میں اپنی جو پرابلم تم سے شیئر کروں گا وہ یوں منٹوں میں حل ہو جائے گی ایسا نہ بھی ہو تب بھی مجھے تمہارا بہت آسرا ہے فائحہ۔''

''دیوانے مت بنو' انسان کو انسان کا آسرا نہیں رکھنا چاہئے' انسان کیا' اس کی وقعت کیا' سب آسرے سب حوصلے اس خدا کے ہیں وہ جسے تھام لے جس کے دل میں اطمینان سے اپنا ہاتھ رکھ دے مسیحائی کی تاثیر اس کی روح میں اتر جاتی ہے۔''

''تم داسی نہیں ہو نہ کوئی ولی' تم انسان ہو میری جیسی انسان پھر ایسی باتیں مت کرو کہ مجھے لگے تم کسی اونچے استھان پر جا بیٹھی ہو اور میں تمہیں چھو بھی نہیں سکتا' محبت دنیا کی چیز ہے دنیا کی چیز رہنے دو اسے گیان کا لبادہ اوڑھا کر نروان کے عمیق غار میں مت گراؤ انسان انسان سے مل کر تسکین پاتا ہے۔''

''شاید مگر تم ہی تو کہتے تھے محبت دنیا کی چیز ہے مگر اس میں نروان کا ہلکا ہلکا دیا روشن ہے جو راہ دکھاتا ہے' انسان انسان سے محبت کرتا ہے' وہ اگر اللہ کی خوشنودی کے لیے کسی سے محبت پانے کی طمع نہ کرے تو وہ محبت کا گھنا برگد ہو جاتا ہے جہاں خود محبت نروان کے لیے تپسیا کرتی ہے دھیان لگاتی ہے۔''

''میں کہتا تھا! اگر یہ سب میں کہتا تھا تو میں پاگل تھا ایک دم پاگل میرے لیے محبت صرف تم ہو' تمہیں پانا میری ذات کی تکمیل ہے۔''

فائحہ مقصودی دیکھتی رہی۔

جن دعاؤں کو لیے وہ اپنی تنہائی میں جیون کرتی تھی' کسی کے سامنے سر ٹیکے من جانے کی تمنا رکھتی تھی اسے کیا پتا تھا وہ سب لفظ حقیقت بن کر اس کے سامنے اس کی طرح بلکیں گے۔

محبت تیرا ملنا عجیب' تیرا بچھڑنا عجیب' تیرا رنگ دل کا رنگ تو اپنے رنگ سے کیسے ہمیں رنگتی ہے کہ کبھی ہم شفق ہو جاتے ہیں اور کبھی سارے رنگ کھینچ کر تو ہمیں بے رنگ کر دیتی ہے' تیری چادر کتنی وسیع' پر کبھی کبھی تو کتنی کٹھور کتنی بخیل ہو جاتی ہے' کہ دیتے دیتے چھین لے جاتی ہے۔

وہ سامنے بیٹھی رہی اور وہ اس کے سامنے سر مارتا رہا۔

''ماما نہیں مانتیں تو نہ مانیں پاپا میرے ساتھ ہیں' شجاع میرا ہمنوا ہے' ہم خاموشی سے نکاح کر لیتے ہیں۔'' اس نے صلاح دی اور وہ وقار سے اسے دیکھے گئی۔

''میں نے محبت کی ہے پورے وقار پوری سچائی سے پھر کیسے ممکن ہے میں اس محبت کو آلودہ کروں اس کے حسن میں داغ لگاؤں۔''

''محبت...... ہونہہ صرف اپنی خوشی اہم ہونی چاہئے' باقی ساری چیزیں بعد میں آتی ہیں۔''

''لیکن محبت تمہاری زندگی میں سب سے پہلے آتی تھی شیرازی...... اسے لفظوں پر اچنبھا ہوا یہ شخص نہیں بدلا تھا لیکن اس کے لفظ......

”تم لفظوں کے پیچھے دوڑنا چھوڑ دو لفظ کچھ نہیں دیتے انسان کو بس یہ دیکھنا چاہیے کب کیوں اور کیسے وہ اپنی من پسند خوشی پا سکتا ہے۔ لکیر کے فقیر بن کر لفظ پر مرنے والے احمق کہلاتے ہیں۔ اب میرے لیے لفظ صرف میری ذات کی تسکین ہیں۔“

”پہلے کیا تھے یہ لفظ‘ تم شیرازی تم تو کہتے تھے سچ پر مر جانے والے لوگ ابدی جیتے ہیں‘ تم کہتے تھے موت صرف ایک بار آتی ہے پھر ایک بار کے حادثے پر ہم روز کی زندگی جینا چھوڑ دیں۔ تم کہتے تھے زندگی تمہارے لیے تمہارے لفظوں کا وقار ہے‘ تم جو لکھتے ہو وہ صرف لفظ نہیں‘ وہ تم خود ہوتے ہو۔ لہٰذا جو تمہارے لفظ سراہتا ہے وہ تمہیں سراہتا ہے جو تمہارے لفظوں سے اختلاف کرتا ہے وہ تم سے اختلاف کرتا ہے تم کہتے تھے تمہاری صرف ایک کمٹمنٹ ہے اور وہ ہے تمہاری سچائی اور اس پر تم کوئی سمجھوتا نہیں کر سکتے۔“

شیرازی معید اسے خاموشی سے دیکھے جا رہا تھا‘ ہر لفظ اسی کے کہے کی تائید کر رہا تھا‘ وہ گرنے والا تھا اور گرنے والا سنبھلنے کے لیے پوری جان لگا دیتا ہے۔ سو وہ اٹھ کر اس کے قریب گیا تھا۔

”مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں کہ میں نے کیا کہا تھا، میرے لیے یہ اہم ہے میں اب کیا کہہ رہا ہوں تم میری پچھلی ہر بات بھول جایا کرو مجھے ماضی میں رہنے اور خوش ہونے والی خیالی لڑکیوں سے چڑ ہے حال میں جیو حال میں‘ سب کچھ یہی ہے ماضی اور مستقبل ایک دھند ہے صرف دھند اور زیرک لوگ دھند میں سفر کرنے کے لیے کبھی قدم نہیں اٹھایا کرتے۔“ وہ اسے دیکھے گئی۔

”حال...... کون جانے وہ اس کے آئندہ کے کسی حال میں شامل رہے گی یا نہیں اسے بھولنے کی اتنی عادت ہے کون جانے وہ اسے بھی کب تک یاد رکھ پاتا ہے۔“

اس نے قدم روک لیے تھے اور وہ اس کے بازو پر گرفت کیے سامنے کھڑا تھا۔

”تم صرف میری ہو فائحہ تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔“

وہ دل میں بے ساختہ ہنسی یوں جیسے کوئی پھوٹ پھوٹ کر روئے اور محبت تھی جو رلا رہی تھی۔

”تم نے دیکھا ہے ایسا شخص جو چھین لیے جانے سے لرزیدہ ہو مگر خود دھیرے دھیرے کسی کے دل سے خود کو چھین رہا ہو۔“

لفظ دل کے اندر بے رنگ پھول کی پتیوں کی طرح اڑ رہے تھے‘ دھواں خزاں کیا کچھ اندر جمع ہو گیا ‘بس محبت نہیں بچی تھی۔

”تمہیں میرا رہنا ہوگا‘ ساری زندگی......“

”محبت کبھی جبر نہیں فائحہ اگر مجھے لگا تم مجھے اب اتنا پیار نہیں کرتی ہو جتنا پہلے کیا کرتی تھیں تو میں اسی لمحے تم سے بچھڑ جاؤں گا میں تم سے کبھی نہیں ملوں گا مجھے چاہو پہلے جیسا چاہو‘ کہ محبت کا اپنا موسم‘ اپنا مزاج ہے اور اس مزاج اور موسم پر کوئی قبضہ نہیں کر سکتا۔“ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

”لفظ انسان نہیں کہ مر جائیں‘ بدل جائیں یہ تو ہمارے نہ ہونے پر بھی رہتے ہیں لوگوں کے دلوں میں‘ لہجوں میں‘ یادوں میں مگر انسان کس قدر بدل جاتا ہے۔ کس قدر......“

”شیرازی پلیز تم اب جاؤ میرا دل یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔“

”بچھڑنا تمہیں راس نہیں ہے نا پھر کیوں بچھڑنا چاہتی ہو۔“

اسے کاندھوں سے تھام کر وہ جنونی ہو گیا تو وہ بس بے بسی سے اسے دیکھے گئی کوئی دلاسا کوئی تسلی اس کے آنچل میں بندھی ہوئی نہیں تھی اور سامنے کھڑا شخص جلد باز من مانی کا شائق تھا۔

”پلیز شیرازی......“ اس نے دلگیری سے کہا حسرت نے بڑھ کر دل تھاما‘ دکھ نے بڑھ کر فلیٹ کا در کھولا لیکن فائحہ مقصودی کو لگا دکھ نے گھر سے باہر قدم نہیں رکھا تھا‘ بڑھ کر دل میں آن بیٹھا تھا۔

”تم بالکل تنہا ہو گئیں تو کتنی حسرت زدہ لگو گی لوگ کہیں گے خوشی نے دامن جھاڑا تو کیا میں بھی تمہیں چھوڑ گیا تم میں کیا برائی ہے کہ دکھ بھی تمہارا نہ ہو سکا۔“ اس دن وہ خوب جی بھر کر چیخ چیخ کر روئی تھی‘ پھر صبح دفتر پہنچی تھی تو اس لمحے لگا تھا بچھڑنا دکھ ہو بھی تو کچھ دکھ اس سے بڑھ کر ہوتے ہیں کہ انسان خود کو بے وقعت لگنے لگتا ہے اسے اپنے آپ سے چڑ ہونے لگتی ہے کہ وہ اتنے عرصے سے محبت بھی گناہ کی طرح کیے جا رہا ہے۔ پاکیزہ محبت اگر عیش پرست دل سے کی جائے تو وہ محبت الزام بن جاتی ہے‘ عیش پرستی کے زمرے میں اتنی عمیق گہرائی میں جا گرتی ہے کہ پھر مدتوں سر اٹھانے کی سکت نہیں رکھتی۔

”فائحہ پلیز غلط مت سمجھو‘ یہ نشا سرفراز ہے سرفراز افضل کی بیٹی وہ اس اخبار کے شیئر ہولڈر ہیں۔“ اس نے مڑ کر دیکھا اور ہولے سے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

”دراصل آج میں بے حد مصروف تھی اور یہ شیرازی صاحب سمجھتے ہیں میں آپ سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔“

”یعنی آپ صرف میرا دل رکھنے کے لیے مجھ سے ملنا چاہتی تھیں۔“ اس نے وضاحت چاہی اور وہ مسکرا کر بولی۔

”ارے نہیں سچ کو سپورٹ دینے والے ہر شخص کی عزت کرنا مجھ پر فرض ہے اور آپ تو افضل صاحب کی بیٹی ہیں دوگنی عزت کی مستحق مجھے ان کا انداز ان کا وے آف رائٹنگ اور سچائی کے لیے کچھ بھی چھوڑ دینے والی لگن مسحور کرتی ہے دراصل لفظ کیا ہیں میں نے ان سے ہی سیکھا ہے ایک طرح سے وہ میرے استاد ہیں۔“

”پاپا کے شاگرد پتا نہیں کہاں کہاں بکھرے ہوئے ہیں خود پاپا کو نہیں پتا انہیں پڑھنے والے بھی خود کو ان کا شاگرد ہی سمجھتے ہیں۔“ لہجے میں کوئی بات غیر متوقع تھی ضرور وہ اسے تولنے لگی۔

”آپ کو اپنے پاپا کا یہ حوالہ شاید اطمینان نہیں دیتا۔“

”ہو سکتا ہے لیکن میری کچھ سوچیں ہیں اور کچھ معاملوں پر بہت دوٹوک رائے سو مجھے لگتا ہے اگر پاپا اخبار میں لکھ نہیں رہے ہوتے یا وہ سچائی کے لیے کٹ مرنے کا انداز نہ رکھنے والے ہوتے تو آج ہماری بیلنس شیٹ کئی ہندسوں میں بڑھ چکی ہوتی۔“

”فائحہ پلیز یہ ان کا خیال ہے اب تم اس بات کی کھال کھینچنے بیٹھ جاؤ گی تو نشا سرفراز کا یہ وزٹ کتنا برا رہے گا۔“

اس نے سر ہلا کر بحث روک دی‘ جب کوئی شخص اپنے خیالات میں قطعی ہو تو اسے بہت کم بدلا جا سکتا ہے اور اس صورت میں تو یہ اور بھی ناممکن لگتا ہے جب سامنے والا حیثیت میں بڑا اور دل کے تعلق میں بالکل اجنبی ہو۔

وہ کھڑی رہ گئی تھی اور شیرازی معید اسے ایڈیٹر روم میں لے گیا تھا۔

''ناراض ہو۔'' وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

''یہ شخص کس قدر گہرا ہے اور کس قدر سفاک۔'' دل سے بوند ٹپکی مگر وہ مکر گئی صبر کر لینا اس کی خو تھی۔

''کیا اتنی ناراض ہو کہ مجھے ایک کپ چائے کو بھی نہیں پوچھو گی۔'' وہ اس کے سامنے کرسی پر آن بیٹھا تو اسے اپنی جذباتیت کو سرسری کرنا دوبھر لگنے گا۔

''ابھی منگواتی ہوں دراصل آج میں اتنی بزی رہی کہ لنچ ٹائم کا بھی پتا نہیں چلا'' کتنا نارمل انداز تھا اس کا اسے اب علم ہوا تھا وہ بہت اچھی ایکٹنگ بھی کر سکتی تھی۔

''تم چاہے کتنی بزی رہو یہ طے ہے فائحہ کہ تم اپنی روٹین نہیں بدل سکتیں پھر یہ آج نیا پن کیسے۔'' وہ جان لینا چاہتا تھا اب وہ اس کے اندر کتنا رہ گیا ہے اور وہ اپنی ذات کے اس سچ کو جان کی بازی لگا کر بھی اسرار کی طرح رکھنا چاہتی تھی۔

محبت عزت نفس کے سوا ہے ہی کیا' یہ جب ہمیں دوسروں کی عزت کرنا سکھاتی ہے جھکنا سکھاتی ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنی ذات جس کا پہلا حق ہے وہ اس کا حق ادا نہ کرے۔

کہیں خاموش مینہ برساتا تھا مگر اس کی آنکھوں کی زمین خشک تھی ایسی خشک جیسے برسوں سے پانی نہ برسا ہو۔

''کبھی کبھی انسان کا دل چاہتا ہی ناں شیرازی کہ وہ مختلف سا کام کرے بہت زیادہ نہیں' بس تھوڑا سا مختلف کام تا کہ زندگی میں جمود کا احساس ہو۔'' اس نے تاویل دے کر اسے مطمئن کرنا چاہا مگر وہ اس کے سر ہو گیا۔

''تم ان باتوں سے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ کیا ایسا کچھ کہ مجھے لگے تمہیں پرانی روٹین کی طرح پرانے تعلق بھی جمود کا احساس دلانے لگے ہیں اور تم زندگی میں تھرل اور زندگی تلاش کرنے کے لیے نئے لوگ نئی دنیائیں دریافت کرنا چاہتی ہو۔''

اس نے بس نظر بھر کر دیکھا اس نے پھر سر جھکا لیا اور اندر دل نے کبھی کا پڑھا ہوا گیان دوہرایا۔

''مملکتوں کا تسخیر کرنا ہی تو ازلی و ابدی دکھ ہے کون جانے تسخیر کرنے والوں کا دل اندر سے کتنا بھاری ہو۔''

سکندر اعظم نے ہر مملکت کو فتح کرنے کے بعد رات کی تنہائیوں میں کتنی بار آنسو بہائے ہوں گے' نپولین کی محبوبہ نے کتنی بار اپنے بازوؤں پر اس کے اشکوں کی نمی محسوس کی ہو گی مگر ان رازوں پر پردہ پڑا رہنا ہی بہتر ہے۔

ہاں ان رازوں پر پردہ پڑا رہنا ہی بہتر ہے وگرنہ دکھ صورت بن کر سامنے آ گئے تو ہم اس ہجوم میں اپنے آپ کو کیوں کر پہچان سکیں گے ہر چہرہ ہمیں اپنا چہرہ لگے گا۔

ہم آخر کیسے خود کو پھر سمیٹ سکیں گے اس دکھ سے کیوں کر نکل سکیں گے' اپنے حصے کا جو شخص ہم نے اپنا جان کر تلاش کیا جسے اندر سے تسخیر کیا...... اس کے دل میں تو پہلے ہی تمناؤں اور نئے جہانوں کو فتح

کرنے کے جھنڈے لہرا رہے ہیں' ہماری محبت کی جیت کا علم کیا نصیب ہو گا۔

میں پاؤں بھر جگہ پر کھڑی کب سے سوچ رہی ہوں کہ میں اس دل میں کہاں ہوں اور کوئی ہے جو کہتا ہے یہاں سب کچھ ہے صرف تم نہیں ہو سکتیں کہ اسے محبت کا سودا نہیں یہ محبت کو دنیا کی چیز سمجھ کر اور چیزوں کی طرح برتنا چاہتا ہے یہ ایک عملی آدمی ہے' جو محبت جیسے عنقا اور ارفع جذبے کو بھی صرف ضرورت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔

''تم یہ خاموشی سے سر جھکائے کس مراقبے میں چلی گئیں' میں تم سے پوچھ رہا ہوں کیا واقعی کوئی ہے جس کے لیے تم مجھے چھوڑ دینا چاہتی ہو۔''

بے سبب آنکھیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

''اس شخص کے لیے میں دنیا اور اپنی ذات کو بھی تیاگ چکی تھی اور یہ کہتا ہے کیا کوئی اور......کیا سات برس کے اس تعلق میں اس نے مجھے اتنا ہی سمجھا ایسا ہی سمجھا۔''

محبت بدگمان ہوتی ہے مگر کسی کو کیا حق ہے کہ دوسرے کی ذات کردار تک تار تار کر کے رکھ دے' بدگمانی میں بھی دل ایک امکان تو رکھتا ہی ہے مگر یہاں تو یوں لگتا ہے۔ جیسے ساری کارروائی مکمل تھی ایک فیصلہ باقی تھا اور وہ اچھی طرح جانتی تھی اس کا فیصلہ کیا ہو سکتا تھا۔

''تم آج جو کہنا چاہتے ہو کہہ سکتے ہو تم پر میری طرف سے ایک حرف کا بھی خون بہا واجب نہیں۔''

یہ پہلا جملہ تھا جو اس نے خود کو سمیٹ کر بہت دیر بعد کہا تھا۔ وہ اسے دیکھتا رہا کتنی ساعت خاموشی سے پھر ہونٹ تو ہلے مگر آواز کم رہی اس نے ٹیبل پر ہاتھ رکھے اندر کے ہیجان سے ہاتھوں کی رگیں ابھر آئی تھیں۔ کبھی زعم تھا میں اس خون کی روانی میں دعا بن کر دوڑا کرتی' محبت کی پہلی دعائے نیم شبی لیکن انسان کی محبت یہ انسان کے دل کو کتنے بہکاوے کتنی ٹھوکریں لگاتی ہے کتنی ٹھوکریں۔

''میں اب چلتا ہوں'' مختصر کہہ کر وہ اٹھ گیا اور ہواؤں نے اس کا جملہ بار بار دوہرایا۔

''میں اب چلتا ہوں۔''

''میں اب چلتا ہوں۔''

اور اندر دل تھا یک ہی سانحے پر ساکت و صامت تھا۔

''میں اب نہیں لوٹوں گا۔'' کتنا قطعی لہجہ تھا وہ گم سم اسے جاتا دیکھتی رہی پھر ان کی ملاقاتیں کبھی کبھی میں ڈھلتی گئیں اور پھر طویل وقفے آنے لگے اسے اس کے بارے میں معلومات دوسرے دینے لگے وہ کیسے ایک ماہر پاپارازی رپورٹر بن گیا ہے اس کا قلم کس طرح سیاسی قلابازیاں کھاتا ہے اور وہ کس طرح دولت کے ہاتھوں رہن ہو گیا ہے۔ اور پھر ملک کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ اور اس کے سیاسی حل پر اس نے ایک آرٹیکل سیاق و سباق کے ساتھ لکھا اور انگریزی روزنامے نے اسے اسی انداز میں چھاپا تھا تب وہ اس کے روم میں بہت مہینوں بعد داخل ہوئی تھی کمرے کی سیٹنگ کسی کی مہربانیوں کی منہ بولتی داستان تھی اسے پہلے سرخ گلاب پسند تھے اور اب اس کی میز پر پھول دور دور تک نہیں تھے۔ جیا ملک نے اس پر کہا تھا۔

''وہ کہتا ہے دنیا میں خود انسان سے زیادہ کوئی خوبصورت چیز نہیں کائناتی حسن فطرت یہ سب ڈراؤن کی تھیوری کے تحت وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے ہیں جو چیزیں آج ضروری ہیں کل بالکل بے مصرف ہیں

جیسے پہلے لوگ محبت' وفا اور حب الوطنی کو اپنی ہر احتیاج سے اہم سمجھتے تھے کبھی کبھی اتنا اہم کہ خاندان تک ان خرافات پر نچھاور کر دیتے تھے لیکن اب انٹرنیٹ کا زمانہ ہے آج کے نوجوان اور بچے جان چکے ہیں سب کچھ اہم سہی مگر خود ان کی ذات سے زیادہ کچھ اہم نہیں' رہی فطرت اور جبلت تو جینٹک انجینئرنگ کے تحت اسے بھی بدلنا کچھ مشکل نہیں "ڈولی شیپ" ابھی اتنی پرانی بات تو نہیں۔

انسان اس معمے کو حل کر چکا ہے سو اسے اس کامیابی پر خود کو سراہنا اس کا حق ہے دقیانوسی جذبات اور طرز زندگی آج کے دور کی چیز نہیں۔"

وہ خاموشی سے جیا ملک کے منہ سے اس کی گفتگو سنتی رہی تھی مگر فطرت سے منہ موڑ لینے والے اس شخص کو دیکھ کر آج سننے سے بھی زیادہ دیکھ لینے کا دکھ ہو رہا تھا۔

"پھول تمہیں بہت پسند تھے۔" بلا آخر گلاس ڈور پش کر کے اس نے یہ پہلا جملہ کہا تھا۔ کمرے میں اس کی آواز یوں محسوس ہوئی تھی جیسے اہرام مصر میں بھٹکنے والی کوئی روح۔

شیرازی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور بہت رسان سے بولا تھا۔

"ہمیں زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف چیزیں پسند ہوتی ہیں لیکن یہ طے شدہ امر ہے ہر عمر کی پسند اگلی عمر میں تبدیل ہو جاتی ہے پہلے مجھے پھول پسند تھے' مگر جب سے میں نے انہیں بازاروں اور سڑکوں پر بکتے دیکھا تب میرے دل نے کہا تمہیں ایسی عام چیز کیونکر اٹریکٹ کر سکتی ہے جسے کوئی بھی لے سکتا ہے' تم تو جانتی ہو مجھے پہنچ سے دور اور بہت اونچی چیزیں خریدنا اور اس سے اپنی زندگی سجانا کتنا اچھا لگتا ہے۔" وہ وہیں جامد ہو گئی' آج وہ اس کی غلط روش پر اس سے جواب طلب کرنے آئی تھی لیکن وہ کتنے آرام سے اس کے سامنے خود اسے ہی ذلیل کر رہا تھا۔

"کیا وہ اتنی عام اور گری چیز ہے جیسے......" وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی دل میں ٹیس سی اٹھی اور یہ اس کے دل کا حق تھا کہ ایک عرصے اسی دل نے تو اس شخص کو پسند کیا تھا اور اس کی ذہانت بلند ذہنی اپروچ پر سراہا تھا۔ اپنایا تھا اپنے آپ سے بھی زیادہ چاہا تھا۔

اس نے کچھ کہا نہیں تھا قدم واپس موڑ لیے تھے لیکن یہی وہ دن تھا جب اس کے دل نے کہا شیرازی معید جسے وہ جانتی تھی آج مر گیا تھا' باوفا حب الوطن اور محبت کا شیدائی شخص' دنیا دار غدار اور ہرجائی ہو جائے تو دل کو کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ اس کے سینے پر کون سا ٹیگ چسپاں کرے دل کے فیصلے دل ہی بہتر کر سکتا ہے' اور آج جب اس نے اسے ایک پریس کانفرنس میں شریک نشا کے ساتھ اس ملک پر مزید ہرزہ سرائی کرتے پایا تھا تو ہولے ہولے محبت کو اپنے دل میں کئی فٹ گہرا گڑھا کھودتے دیکھا تھا۔

"محبت اور یہ شخص جو یہاں آج دفن ہو گیا کبھی میری زندگی تھا۔" اس نے کیٹس کی طرح شیرازی کی لوح مزار پر حرف کندہ کیے اور قلم کہیں گہرے پاتال میں پھینک دیا۔

"آج کے بعد میں محبت پر کچھ نہیں کہوں گی کیونکہ میں جان گئی ہوں محبت کچھ بدل نہیں سکتی' کچھ بھی نہیں وگرنہ ایک اس دل کو اس جیسا نہیں کر دیتی جیسا میں چاہتی تھی کہ ہو جائے محبت پر لوگ اسی وقت رطب اللسان رہ سکتے ہیں جب وہ صرف اسے دور سے دیکھنے والے ہوں کیونکہ محبت کر لینے والے بے

خانماں و برباد ہوتے ہیں ایسے کہ پھر کوئی ان سے اس حوالے سے بات کرے تب بھی ان کی حیرت نہیں مٹتی' حسرت نہیں ختم ہوتی' ہائے محبت تیری حسرت۔"

اس نے اپنی چیزیں سمیٹیں اور بے سبب مسٹر جمال احسن کے کمرے میں داخل ہوئی مسٹر جمال احسن اکیلے نہیں تھے سرفراز افضل بھی ایک صوفے پر بیٹھے تھے اور ایک کے بعد ایک چینل چینج کر کے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے اپنے اس ورکر پر ایسا فخر تھا جیسے کوئی اپنی اولاد پر کرتا ہے میرا خیال تھا یہ صحافت کے لامحدود افق پر بکھری ہوئی کتنی ہی جہتیں، دنیائیں ابھی دریافت کرے گا لیکن سرفراز افضل یہ تو خود مکمل شخصیت ہی نہیں تھا پھر کچھ اور کیسے دریافت کرتا ابھی تو اسے اپنی ذات کو کھوجنے کی ضرورت ہے ادھوری ذات، ادھورے ذہن، اسی طرح ٹریپ ہو جاتے ہیں انہیں جس شخصیت، جس نظریے میں کچھ انفرادیت نظر آتی ہے وہ اسے اپنا لیتے ہیں دراصل اس کے اندر جو نامکمل پن کا احساس ہے وہ اس خلا کو کسی بھی طور پر کر لینا چاہتا ہے۔ چاہے وہ کسی کا لائف اسٹائل ہو اس اسٹائل کی کسی خاص خوبی سے یہ فوراً امپریس ہو جاتے ہیں اور متاثر ہونے والے یہ کبھی نہیں جان سکتے کہ وہ جس خوبی سے متاثر ہوئے ہیں آیا وہ کوئی خوبی بھی ہے یا صرف کسی کھائی کی طرف جانے والا راستہ۔"

"کھائی ......راستہ......" سرفراز افضل نے تاسف سے نشا سرفراز کو دیکھا اور ان سے بھی زیادہ حسرت سے کہا۔

"تم کتنے خوش نصیب ہو کہ اسے صرف اپنی اولاد جیسا سمجھتے تھے مجھے دیکھو میں نے اپنا آپ اس ایک اولاد کے لیے تیاگ دیا۔ لیکن میرے لفظ جو دوسرے دلوں کو روشن کرتے تھے اپنے گھر میں ایک دل کی گرد نہیں مٹا سکے۔ جمال میں کیا کہوں اس حادثے کو؟"

کیا میں نے صرف لفظ لکھے، کیا میرے لفظوں میں کھوٹ تھا۔ کوئی جو میرے نصیب کی یہ سزا میرے ہونے پر طعنہ زن ہے تم کر سکتے ہو اس حوالے سے جو کبھی تمہارے دل میں تھا۔ مگر میں اگر چاہوں تو کیونکر مکروں کیونکر جمال......" ان کی آواز میں اندر کی ٹوٹ پھوٹ اتنی واضح تھی کہ وہ جامد ہو کر اندازہ کرنے لگی کہ نقصان کس کا زیادہ تھا۔ دل اپنی ہٹ پر تھا کہ تم لٹ گئیں سب کھو دینے کا احساس ہر دکھ پر حاوی ہے لیکن سرفراز افضل کو دیکھ کر اسے لگا اس کا نقصان تو بہت کم رہا انہوں نے تو اپنی بیٹی کھو دی ہے اپنی زندگی کی آخری امید کھو دینے والا شخص کتنا حرماں نصیب ہو سکتا ہے؟ اسے سوال کیے بغیر اس کا جواب مل رہا تھا وہ دونوں اب خاموش ہو چکے تھے اب دونوں کی نظریں اس کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

"میں جانتا تھا تم ہی ہو گی سو اپنے دل کے زخم کریدتے کریدتے کوئی آڑ نہیں رکھی، میں جانتا تھا تم اسی محبت کے گھر کے سامنے بے خانماں بیٹھی ہو جس محبت نے میری ذات خاکستر کر دی ہے فائحہ، میری بیٹے کیا تم محبت کے خدا سے پوچھ کر بتا سکتی ہو کہ کیا محبت صرف جلایا کرتی ہے۔ ہم کو صرف خاک کر کے مٹایا ہی کرتی ہے یا کہ دل بھی سنوارتی ہے؟" وہ سرفراز افضل کے سامنے آ رکی۔

اس نے کچھ نہیں کہا مگر اپنا کمزور ہاتھ ان کے کاندھے پر رکھے خاموش کھڑی رہی اتنی خاموش کہ جمال احسن نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخسار تھپتھپا کر بے سبب کہا۔

''تم فائحہ بہت بہادر لڑکی ہو۔ تمہاری محبت نے کچھ اور اچھا انسان منتخب کر رکھا ہوگا تم اس المیے کو دل کا روگ مت بنا لینا دیکھنا ایک دن سب اچھا ہو جائے گا، سبھی کچھ اچھا......'' اس نے سکوت سے دم سادھے آنکھیں ان پر ٹکائیں اور دل میں پھر سے سوچا۔

''جب ہم خود کسی حادثے پر اتنا رولیں کہ ہمارے آنسو ختم ہو جائیں، ہمارا دل ہی اندر سے مر جائے تو کسی کی تسلی کسی کی ڈھارس، کتنی بے معنی کتنی بے سبب لگتی ہے جیسے کسی مردہ تن پر کوئی سب سے بیش قیمت لباس پہنا کر اس کے حسن کو سراہے مگر سراہا جانا تو صرف زندہ لوگوں کی حسرت و تمنا ہوا کرتی ہے مگر یہ بات ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔''

''میں......سر میں واقعی بہادر ہوں آپ بے فکر رہیں یہ غم مجھے توڑ نہیں سکتا۔'' کتنا مکمل جملہ اور کتنے یقین بھرے لہجے میں کہا تھا اس نے مگر اندر کی خاموشی ان جملوں سے بھی نہیں ٹوٹی تھی بلکہ ہر لمحہ یہ سکوت اور گہرا اور گہرا ہوتا چلا گیا تھا۔

قریب رکھے فون کی بیل ہوئی تھی وہ واپس حال میں لوٹ آئی تھی مگر سی ایل آئی پر نمبر دیکھ کر بے سبب اس کا دل کرلایا۔

''کاش جو شخص میری زندگی سے نکل چکا ہے اس کی ہر یاد بھی مجھے چھوڑ دے یہ ادھورے و چھوڑے یہ پوری یادیں کس قدر ہراساں کرتی ہیں جب کسی کی آواز سننے کو بھی دل چاہے اور محبت کا وقار قدموں کو پتھر کر دے تو وہ دل جو صرف پتھر ہونے کا پوز کرتا ہے وہ کس قدر آفت مچاتا ہے سینے میں، اتنی آفت کہ سانس لینا کار دشوار لگنے لگتا ہے۔''

''پلیز شیرازی مجھے بھول جانے دو کہ میں کبھی تم سے بھی ملی تھی مجھے بھول جانے دو تا کہ میں اور کچھ یاد کر سکوں، خود اپنے آپ کو دوہرا سکوں۔''

اس نے ریسیور کریڈل سے ہٹا کر رکھ دیا، انگیج ٹون اب ساری رات اس کے اس زخم تازہ پر افسوس کرنے والی تھی۔ اس نے سوچا اور آنسو صاف کرتی تکیے پر سر رکھے اس افسوس میں خود بھی شامل ہوگئی۔

☆......☆......☆

''تمہیں کیا لگتا ہے میں تمھارے ساتھ تنہا یہاں کیوں چلی آئی۔'' اس نے ملازم کی لائی ٹرالی سے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سوال کیا تو وہ ہولے سے مسکرایا۔

''تمہارا کردار بہت اسٹرونگ ہے تم کچھ بھی سہی لیکن بری لڑکی نہیں اس لیے میں برملا کہہ سکتا ہوں شاید تمھیں مجھ میں اپنے درد مشترک کی کوئی جھلک دکھائی دی ہوگی۔ جس نے تمہیں میری طرف متوجہ کیا۔ ہو سکتا ہے تم کتھارسس کرنے کے موڈ میں ہو۔''

''کتھارسس......'' وہ ہنسی پھر یکدم اس کی بڑی بڑی خمار سے گلابی ہوتی آنکھوں میں آنسو جم گئے رات سے گہرا اندھیرا تھا اس کے اندر جو اس پر چھا سا گیا تھا۔ وہ کتنی دیر تک اس لفظ کو محسوس کرتی رہی پھر بے جان ہنسی میں رنگ بھرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''میں بہت کم اپنے کسی دکھ کو اپنے اوپر طاری کرتی ہوں میں نے جب لفظوں کی اہمیت کو سمجھنا

شروع کیا تو مجھے لگا یہ ہی دنیا میں سب سے کم تر اور بے وقعت چیز ہیں۔ سو میں نے پھر کبھی اپنے لفظوں میں اپنے اندر کا دکھ نہیں انڈیلا، میں نے کبھی نہیں لکھا۔ ماما کہتی تھیں تمہیں سی ایس ایس کرنا چاہیے تا کہ ہماری فیملی کو اور زیادہ سپورٹ ملے۔ لیکن میں نے بی ایس سی سے آگے نہیں پڑھا میں نے سوچا جب میری اہمیت صرف ایک ڈگری یا ایک عہدے تک ہے تو پھر میں کوئی کوشش کروں ہی کیوں میں کسی اور کے خوابوں کی جنگ اپنی انرجی پر کیوں لڑوں۔ اسفی تم مجھے خود غرض لڑکی مت سمجھو، دراصل یہ میرے اندر کی حساس اور پر خلوص لڑکی کا احتجاج تھا۔ جسے سب نے مل کر مار دیا تھا میں کسی ملازم کے دکھ میں دکھی ہوتی تو گھر کے سب لوگ کہتے میں نفسیاتی مریض ہوں یا شاید شو آف پرسنالٹی بنانے کی شائق، میں کسی سڑک پر پڑے زخمی فرد کو ہاسپٹل لے جاتی تو سب کہتے، تم نے کس قدر غلط کام کیا، یہ سب کام تمہیں زیب نہیں دیتے ہیں تم جس فیملی کی فرد ہو وہ صرف اس ملک پر حکمرانی کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے یہ غریب لوگ انہیں اپنے برابر آنے دینے کے لیے کوئی درز نہیں چھوڑنی چاہیے وگرنہ یہ پھر ہم پر حاوی ہو جاتے ہیں۔'' میں سنتی رہی اپنے ہر عمل کو رد ہوتے دیکھتی رہتی یہاں تک کہ پھر میں نے کچھ سوچنا ہی چھوڑ دیا میں ایک برف کے شہر میں رہتی تھی اور یہاں سانس لینے کے لیے مجھے برف ہو جانا پڑا تھا۔ مگر مجھے نہیں معلوم تھا یہ برف مجھے اندر تک سے واقعی جما دے گی۔''

اس نے آنکھیں بند کر لیں اسفند یار کو لگا وہ اس کے دل...... میں اتر کر اس کا کھوج لینا چاہتی ہو۔ وگرنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ دونوں ایک دکھ کے دلدار ہوتے۔

عادی ہونا بے حسی کی طرف لے جانے والا راستہ ہے پھر جس چیز کی عادت ہو وہ ملے یا نہ ملے ہمیں اس کے ہونے کا احساس کوئی نئی بات نہیں سوچنے دیتا، ہم اندر سے مر جاتے ہیں اور دلدار ہونا متحرک اور زندہ کرنے والا ہاتھ ہے مگر یہ کسی دکھ کی دلداری ہو تو دل بڑا کرلاتا ہے کبھی کبھی تمنا کرتا ہے کہ اس کے دل ہونے کا احساس بھی دکھ کی طرح مٹ جائے مگر یہ آرزو ناتمام ہی رہتی ہے۔

''تم سوچتے تھے شاید میں کوئی نئی بات کروں گی اور میں وہی قصے لے بیٹھی جو میری خبروں کے ساتھ اخبار کی زینت بنتے رہتے ہیں۔'' کتنی پھیکی ہنسی تھی جیسے کوئی لاش مسکرانے کی ناکام سعی کرے۔

''تم یہ مت سوچو آج تم جو چاہو کہہ سکتی ہو، پتا نہیں آج میرا دل بھی یہی چاہتا ہے میں بھی وہ سب کچھ کہہ دوں جو بہت برسوں سے میرے اندر کسی ادھوری یاد کی طرح جم گیا ہے آج میں نے بہت خواہش کی تھی کہ کوئی ہو جو مجھے بھی سننا چاہے۔''

''کیا آج تک تمہیں کبھی کسی نے نہیں سنا......'' یہ سوال بذات خود کتنا بڑا المیہ تھا۔

دکھ سے اس کے اندر اتھل پتھل مچ گئی تھی وہ بڑی بڑی پارٹیز میں بلایا جاتا تھا اس کے سینکڑوں نہیں ہزاروں دوست تھے ایسے بھی جو صرف اس کی ڈوئل پرسنالٹی کے زخم خوردہ تھے کچھ اس کے وہ فرینڈ تھے جن سے دوستانہ تعلقات کی صرف اصل نہج بزنس تھا وہ نہیں' اور کچھ وہ تھے جو اسے دوسروں کے لیے ایک خوف کی علامت کے طور پر شو کرتے تھے مگر ان سب چہروں میں کوئی بھی تو نہیں تھا جو اس کا اپنا ہوتا اسفند یار کا ایک اکیلا اپنا۔

''شاید میں کبھی اتنا فارغ ہی نہیں رہا کہ اس جھنجھٹ میں پڑتا' بہت مصروف زندگی ہے میری' پتا

نہیں آج کیسے میں تمہارے لیے فرصت نکال پایا۔ سونیا تم میں ہے کوئی بات ایسی جو مسحور کرتی ہے جو اپنی جیسی لگتی ہے۔''

''کیا تم مجھ سے فلرٹ کرنا چاہتے ہو۔'' کتنا کھردرا لہجہ تھا وہ ساکت و جامد رہ گیا اس لڑکی کے نازک خال و خد دیکھ کر کوئی بھی اسے باٹ کیک سمجھ سکتا تھا مگر اس کے اندر کی سختی...... وہ اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا اس لیے اس سختی اور بے مہری پر اسے چونکنا نہیں چاہیے تھا لیکن آج وہ ہر چیز' ہر بات پر چونک رہا تھا شاید یہ محبت جب اندر داخل ہوتی ہے تو دل میں ایک وہم' کچھ ہو جانے کا ڈر بھی پیدا کرتی ہے۔ انسان ہر بات پر حیران ہوتا ہے کبھی کبھی دل کی دھڑکن سن کر بھی ٹھہر جاتا ہے' اس کے قدموں کی چاپ اگلا اقدم اٹھانے میں حائل ہو جاتی ہے' مگر یہ صرف احساس کے سوا کچھ نہیں...... وہ اطمینان سے بولا تم جس کو پسند کرتی تھیں کیا تمہیں واقعی اس سے محبت ہوئی تھی۔'' سونیا رحیم کی آنکھوں میں کھنچاؤ آ گیا یوں جیسے کسی تازہ زخم پر آیا کھرنڈ اترنے لگے۔

''میں نے محبت کرنی ہی نہیں سیکھی' میری فیملی میں دراصل یہ کسی نے کسی سے کی بھی نہیں ہمارے خاندان میں ہر تعلق صرف پرافٹ کا مارجن بڑھائے جانے کے سبب کے سوا کچھ نہیں تھا' لیکن جب یہی سبب مجھے بنایا جانے لگا تو میں یہاں آ گئی اس شہر میں مجھے کوئی پہچاننے والا نہیں تھا میں نے یہاں ایک نیوز پیپر میں جاب کر لی تب پہلی بار میری ملاقات ساحر ظفر سے ہوئی میں اپنے پیپر کے لیے اس کا انٹرویو کرنے گئی تھی میرے انداز میں پروفیشنلز بہت واضح تھا لیکن ''ساحر ظفر'' کی آنکھوں میں ایک ایسی گمنام ستائش تھی جو آج تک میں نے کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھی۔ ستائش میں تعظیم کا انداز بالکل صبح کی عبادت کی طرح تھا۔

میں اس کے آرٹ کے نمونے سلیکٹ کر رہی تھی اس کی شاعری کی کتابوں سے اس کی منتخب شاعری پڑھ رہی تھی کہ وہ مجھے اپنے میوزک روم میں لے گیا موسیقی پر اس کا عبور' وائلن کے تاروں پر تھرکتی بے لفظ نوا' میں گم سم ہو گئی میرے سوالات میرا ساتھ چھوڑنے والے تھے مگر میں نے بدقت خود کو کمپوز کیا میں اس کیفیت کو قابو نہیں کر پا رہی تھی مجھے یہ سحر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کشش کیا تھی۔

پھر انٹرویو کے بعد میری اکثر اس سے فون پر گفتگو رہنے لگی تب مجھے لگا میں اس کے فون کا بہت شدت سے انتظار کرنے لگی ہوں مجھے اس کا ہر وقت انتظار رہتا ہے اور جب وہ میرے سامنے سگریٹ کا دھواں اڑاتا اپنی شاعری سنانے لگتا تو مجھے لگتا بس یہی حرف ہیں جنہیں سراہا جانا چاہیے جن میں زندگی ہے جو ہولے ہولے میرے آئس گلیشیئر دل کو پگھلائے دیتی ہے میں اس کے سامنے بہتی ندی بن جانے کی خواہش رکھتی تھی جس سے وہ سیراب ہوتا اور وہ میری اس تمنا سے بے پروا اسی تعظیم بھری ستائش سے دیکھے جاتا تب میں نے پہلی بار اس محبت کو خود میں دریافت کیا میں بہت آؤٹ اسپوکن پرسن تھی سو اس جذبے کو دریافت کرنے کے بعد خود میں سینت سینت کر نہیں رکھا میری تربیت میں مڈل کلاس کی ہونق قسم کی محبت کا شائبہ تک نہیں تھا میں نے بہت مختصر لفظوں میں دل کی یہ واردات کہہ ڈالی تھی۔ ساحر ظفر کی آنکھوں میں اس لمحے اتنی چمک تھی کہ میں نے اتنی روشنی پہلے کبھی اور کہیں نہیں دیکھی تھی وہ اس تعلق پر مجھ سے بھی زیادہ خوش اور نازاں تھا۔ ہم بہت اچھی زندگی کے لیے پروگرام بنا رہے تھے کہ اچانک پاپا درمیان میں آ گئے

انہیں یہ تعلق صرف دوستی کی حد تک تو پسند تھا لیکن وہ ساحر ظفر کو اپنی فیملی کا فرد کبھی بنانے کے خواہش مند نہیں تھے میں نے انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ بے حد غصے میں واپس اسلام آباد چلے گئے تب میں اپنے پرچے کے کام کے سلسلے میں کراچی میں تھی مجھے ایک فلاحی ادارے کی ذاتی طور پر کارکردگی کو احاطہ قلم میں لانا تھا دراصل میں اس شعبے میں صرف کام کے لیے آئی تھی اور کام کے لیے میرا اصول تھا ہر کام جو میں کروں' اس میں میری شخصیت جھلکے ہمیں پرانے تبصروں انٹرویوز سے نئے صفحے بھرنے کی تمنا نہیں تھی سو میں نے اس شخصیت کی ذاتی زندگی اس کی فلاحی شخصیت کی پرتیں کھوجنے کی سعی میں ایک ہفتہ لگا دیا پھر جب میں واپس لوٹی ساحر ظفر سے ملنے کی تمنا میں...... میں نے اسے ہر جگہ کھوجا لیکن وہ مجھے کہیں نہیں ملا تب میرے ایک کولیگ نے ساحر ظفر کی ایک تصویر سے سجا نیوز پیپر لا رکھا وہ لڑکی...... اسفی وہ لڑکی ذرہ بھی نہیں تھی اور ساحر ظفر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے انگیجمنٹ رنگ پہنا رہا تھا آج اس کی آنکھوں میں اتنی چمک تھی اتنی چمک اسفی کہ میرا دل بجھنے لگا' مجھے لگا کسی نے سر بازار مجھے رسوا کر دیا ہو میں نے اس لڑکی کو ہزاروں بار دیکھا اور میرا آئینہ اس لمحے پر لاکھوں بار رویا۔ تب ساحر ظفر کے ایک کولیگ سے مجھے اس کا نیا نمبر ہاتھ لگا میری آواز سن کر وہ خاموش ہو گیا تھا' تب میں نے پوچھا تھا۔

''پرانی زندگی سے تم کیا اتنے ہی بددل ہو کہ ہر رابطے کو چھوڑ دینا چاہتے ہو۔''

''ہاں ایسا ہی ہے میں ہر پرانے رابطے کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔'' میرے اندر اس کے لفظوں نے کانٹے اگا دیئے پھر بھی میں نے پوچھا۔

''کیا تم مجھے بھی...... ساحر کیا تم مجھ سے بھی تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔''

میرا خیال تھا وہ ہنسے گا۔ کہے گا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے میں تمہیں چھوڑ دوں قسم سے سونی تم سے مل کر باتیں کر کے تو میں جیتا تھا اور جیون کی خواہش تو مرتے دم تک رہتی ہے۔'' مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کہا وہ خاموش رہا پھر سرد مہر انداز میں بولا۔

''میں تم سے تعلق رکھنا چاہتا ہوں یا نہیں، کیا پرانے تعلقات کے سختی سے چھوڑ دینے نے تم پر کچھ نہیں واضح کیا یا تم کوتاہ نظر ہو۔''

میں اس سے بدگمانی اور اس حادثے پر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتی تھی لیکن اس نے فون بند کر دیا تھا پھر کتنی ہی دفعہ اس نے میری آواز پر ریسیور رکھ دیا تھا میں چیختی رہی' ساحر ساحر اور میرے اندر خاموشی بھرتی چلی گئی میں بہت تھک گئی تھی تب میں نے اسے اس کے آرٹ اسکول میں جا روکا تھا۔

''تم نے مجھ سے بلف کیوں کیا تم ایسے تو نہیں لگتے تھے تمہاری وہ باتیں اور وہ لہجہ کہیں سے بھی تو نہیں لگتا تھا تم مجھ سے فلرٹ کر رہے ہو۔'' ایک بار بھی میرے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ مجھے اس محبت کی سمجھ ہی کتنی تھی جو میں خالص اور نا خالص محبت کو پرکھ سکتی مگر یہ شخص جھوٹا اور فریبی ہو سکتا ہے میرے دل نے اس لمحے بھی ایسی کوئی دہائی نہیں دی۔ وہ مجھے دیکھ رہا تھا اور میرا دل چاہتا تھا وہ بس مجھے یونہی دیکھتا رہے اس کی نظر سے سب کچھ مٹ جائے صرف میں اس کی بینائی کے ریشے ریشے میں سما جاؤں مگر میرا یہ خیال غلط نکلا اس نے راستہ روکے میرے ہاتھ کو جھٹک دیا تھا اور میں اس کی حسرت میں فقیر ہو گئی تھی میں ہر روز اس کے آرٹ اسکول کے سامنے جا کھڑی ہوتی۔ اتنی پابندی سے کہ ایک دن اس نے اپنی گاڑی کا فرنٹ

ڈور میرے لیے کھول دیا۔

''بیٹھو......''

تحکم بھرا وہی اپنا لہجہ تھا مجھے لگا اس کے دل کا بند دروازہ بھی ایسے ہی کھل گیا ہے مجھ پر لیکن یہ بھی غلط تھا وہ مجھے اپنے گھر لے آیا تھا' تصویر والی لڑکی اس کے گھر میں زندگی کی طرح جی رہی تھی۔

''میں نے پچھلے ہفتے شادی کر لی ہے۔'' دل یکلخت سمٹ کر کھلا اور اندر ہی اندر مر گیا۔

ساحر ظفر اور بے وفا...... مجھے کتنی ساعت یقین نہیں آیا پھر جب دل نے اس سانحہ کو قبول کیا تو میں نے پوچھا۔

''کیوں کیا تم نے ایسا یہ گھر میرا تھا یہ دل بھی میرا تھا پھر کوئی اور کیوں کوئی اور کیوں۔'' میرا دل چاہتا تھا بس کمرے میں رکھی ہر اس چیز کو توڑ دوں جسے اس کی بیوی نے چھوا ہو مگر میں ایسا نہیں کر سکی کہ ہر اس چیز کو جسے اس کی بیوی نے چھوا تھا اسے ساحر نے بھی تو چھوا ہوگا اور ساحر کا ہر لمس مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھا وہ مجھے دیکھے جا رہا تھا پھر اس نے اپنی بیوی کو جانے کا کہا شاید اس نے نہیں کہا تھا وہ صرف اس کی آنکھوں سے جان گئی تھی اور تب مجھے لگا تھا کہ میں اس ایک فخر میں بھی غلط تھی کہ اس ایک اکیلی دنیا میں میں واحد ہوں جو اسے اس کی آنکھوں اور سانس اور لہجے کی اتار چڑھاؤ سے پہچان سکتی ہوں۔ وہ اور میں اکیلے کمرے میں کھڑے تھے جب اس نے میرے سامنے اسلام آباد کے ایک معروف نیوز پیپر کے صفحات پٹخے تھے' یہ ہمارے شہر میں بے حد کم آتا تھا۔ ہمارا نیوز پیپر ایک کم ترین اشاعت کا نیوز پیپر تھا اس لیے اس کے وسائل بھی محدود تھے لیکن اس اخبار کی انویسٹی گیشن ٹیم زبردست تھی ہر خبر میں' میں اور ساحر ظفر تھے تصویر اور خبر بہت مختصر تھی' لیکن ہر جگہ پاپا کا نام اور سیاسی ساکھ رکھ دی گئی تھی۔

''میں سونیا رحیم ہوں۔'' یہی میرا تعارف تھا اور میرے لیے صرف اتنا ہی تعارف ضروری تھا لیکن اس لمحے وہ آنکھیں جن میں مجھے دیکھ کر روشنی ہو جایا کرتی تھی دھوپ بنی مجھے جھلسا رہی تھیں۔

''تم نے کہا تم سونیا رحیم ہو میں نے یقین کر لیا مگر تم رحیم سردار کی بیٹی ہو سکتی ہو میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا جس طرح تم میرے ساتھ فٹ پاتھ ہوٹلنگ کرتیں میری طرح نان چھولے کھاتیں پشاوری آئسکریم کے مزے لوٹتیں مجھے لگتا تمہارا ظاہر و باطن ایک ہے مگر مجھ پر کھلا تم کتنے عرصے سے مجھے بے وقوف بنا رہی تھیں۔''

''میں نے محبت کی تھی تمہیں بے وقوف بنانے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' میں نے کہا مگر اس نے یقین نہیں کیا تب میں نے چیخ کر پوچھا۔

''کیا ہے اس لڑکی میں جو مجھ میں نہیں'' اس نے مجھے دیکھا اور کرب سے کہا

''اس میں ایسا کچھ بھی نہیں جو تم میں ہے مگر اس کا ماضی میرے مستقبل سے ٹکراؤ نہیں رکھتا تمہارے پاس مسٹر رحیم سردار کی زرد سیاست کے سوا ہے ہی کیا، تمہارے پاس اپنا کچھ بھی نہیں ہے سونیا رحیم تم ایک کرپٹ باپ کی اولاد ہو اور مجھے صاف ستھری زندگی گزارنے کی عادت اور بس یہیں تم اطرو بہ سے ہار گئیں۔''

اسفی اس دن میں واقعی ہار گئی مگر میرے دل نے پوچھا ضرور اس خدا سے۔

''کیا برا ماضی رکھنے والے ایک اچھا مستقبل گزارنے کی تمنا بھی نہیں کر سکتے۔''

میں ریزہ ریزہ ہو گئی تھی۔ اسلام آباد لوٹ آئی تھی جب مجھ پر کھلا تھا یہ اخباری مہم پاپا ہی کی تھی جو وہ مجھ سے ساحر ظفر کو چھین لینے کے لئے چلا رہے تھے۔

''پاپا آپ کس قدر ایثار پسند ہیں کہ آپ نے اپنے خاندان کے نام کے لیے اپنی بیٹی اپنے آئندہ انتخابات کی بھینٹ چڑھا دی آپ جیسے شخص کے لیے یہ کتنا روح فرسا کام ہوگا اتنا روح فرسا کہ شاید میرے دل کے مرنے کا غم بھی اس غم میں چھوٹا لگے مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔'' وہ مسٹر رحیم سردار کی قد آدم تصویر کے سامنے اپنے سچ کا آخری حصہ کہہ رہی تھی یوں جیسے یہ کہہ لینے کی اس میں ہمت ہی نہ بچی ہو۔ اسفندیار اسے دیکھے گیا خاموشی سے پھر اٹھ کر اس کے قریب آن رکا۔

''تم اور میں ایک سے ماحول ایک سے دکھ کے گھائل ہیں' میرے پاس بھی خاندان کی سیاست اور نام کے سوا کچھ نہیں۔''

''ہاں تم میں اور مجھ میں صرف ایک فرق ہے کہ تم نے بے حسی اختیار کر لی ہے اور میں نے اپنے اندر کا احتجاج پورے کا پورا باہر نکال کر اپنی اندر کی ذات کی بقا کی جنگ لڑی تم معصوم ہو اور میں نے کتنے ہی بوجھ اپنے اوپر سوار کر لیے۔'' سونیا رحیم اسے دیکھے گئی اور پھر مڑ کر بولی۔

''تمہاری محبت کیا تھی کیسی تھی۔''

''میری محبت ......'' وہ زبان پر اس لفظ کو روک کر یوں خاموش ہو گیا جیسے اس کا ذائقہ چکھنا چاہتا ہو۔

''مجھے یہ محبت پہلی بار کبھی بھی نہیں ہوئی تھی تم نے جو واردات نہیں کہی مگر میں جان گیا کہ اس دکھ کے بعد تم نے کتھارسس کے شور سے بچنے کے لیے خود کو بہت سے دھوکے دیئے ہوں گے تم نے — چاہا ہوگا کبھی تو تمہارا دل دوبارہ اس مزے کو خود میں سموئے گا مگر تمہارے اندر کے دکھ کے یہ دھوکے فریب' دل کو اور برباد کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر پائے ہوں گے مگر میں نے کبھی یہ حسرت ہی نہیں کی مجھے بھی — کسی سے محبت ہو' میں صرف تعلقات کو دل بہلانے کے مشغلے کے سوا کچھ نہیں سمجھتا تھا مگر سونیا وہ لڑکی ...... وہ لڑکی میری اندر یوں اتر گئی جیسے میرے اندر کی حسرت اسی کی تمنا کیا کرتی تھی' اور میرا دل اسی کا گھر تھا۔'' وہ کہتے کہتے رک گیا پھر ہوک سے بولا۔

''وہ جتنے دکھ سے مجھے ہر سیٹر ڈے کو اس قبرستان کے گیٹ پر ملتی ہے میرا دل چاہتا ہے وہ بس ایک بار مجھے کہے کہ وہ میری ہے اور پھر چاہے تو مجھے قبر بنا دے مجھے مار دے جلا دے' مٹا دے مگر ایک بار میری حسرت سے اس کے چہرے پر اتنا ہی ملال ضرور ہو' جتنا اس شیرازی کے لیے اس کے ملیح چہرے پر ہوتا ہے پتا نہیں یہ شیرازی کون ہے کیا تھا کیسا تھا کہ اس کا دل جیت گیا میں اسے نہیں جانتا مگر دل چاہتا ہے میں اسے جانوں پھر ویسا ہی بننے کی کوشش کروں جیسا اسے بننا پسند ہے جیسا دکھائی دینا اسے اچھا لگتا ہے' سونیا یہ محبت یہ کیا چیز ہے بے دست و پا کر دیتی ہے اندر سے کمزور کر دیتی ہے ایسے کہ خود اپنی ذات کا دفاع کرنا اچھا نہیں لگتا بس دل چاہتا ہے جسے دل چاہتا ہے وہ آئے ہمیں سنوارے' بکھیرے اور چاہے تو پھر سنوار دے مگر دل شکوہ نہ کرے۔''

سونیا رحیم اس کی کیفیت پرنم دیدہ ٹیرس پر آن رکی ملازمین کے کوارٹرز کے باہر مرد اکٹھے ہو کر آگ جلا کر بیٹھے تھے سونیا رحیم جب بھی یہاں آتی وہ اسی طرح الرٹ رہتے تاکہ رحیم سردار انہیں کسی بات پر سرزنش نہ کر سکیں۔ وہ وہیں کھڑی رہی تھی جب کہ اسفند یار کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے باہر نکل آیا تھا پھر وہ چپ چاپ ایک درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور ایک ایسی زبان میں گم تھا جو اس نے کبھی بولی نہیں تھی مگر دکھ کسی زبان کا ہو دل پر ایک ہی سا نقش اور اثر رکھتا ہے' ایک شخص ان کے درمیان بیٹھا تھا اور فضا میں اس کا دکھ بکھر رہا تھا یوں جیسے جلتے الاؤ کے شعلے چنگاری بن کر دور دور اڑیں۔

پھٹ گیا ہے یار میڈا میڈی جھگی ساڑ کے
میں دل وی اوں بے وفا کوں گولیندا رہ گیا
رات ہوا در کھڑکھٹا ڈنڈی رئی روپ تیڈا دھار کے
میں بوہا کھو .... لیندا رہ گیا
لگدا ہے عشق نے چسا لڈھ گھرے
اپنی ڈیوڑھی تے آ کے گھر گولیندا رہ گیا

اسفند یار قدم بہ قدم چلتا ان کے درمیان آن رکا۔

''ارے صاحب جی آپ۔'' اس نے محفل کے بے ترتیب ہونے سے پہلے ہی ہاتھ کے اشارے سے سب کو بیٹھے رہنے کا کہا پھر خود بھی ان کے برابر چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''یہ تم نے جو گایا یہ کیا تھا کیا تم بتا سکتے ہو؟''

نرمی سے وہ پوچھ رہا تھا سونیا نے بہت دور سے بھی اس پر نظریں گاڑے رکھی تھیں سوا کیلے پن سے گھبرا کر وہ بھی ان کے درمیان آ گئی تھی تب کسی ملازم سے پہلے اس نے کہا تھا۔

''یہ سرائیکی شاعری ہے۔''

''کیا تمہیں سرائیکی آتی ہے۔'' اس نے سوال کیا تب وہ سر ہلا کر بولی۔

''ہاں ساحر کو بہت سی زبانوں پر عبور حاصل تھا وہ مجھے کچھ نہ کچھ سناتا ہی رہتا تھا۔''

''اس خیال میں کلام میں کون سی واردات کہی ہے شاعر نے۔''

اسفند یار کی آنکھوں میں اشتیاق تھا اور سونیا رحیم آنکھیں بند کیے سنانے لگی تھی۔

میرا گھر جلا کے میرا دوست چلا گیا پھر بھی میں
اس بے وفا کو ڈھونڈتا رہ گیا
رات ہوا تیرا روپ دھار کے دروازہ کھٹکھٹاتی رہی
میں دروازہ کھولتا بند کرتا رہ گیا
لگتا ہے عشق نے دماغ خالی کر دیا ہے
میں اپنی ڈیوڑھی پہ آ کے بھی گھر ڈھونڈتا رہ گیا

سونیا رحیم کے اطراف کلام کا سارا دکھ سمندر ہو گیا تھا اسفند یار کا دل اس خوف سے کانپنے لگا تھا کہ اس کہانی کا کوئی کردار وہ بھی نہ ہو جائے۔

محبت..... یہ کم بخت محبت کتنے ڈراوے کتنے خوفوں سے جی کو بھر رکھتی ہے پھر بندہ محبت کا استقبال محبت سے بھی نہیں کر پاتا۔

''محبت کیا صرف خوف کے سوا کچھ نہیں' مل کر بچھڑ جانے کا خوف' مل کر بھی نہ ملنے خوف اور مر جانے کا خوف! اسفند یار ولی تم نے کبھی موت سے زیادہ زندگی کو اہمیت نہیں دی نہ اپنی نہ کسی اور کی پھر یہ آج تم میں کون ہے۔ جو پکار رہا ہے۔ وقت اے وقت ٹھہر، زندگی زندگی۔

وہ عجیب کیفیت میں آ گیا تھا یکدم اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اپنے اندر کی تیز سانس کو باہر کی سرد ہوا میں مدغم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا اور سونیا رحیم لڑکی چائے کا پیالہ ہاتھ میں لئے اپنے فرمائشی ماہیوں کا درد دل میں اتار رہی تھی خاموش سرد ہوا پتوں میں بین کرتی تیز ہوا رات اندھیرا اور سینے پر ہاتھ کے ردھم سے ڈولتا ہجر تھا۔

اس کا دل الجھنے لگا مگر وہ خاموش کھڑا تھا اور درد بھری استھائی گونج رہی تھی۔

چاندنی دے ڈونگے نی
زخم جدائیاں دے دریاں کولوں ڈونگے نی
چاندنی کے ڈونگے ہیں
جدائیوں کے زخم دریا سے بھی گہرے ہیں) ہتھ وچ تھالی اے
سجن دور گئے دوتیں سوالی ہیں
پنجرا کیوں خالی
روحے جواب دتا ماہی وچھوڑے نی اگ بالی

اسفند یار قریب آ گیا۔

''اس کا کیا ترجمہ ہے؟'' اس کے لہجے میں در آنے والے خوف چیخنے لگے تھے۔ سونیا رحیم اس کی طرف چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے بولی۔

''اس ماہیے کا ترجمہ شاید محبت کے اس قدم پر بہتر نہیں تم نے اس دشت میں پہلا قدم رکھا ہے تمہیں امید کی باتیں کرنی چاہئیں خواب رنگ باتیں سوچنی چاہئیں۔''

''پلیز سونیا بتاؤ نا!'' وہ چارپائی پر بیٹھ گیا اور سونیا کی وہ دل کھینچ لینے والی دکھ آشنا آواز گونجی۔

''پنجرا کیوں خالی ہے؟
روح نے جواب دیا ماہی نے جدائی کی آگ روشن کر دی ہے۔''

اسفند یار کے خوف اس کے چہرے پر سمٹ آئے۔

''جدائی' صرف جدائی محبت کا اثاثہ کیوں ہے۔''

''تمہیں ایسا کیوں لگا' یہ تو ایک تجربہ ہے کسی اور کا کیا ضروری ہے یہی تمہارا بھی حاصل ہو۔''

''سونیا تم..... تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم میرے دل کو امید دلاؤ۔''

''شاید اس دکھ کے احساس نے جو نا کام ہوتے وقت میرے دل نے محسوس کیا تھا ایسے جینے مرنے والا ہر وہ شخص جسے اپنے مرنے کا علم ہوا سے ہر اس مریض سے انس ہوگا جو جلد یا بدیر اس راہ پر آئے گا۔''

''یعنی تم بھی موت اور جدائی کو ہی محبت کا حاصل سمجھتی ہو اور کہتی ہو امید رکھو کچھ اچھا اور نیا ہو جانا کچھ ناممکن بھی نہیں تم مجھے خود شناس کرنا چاہتی ہو یا خود فریب۔'' وہ اس جھرمٹ سے اٹھ کر لان میں ٹہلنے لگے تھے۔ تب وہ یقین سے بولی تھی۔

''میں صرف تم میں ایک امکان کو زندہ رکھنا چاہتی ہوں دیکھنا چاہتی ہوں' واقعی محبت کتنی رحم دل کتنی نرم ہے کیا واقعی اس کے سینے میں دل ہے یا ہم سب اس کے فریب میں آ کر اپنا اپنا دل برباد کرتے ہیں میں دیکھنا چاہتی ہوں' میں صرف یہ دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکا اور اندر دل تھا جو اس سے پوچھ رہا تھا۔

''سنو کیا تم واقعی اسفند یار ہو یا محبت کی آزمائش میں ''گنی پگ'' کے لوگ تم پر ہونے والے ردعمل سے نئی تھیوری لکھ سکیں اپنی ریسرچ آگے بڑھا کر کہہ سکیں درحقیقت محبت یہ ہے۔''

''کیا ہے یہ محبت ......؟'' دل نے بلند آواز میں پوچھا مگر جواب ندارد تھا وہ خاموشی سے اٹھ کر گیسٹ روم میں آ گیا تھا۔

دوسری صبح تھی جب وہ اپنے گھر پہنچا تھا مگر تین دن تک وہ دفتر نہیں جا سکا تھا چوتھے دن جب وہ دفتر پہنچا تھا تب اس کا جس چہرے سے واسطہ پڑا اس نے اس کے اندر گھنٹیاں سی بجا دی تھیں۔

''کیا محبت مجھ پر مہربان ہے۔'' وہ ایک خوش گمانی لیے ویٹنگ روم کے سامنے رکا' ریسپشنسٹ گرل نے اسے اپنے سامنے پا کر خوف سے زرد پڑتے ہوئے کھڑے ہو کر سلام جھاڑا تھا۔

''آپ کی تعریف......'' وہ چاہتا تھا وہ اس کی آواز سنے کیسی ہے۔

''مس فائحہ مقصودی یہاں کے معروف نیوز پیپر دی ٹرتھ کی رپورٹر یہ آپ کا انٹرویو کرنا چاہتی ہیں۔''

''میرا انٹرویو......آیئے......'' اس نے اسے آگے چلنے کی آفر کی اور خود اس کے قدم بہ قدم رکھتے ہوئے تمنا کی کاش یہ سفر جتنا طویل ہو سکتا ہے ہو جائے بس یہ منظر اور یہ لڑکی کبھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔

فائحہ مقصودی اس استقبال کی قطعی طور پر امید نہیں رکھتی تھی اس کا خیال تھا سیاسی خانوادے سے تعلق رکھنے اور معروف بزنس مین ہونے کی وجہ سے شاید وہ اس سے بات بھی منٹ اور سیکنڈ کے حساب سے کرے گا مگر یہ انداز......

''کیا آپ اتنے خوش مزاج ہیں کہ ہر ایک کا استقبال اتنے شاندار طریقے سے کیا کرتے ہیں۔''

''شاید......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا جھوٹ اور ضرورتاً جھوٹ وہ کہہ سکتا تھا مگر اس کے سامنے ارادتاً سچ کہنے پر مصر تھا۔

''آپ کے اخبار کو میرے انٹرویو کی کیوں کر ضرورت پڑ گئی۔ مس مقصودی؟'' فائحہ مقصودی نے چونک کر اسے دیکھا شاید وہ اندازہ لگانا چاہتی تھی اس جملے میں سوال کتنا اور طنز کس قدر ہے۔

''آپ شاید یہ تو نہیں سمجھ رہیں کہ میں آپ پر طنز کر رہا ہوں۔''

''یہ شخص اندر کی بات کیسے جان لیتا ہے؟''

''دراصل ہم ہر ہفتے ایک سیاسی شخصیت کے بارے میں ٹرتھ اسٹوری لگاتے ہیں اس لیے آپ کی فیملی کی ابتدا ہم آپ سے کرنا چاہتے ہیں۔''

''یعنی عرف عام میں آپ ہمیں اپنے سچ کے لیے استعمال کر کے ہماری ساکھ تباہ کرنا چاہتی ہیں۔''

وہ سچائی سے ایک دم اسفند یار ولی بن گیا جو جیسا بھی تھا اپنی فیملی کے لیے کسی برے کا آرزومند نہیں تھا۔ فائحہ اسے دیکھتی رہی تھی پھر ہولے سے بولی تھی۔

''آپ کس قسم کی سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔''

اسفند یار نے تولنے والی نظروں سے اسے دیکھا پھر نرمی سے بولا۔

''اگر یہ ہماری فیملی پر ضرب لگانے کے لئے پہلا تیشہ نہیں تو میں کہنا چاہوں گا ہم اس ملک کے غریب عوام کی زندگی بدلنا چاہتے ہیں' ہم غربت کو ختم کرنے کے تمنائی ہیں۔''

''غربت کو یا غریب کو......؟ اس کی آنکھوں میں کتنی چمک تھی۔

(کیا ساحر ظفر کی آنکھیں بھی اتنی چمکیلی ہوں گی؟)

وہ جواب کے جواب میں نئے سوال کی تلخی بھول کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''نہیں اس لڑکی کی آنکھوں کی چمک سب سے مختلف ہے ان میں زندگی ہے یہ جینے پر اکسا سکتی ہیں لیکن پھر وہ شیرزی'' وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں تھا جب اس نے سنا وہ کہہ رہی تھی۔

''شاید میں پہلے سے وقت لیے بغیر آ گئی۔ اس لیے پلیز آپ خود کو کمپوز کر سکیں تو میری اس غلطی کا ازالہ ہو جائے۔''

''آپ جو چاہیں پوچھ سکتی ہیں میں حاضر ہوں۔'' بدقت اس نے شیرازی پر سے اپنی سوچ کے زاویے کو ہٹایا۔ اور وہ بولی۔

''کچھ لوگوں کا کہنا ہے آپ کا خانوادہ کچھ فار ایڈ کے تحت بھی سیاست میں اپنے کچھ مقاصد رکھتا ہے۔''

''مقاصد ہر کام میں ہونے چاہئیں یہ کوئی بری بات تو نہیں۔'' وہ بہت صفائی سے جواب ہضم کر گیا تھا تب وہ اس کی ایک ذاتی فرم کے دیوالیہ ہونے پر اس کے کمنٹ لینے بیٹھ گئی۔

وہ اس کی ذہانت کا قائل ہو گیا تھا مگر اپنا دفاع ضروری تھا سو وہی بولا جو اس دیوالیے کے بعد پریس کانفرنس میں کہہ چکا تھا' فائحہ مقصودی کی تیز بین نگاہیں اس کا احاطہ کی ہوئی تھیں اور اسے لگ رہا تھا وہ آئس گلیشیئر سے پگھل کر پانی ہو رہا ہے کہ یہ لڑکی اس پانی سے پیاس بجھائے مگر وہ اس کی کیفیت سے بے خبر کہہ رہی تھی۔

''پریس کا خیال ہے یہ دیوالیہ شو کرنے کا صرف ایک مقصد تھا کہ آپ لیے ہوئے قرضے ہضم کر سکیں۔ وگرنہ صرف ایک سال میں یہ نیا بزنس کھڑا کر لینا اتنا ممکن تو نہیں۔''

وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا اسے لگا وہ ایک نئی عدالت میں کھڑا ہے۔

''مس مقصودی دراصل شاید آپ نہیں جانتیں بزنس ہمارا آبائی پیشہ نہیں یہ صرف میری ضد تھی بابا کی سیاست اور ہماری آبائی زمینیں ہمارے لیے کافی بڑی بیلنس شیٹ رکھتی ہیں۔''

''اگر ایسا تھا تو صرف وہی روپیہ کیوں ڈوبا جو بینکس سے انتہائی کم شرح پر لیا گیا تھا۔''

''کیا آپ یہاں میرا انٹرویو کرنے آئی ہیں یا انویسٹی گیشن......'' اس کا لہجہ کیوں کر تیز ہوا وہ خود کو

روک نہیں پایا۔

''دراصل آپ نے میرے نیوز پیپر کے نام پر غور نہیں کیا وگرنہ جان لیتے دی ٹروتھ میں بھی اگر سچ نہ چھاپا جاسکا تو یہ سچ کی سب سے بڑی شکست ہوگی۔''

''مس مقصودی پلیز آپ شاؤنٹ مت ہوں میں آپ صحافی برادری کی کافی عزت کرتا ہوں۔''

''میں جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ اس عزت کے ڈانڈے کس لفافہ کلچر سے جا ملتے ہیں' سنیے میں سچ کو ہر چیز پر اہم سمجھنے والی صحافی ہوں آپ پر سچ لکھنے کے لیے ضروری نہیں مجھے آپ ہی سے سچ جاننا پڑے یونو یہ تو صرف ایک خانہ پری تھی' وگرنہ میرے کام کے طریقے اور ذرائع ذرا مختلف ہیں۔''

وہ تنبیہ کرتی مسکراہٹ اچھال کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور وہ جامد و ساکت اس کے جانے کا منظر آنکھوں میں محفوظ کرتا رہا تھا۔

پھر یہ اگلے سیٹرڈے کی کور اسٹوری تھی جو اس کے ذرائع سے اس تک پہنچی تھی۔

وہ گم سم بیٹھا تھا اس کے خاندان کی ساری سچائیاں صفحات پر بکھری پڑی تھیں ان کی آمد سیاست میں شمولیت خاندان کے بڑوں کا کردار اور خود اس کا کردار وہ مکمل ایکسپوز ہوگیا تھا اسے بابا کے غصے اور جلال سے خوف آرہا تھا اگر یہ کور اسٹوری چھپ جاتی تو شاید ان کی آئندہ کی کوئی نسل سیاست میں شمولیت نہیں رکھ سکتی تھی۔ وہ تیز تیز سانس لے کر اس ہیجان کو دور کر رہا تھا پھر لائٹر دکھا کر اسٹوری کا اوریجنل جلا کر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے موبائل پر بیپ ہوئی ریسیو کرتے ہی جسے اس نے سنا اسے سننے کی تمنا ہمیشہ سے تھی مگر اس کے لفظ......

''یہ کاغذات جلا کر مت سمجھئے گا آپ نے مجھے مات دے دی میں اسے اپنے کمپیوٹر میں فیڈ کر چکی ہوں اور بالفرض اگر مجھے مار دیا گیا تب بھی اس کی اوریجنل ڈسک کی گرد کو بھی تم پا نہیں سکو گے۔''

''فائحہ تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا پلیز فائحہ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا' ابھی تو میں نے جینا سیکھا ہے فائحہ ''وہ کہنا چاہتا تھا مگر کچھ کہہ نہیں سکا سادے کاغذ پر صرف اس کا نام لکھتا رہا تھا آج جی بہت اداس تھا پہلی سچائی اس نے دیکھی تھی اور جس روپ میں دیکھی تھی دل کرتا تھا وہ زندہ رہے مگر اس کے اس کھیل میں ایسی سچائیاں صرف موت کا روپ پہنتی تھیں اس کے بابا کی سیاست لو اور دو اور خاموش رہو کے نظریے کے گرد گھومتی تھی مگر فائحہ ایسی لڑکی نہیں تھی۔

''کیا محبت تو واقعی دل نہیں رکھتی؟'' بے سبب آج اسے سونیا رحم یاد آنے لگی تھی وہ دفتر سے اٹھ گیا تھا کار تیز رفتاری سے سونیا کی کوٹھی کی طرف اڑی جارہی تھی پھر اس نے جب بے تکلفی سے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا اس کا سانس رکنے لگا۔

''یہ محض اتفاق کیوں کر ہے کیا وہ محبت کا خدا ہمیں ملانا چاہتا ہے یا چاہتا ہے میرا دل بچھڑنے کے دکھ کو زیادہ سے زیادہ شدت سے محسوس کر کے تڑپے۔''

ان دونوں کی اس طرف پشت تھی مگر سائیڈ گلاس ڈور میں اس کا عکس بہت واضح تھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور وہ نہایت دل سے نظم گنگنا رہی تھی۔

اے عمر رواں آ پاس میرے

اک راز کی بات بتانی ہے
اک خواب سنانا ہے تجھ کو
اک درد کی ٹیس ہے دل میں
اک رنگ دکھانا ہے تجھ کو
اے عمر رواں آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خاموشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
اک خوف سا ذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط یہ کہنا ہے مجھ کو
رفتار کو اپنی دھیما رکھ
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمر رواں آ پاس میرے

دل نے سنتے رہنے کی تمنا کا روپ دھار لیا وہ شخص سامنے بیٹھا تھا جس سے اسے ملنے کی چاہ تھی مگر سامنے بیٹھی لڑکی کا دل کسے چاہ رہا تھا یقیناً یہ اب بھی اندر ہی اندر شیرازی کی قبر پر نرگس کے پھول لیے ایستادہ ہوگی اسے قبر زندگی سے زیادہ ساحر لگتی ہوگی وہاں وہ دفن ہے جو اس کے دل میں ہے اور میرے دل میں یہ ہے مگر میں کہاں ہوں اس کے راستے میں اس کے دل میں

''ارے اسفی......تم......آؤ باہر کیوں کھڑے ہو ادھر دیکھو میں تمہیں اپنی بہت اچھی دوست سے ملواؤں' یہ دیکھو یہ فائحہ مقصودی ہے۔ دی ٹروتھ کی بیسٹ رپورٹر اس کی میری دوستی اسی صحافتی میدان میں ہوئی تھی پہلے میں اسے جانتی تھی نہ یہ مجھے لیکن اب پانچ سالوں میں ہم ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جان چکے ہیں''۔ فائحہ مقصودی کی آنکھوں میں طنز در آیا۔

''سونیا تم بلاوجہ توانائی خرچ کر رہی ہو، میں مسٹر اسفند یار کو تم سے زیادہ بہتر جانتی ہوں، محض چھ دن میں، میں نے ان کی چھ پشتوں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ مسٹر اسفند یار آج کل اسی وجہ سے گھبرائے پھر رہے ہیں''۔

یہ لڑکی بولنے میں کتنی سفاک تھی جسے آپ اتنا چاہیں کہ اپنی ذات سمجھیں اگر وہ کہہ دے اس نے کبھی آپ کو مس نہیں کیا آپ کی کسی بات کو آپ کی طرح جذباتیت سے نہیں محسوس کیا تو کیا دل رکنے سا لگتا ہے مگر یہ لڑکی عجیب لڑکی تھی۔ وہ برملا کہہ رہی تھی وہ اسے قابل اعتنا نہیں سمجھتی اس سے زیادہ بے وقعت کوئی نہیں تو دل کو تو بند ہو ہی جانا چاہیے تھا۔

”تم نے کہیں اگلے شکار کے طور پر اس کی فیملی کا نمبر تو نہیں لگایا۔“ سونیا رحیم اپنی فیملی پر فیچر پڑھ کر لطف لیتے ہوئے اسفند یار پر کمند ڈالنے پر سوال کر رہی تھی۔ اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کوئی گراں مایہ دے کر اپنے ماضی سے اگر کوئی چھٹکارا پا سکتا تو پالیتا۔ اور اس کے سامنے آتا تو صاف ستھرا اسفند یار ولی ہوتا کالج بوائے جسے اس لڑکی کی طرح سچائی اٹریکٹ کرتی تھی۔ اپنی اپنی لگتی تھی مگر وقت الٹی سمت نہیں دوڑا کرتا یہ صرف آگے چلتے رہنے کے لیے ہی بنا ہے اور اس بے لگام گھوڑے کو پشت سے پکڑا بھی نہیں جا سکتا۔ اسے روکنے کے لیے سامنے سے لگام تھام کر روکنا ممکن ہے مگر کوئی دانا آج تک یہ نہیں بتا سکا کہ اس تجربے کے بعد یہ بے لگام گھوڑا رکتا ہے یا روکنے والا بے جان لاش بن جاتا ہے۔

”حسرت ہے میں جن موسموں میں جیا اس لڑکی کے ساتھ دوبارہ انہی موسموں کی سانس بنوں، ان ہی موسموں کی خوشبو ہو کر بکھروں انہی الوہی دنوں کا پانی بن کر بہوں مٹوں تو سبزہ بن کر پھر سے زندہ کیا جاؤں مگر یہ لڑکی اس ان کہی کو سمجھ ہی نہیں سکتی کہ اس نے کسی کی کہنی سے پہلے ہی دل کو آباد کر رکھا ہے کاش! میں اس کی زندگی میں نہیں ہوتا مگر اس کے دل میں میری قبر ہوتی، یہ ہر روز اس پر دیا جلاتی، میرے لیے روتی، مگر یہ حسرت ناتمام...... ’اے محبت تو کتنی ظالم ہے‘ ذہن چھین کر وہی سوچنے کو اکیلا چھوڑ دیتی ہے۔ جو سب سے ناممکن خواب ہو وہی دیکھنا لازم کرتی ہے۔ جو دل کے لیے کبھی پسندیدہ منظر نہ ہوا ے محبت۔“

”اسفی تم کیا سوچنے لگے کم آن بھئی تمہیں تو اس نسل کی نمائندہ کا ساتھ دینا چاہیے جو ہمارے بڑوں نے کیا ان کے ساتھ تم کچھ تو نیا کرو، کہ تمہاری نسل تمہیں کسی اچھے نام سے یاد کرے۔“

وہ کچھ کہہ نہیں پایا پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

دوسرے دن کی بات تھی جب اس نے اسے قبرستان کے گیٹ پر جالیا۔

”تم یہاں سیٹر ڈے کو آتی ہو پھر آج کیوں......“ فائحہ مقصودی نے حیرت سے اسے دیکھا تب اس نے پہلی بار اسے سچ بتایا۔

”میں نے کبھی زندگی میں کبھی اتنا دکھ کسی چہرے پر نہیں دیکھا جتنا کہ تمہارے چہرے پر، میں تمہیں کتنے مہینوں سے دیکھ رہا ہوں آخر کون ہے یہ شیرازی“۔

”تھا ایک شیرازی مگر تم کون ہوتے ہو مجھ سے ذاتیات پر بحث کرنے والے۔“

”صرف ایک دوست جس کے برے ہونے پر تمہیں یقین ہے اور اچھے ہو جانے پر میرا امکان، ہر بری چیز کبھی نہ کبھی اچھائی کی سمت اختیار کر ہی سکتی ہے ناں“۔

”ہاں مگر جن کے اندر صرف روح میں برائی کے سوا کچھ بھی نہیں وہ کبھی اچھے نہیں ہو سکتے۔“ وہ دوٹوک بولی اور وہ دیوار سے ٹیک لگا کر اسے دیکھے گیا۔

”تم محبت کرنا جانتی ہو پھر بھی قنوطیت سے سوچتی ہو کیا محبت قنوطیت کی پیداوار ہے۔“

وہ تیز نظروں سے اسے دیکھنے لگی اس دن دفتر کی ملاقات سے بہت مختلف تھا اس کا لہجہ،

”تم محبت پر کیا جانتے ہو، کیا تم جیسے محبت کرنا جان سکتے ہیں۔“

”شاید جن لوگوں کو جس چیز کے قابل نہیں سمجھا جاتا وہ ہی اس کے اصل حقدار اور اس کو جاننے والے ہوتے ہیں۔ میرے لیے محبت رجائیت ہے ہر لحظہ بدل جانے بدل دینے کی امید، اور یہی میرے

لیے کافی ہے میں محبت کی کسی دقیق قسم کی تشریح میں جانا بھی نہیں چاہتا۔“

وہ خاموش کھڑی رہی کچھ کہنے کو خالی جگہ بچی ہی کب تھی۔ اور وہ آج کہہ رہا تھا۔

”میں نے محبت کرنا تم سے سیکھی ہے مجھے کوئی اور محبت کرنا سکھا بھی نہیں سکتا تم میں جو طاقت ہے موقف پر ڈٹے رہنے کی مجھے اس نے کہا محبت یہ ہے بدل دینے والی سب کچھ تب میں نے سب سے پہلے اپنا دل بدلتے پایا مجھے کچھ بھی عزیز نہیں صرف اس ایک امکان کے کہ میں اچھائی اپنا کر پھر سے اچھا بن سکتا ہوں“؟ فائحہ مقصودی نے تیزی سے اپنا رخ موڑ لیا۔

”یہ شخص صرف مجھے ٹریپ کرنا چاہتا ہے یہ صرف مجھے استعمال کرنا چاہتا ہے تا کہ یہ اپنے پرانے ماضی کسی طرح بچا لے مگر میرے پاس اب کوئی ثبوت کیا ہے وہ میرے ڈاکومینٹس میرے ہی صحافت کے میر صادق کے ہاتھوں جلا دیئے گئے ہیں اب کس طرح کچھ ثابت کر سکتی ہوں اس شخص کا یہ ماسک میں بہت جلد اتار دوں گی ہاں مجھے یہ کام کر گزرنا چاہیے تا کہ میں برملا کہہ سکوں محبت کچھ بھی تو نہیں یہ کچھ بھی تو بدل نہیں سکتی۔“

وہ ہولے سے مڑی تھی۔

”اسفند یار ولی میرے پاس کوئی ڈسک نہیں ہے جس کے لیے تمہیں اپنے معیار اور سوسائٹی کے حسابوں کم تر خاندان کی لڑکی کے سامنے محبت کرنے کا ڈھونگ کرنا پڑے شاید یہ کام بہت مشکل ہے مگر میں تمہارا کرب جانتی ہوں جو کسی ناپسندیدہ چیز پر پسندیدہ کا ٹیگ لگاتے ہوئے انسان محسوس کرتا ہے پلیز دل ہلکا کر لو، میں وہ جنگ واقعی ہار گئی ہوں کچھ عرصے تک کے لیے تو، شاید میرا حوصلہ اب بھی ویسا ہی ہے میں تمہارے خاندان کی دھجیاں اڑا کر رکھ دوں گی۔ میں ضرور تمہیں ایکسپوز کروں گی تا کہ لوگ جان سکیں تم کتنے بڑے چیٹر اور غدار وطن ہو۔“

”میں برا سہی مگر غدار وطن نہیں۔“ اس نے اس سچ میں صرف اس جملے پر اپنی سچائی ثابت کرنا چاہی اور وہ طنزیہ ہنس کر بولی۔

”کیا تم جیسا ماڈ اور جینئس بھی غداری کو ابھی تک دقیانوسی غداری کے ضمرے میں رکھ کر دیکھتا ہے سنو مسٹر اسفند یار ولی دہشت گردی کر کے ملک کا نقصان کرنا ہڑتالیں کر کے ملک کا پہیہ جام کرنا غلط سیاسی طریقوں سے غلط لوگوں کو ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کا اہل قرار دلوانا، قرضے کھا کر ملک کی اکانومی کو دن بہ دن دوسری کرنسیز کے مقابلے میں نیچے لے آنے کے ہتھکنڈے استعمال کرنا، یہ سب غداری ہے مگر اسے ہم غداری سے زیادہ آرٹ اور ضرورت کہہ کر بچ جاتے ہیں مگر میں آپ کو اس سے بری الذمہ نہیں سمجھتی خود آپ پر اپنا بہت بوجھ ہے آپ کے خاندان کی بدنامی تو اور سوا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے میں آپ کی محبت کے بیان پر یقین کروں حالانکہ آج تک آپ کے خاندان میں کسی نے محبت کی بھی نہیں ہو گی۔“ وہ صاف اسے ٹھکرا چکی تھی اور وہ بہت پر امید ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

”کیا کسی برے ماضی کا انسان حال اچھا کر کے کسی اچھے مستقبل کا خواب دیکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا تمہارا میرا اللہ تو ایسے ہر شخص کو معاف کر دیتا ہے پھر تم اتنی سخت کیوں ہو“۔

”شاید اس لیے کہ میں انسان ہوں انسان جو بہت کم درگزر کرتا ہے“

وہ کہہ کر رکی نہیں تھی آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔ اس نے سونیا رحیم کے تعلق کو آزمانا چاہا تھا اس کے متعلق مکمل معلومات حاصل کر کے وہ اس کی پہلے سے زیادہ عزت کرنے لگا تھا مگر وہ...... اس کی نفرت میں ایک فیصد بھی کمی نہیں آئی تھی بابا جان کی طرف سے اس لڑکی کے لیے سخت الفاظ فیکس ہوئے تھے جس نے ان کے خاندان کو ختم کر ہی ڈالا تھا وہ بابا کو مطمئن کرنا چاہتا تھا مگر بابا کے سوچنے کا الگ انداز تھا،

''مجھے پتا چلا ہے تمھیں اس لڑکی نے پاگل بنایا ہوا ہے اسفند یار ولی۔ کیا تم جانتے نہیں ہو میں اپنی راہ میں آنے والی کسی رکاوٹ کو نہیں مانتا''۔

وہ ان کے سامنے خاموش کھڑا رہا کچھ کہنا اختیار میں کہاں تھا جو لفظ اس کی حمایت کے تھے سب بابا کے سامنے اس کی اپنی شخصیت پر حرف گیر ہو جاتے سچ کو صرف اس دل نے چھوا تھا محبت کو اس کے دل نے محسوس کیا تھا اور بابا جان وہ پہاڑوں میں بسنے والے ایک سخت دل رکھتے تھے اس سرزمین میں محبت کاشت ہوتی تھی مگر آج تک ان کے خاندان میں کسی نے اس بیج کی آبیاری نہیں کی تھی دولت حشمت جاہ وجلال ہی ان کا مقصد تھا حالانکہ اردگرد محبتوں سے پر دل بھی تھے اور خود محبت بھی مگر جب دل کے دریچے سے بند ہوں تو محبت یا کسی زمین کسی مٹی پر الزام کیوں۔

یہ صرف ہماری غلطی ہے اس لیے ہمیں ہی درست کرنا چاہیے کیا پتا آئندہ کی نسل اس محبت پر ہم سے زیادہ بہتر جاننے والی ہو۔

''بابا وہ لڑکی، اس نے کچھ غلط نہیں لکھا تھا مگر میں نے پھر بھی آپ کے حکم کے مطابق ان کاغذات اور اسٹوری کو جلا دیا تھا پھر اب اس سے آپ کی کیا جنگ؟''۔ وہ اسے محفوظ کرنا چاہتا تھا اور بابا جان ایک ماہر سیاست دان کی طرح کہہ رہے تھے۔

''وہ صرف پسپا ہوئی ہے جنگ نہیں ہاری ہارنے والے دوبارہ کسی کی آنکھ میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر سکتے مگر وہ یہ کر رہی ہے اور تم جان سکتے ہو دشمن کو زخمی کر کے چھوڑ دیا جائے تو وہ آپ کو زندہ نہیں رہنے دیتا میں اس کا بلیک وارنٹ جاری کر چکا ہوں۔''

''بلیک وارنٹ......'' اس کے اندر دل جیسے پھڑ پھڑا رہا تھا۔ ''وہ لڑکی مر جائے گی تو میرا دل......''

''تمھیں ہزاروں اس جیسی لڑکیاں مل سکتی ہیں آخر تم میں کیا کمی ہے تم بھول جاؤ اسے تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔'' اس نے سر ہلایا مگر بابا کے جاتے ہی وہ اس کے دفتر جا پہنچا۔

''تم کچھ دنوں کے لیے انڈر گراؤنڈ ہو جاؤ''

''انڈر گراؤنڈ اور میں...... مسٹر اسفند میں صحافی ہوں کوئی مجرم نہیں، مجھے کسی سے خوف نہیں''

''تمھیں نہیں ہے مگر مجھے ہے وہ تمھیں مار دینے کا حکم دے چکے ہیں''

''لیکن یہ ان کی جاگیر نہیں یہ کراچی ہے یونو کراچی''

''ہاں! ہاں یہ کراچی ہے یہاں حادثے اور قتل بہت معمول کی بات ہیں۔'' وہ کم سے کم لفظ استعمال کرنا چاہتا تھا مگر وہ راضی نہیں تھی۔

''تم جو چاہتی ہو میں وہ کر دوں گا بابا کے سارے خفیہ تعلقات میرے پاس محفوظ ہیں میں انہیں منظر عام پر لے آؤں گا مگر تم کچھ دنوں کے لیے منظر سے غائب ہو جاؤ'' اس نے نخوت سے پیر پٹخے اور

واپس سیڑھیاں چڑھتی دفتر کی سمت مڑ گئی۔ اسفند یار اس کی ضد جانتا تھا اس لیے اس کا سایہ بن گیا تھا پریس اس معاملے کو ہاٹ ایشو بنا رہا تھا۔ مسٹر سکندر ولی اس بات کو صحافتی غلط روش سے جوڑ کر اس بات کا اثر زائل کرنے کی کوشش میں تھے۔

''دال میں کچھ کالا ہے، باپ بیٹے کے کمنٹس تک آپس میں نہیں ملتے اور یہ لڑکی فائحہ مقصودی یہ فائحہ مقصودی کون ہے؟''

جو نہیں جانتے تھے وہ جاننا چاہتے تھے یہاں تک کہ ایک دن وہ اپنی کولیگ اسماء وحیدی کی ذمہ داری پوری کرنے آرٹ ایگزیبشن کی کوریج کے لیے آرٹ گیلری پہنچی کام نہایت ٹھیک ٹھاک ہو رہا تھا کہ اسے ایگزیبشن کے باہر سے اغوا کر لیا گیا۔

سارے اخبار چیخ پڑے تھے فائحہ مقصودی کون ہے؟ جو نہیں جانتے تھے وہ بھی جان چکے تھے اور خود فائحہ مقصودی اس شہر سے الگ تھلگ گھر میں قید پر حیران تھی۔ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے، وہ اس شخص کو اس واقعے میں انوالو کر رہی تھی جس سے اس کی چپقلش رہ چکی تھی مگر اسے اس چہرے سے ٹکرائے جانے کا قطعاً شائبہ نہیں تھا۔

''سونیا رحیم تم ...... یہ تم ہو......''

سونیا رحیم اس کے قریب آن رکی تھی۔

''تم نے کتنا تنگ کیا اس محبِ صادق کو، معاملہ ہمارے ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا تب میرے ذہن میں یہ آئیڈیا آ گیا خود انکل سکندر بھی تمھارے غائب ہونے پر حیران رہ گئے ہیں۔''

''مگر تم نے ایسا کیوں کیا''؟ وہ دکھ میں گھر گئی تھی سونیا رحیم کرسی پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''وہ شخص جسے تم قابلِ اعتناء نہیں جانتیں مجھے صرف اس شخص کی محبت کی پریشانی نے ہراساں کیا وہ تمھارے لیے جس طرح پریشان تھا تمہیں بچا لینا چاہتا تھا مجھے اس کی اس تمنا نے کہا محبت اور جنگ میں جو جائز نہیں ہوتا وہ بھی جائز کر لینا پڑتا ہے؟''

''مگر کیا یہ اس مسئلے کا حل ہے کیا میں ساری زندگی اس طرح گمنام گزاروں گی۔'' وہ دلیل چاہتی تھی اور سونیا رحیم کے پاس ہر دلیل کا جواب تھا۔

''تم دونوں ملک سے باہر چلے جاؤ یہاں رہ کر تمہاری ہی نہیں اسفند کی جان کو بھی خطرہ ہے کیونکہ انکل سکندر سے اسفند کا تمہاری طرف جھکاؤ پوشیدہ نہیں وہ بظاہر اس واقعے کو اپنے طور پر فیس کر رہے ہیں لیکن تمہاری تلاش جاری ہے۔''

''اسفند سے کہہ دو میں کٹر حب الوطن ہوں جان کے خوف سے ملک نہیں چھوڑ سکتی اور کس کے لیے اسفند یار ولی جیسے شخص کے لیے، امپاسبل سونیا تم جانتی ہو میں کچھ چیزوں سے بالکل سمجھوتہ نہیں کرتی شیرازی کا نام تم جانتی ہو میں نے سچائی پر اسے قربان کر دیا تھا۔''

''مگر ضروری نہیں ہر بار شیرازی جیسا اتھلا اور سطحی شخص تم سے ٹکرائے اور اسفند یار ایک آئیڈیل مرد ہے۔''

''اور مجھے آئیڈیلزم پر کبھی یقین رہا ہے نہ اعتماد میں اپنے راستے خود منتخب کرتی ہوں۔'' سونیا کو مکمل

رد کر کے وہ بیڈ پر آ بیٹھی تھی تب دروازے سے اسفند یار داخل ہوا تھا۔

''میں نے ہمیشہ محبت پر امکان کی بات کی لیکن فائحہ تم محبت پر ہی بات نہیں سننا چاہتیں تم صرف اپنی آنکھ سے دنیا دیکھنا چاہتی ہو۔''

''اور یہی زندگی کا کار آمد اصول ہے اس طرح انسان دھوکے سے بچ رہتا ہے۔''

اس نے سونیا کی بات کاٹ دی اور وہ بہت خاموشی سے اس کی پشت پر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ سونیا اس کا اشارہ پا کر باہر جا چکی تھی جب اس نے کہا۔

''تمہیں ہمیشہ میں نے قبرستان کے گیٹ پر دیکھا تو صرف ایک بات سوچی تھی کاش تم ایک بار مجھے اپنا کہتیں پھر چاہتیں تو مار دیتیں میری قبر بنا دیتیں یا بے نام رہنے دیتیں لیکن تمہارے دل کے اندر جو میری ایک یادگار ہوتی وہ ہمیشہ میرے ہونے کی جڑ بن کر شاداب رہتی میں نے چاہا تھا میں تم سے سے کہوں جو سلمیٰ کرامی نے جبران سے کہا تھا۔

''میں چاہتا تھا تم سے کہوں کہ میری خواہش ہے تم مجھے یاد رکھو ایسے جیسے شاعر اپنی دل گداز نظموں کو یاد رکھتا ہے میری رضا یہ ہے کہ تم مجھے اس طرح یاد رکھو جیسے کوئی مسافر اس جھیل کو یاد رکھتا ہے جس کے شفاف پانی میں اس نے اپنے سائے کو تیرتے دیکھا تھا میری تمنا تھی کہ میں تم سے کہتا تم مجھے اس طرح یاد رکھو۔ جس طرح کوئی بادشاہ اس قیدی کو یاد رکھتا ہے' جو اس کے حکم معافی سے پہلے ہی دار پر لٹکایا جا چکا ہو' لیکن میں تم سے کچھ نہ کہہ سکا مجھے معلوم ہے تم مجھے ایک کالمی بے مصرف خبر جتنا بھی یاد نہیں رکھو گی مگر تم ...... مجھے تم ہمیشہ اپنے دل کے سوز دروں کی طرح یاد رہو گی اور غم جنہیں ملایا کرتا ہے وہ دل کبھی جدا نہیں ہوتے۔'' فائحہ مقصودی مسمریز ہو کر اسے دیکھے گئی تھی۔

''تم چلی جاؤ میں تمہارے دل میں کہیں نہیں لیکن یہاں اس دل میں صرف تم ہو تم کہتی ہو محبت کچھ نہیں بدل سکتی اور میں کہتا ہوں محبت ہی ہے جو اگر چاہے تو سب کچھ بدل سکتی ہے۔ تم چلی جاؤ سونیا جا چکی ہے تم بھی چلی جاؤ۔''

وہ ہونق اس نئے فیصلے سے ساکت کھڑی تھی پھر ہوش و خرد میں لوٹی تو اس کمرے سے نکلتی چلی گئی مگر سونیا رحیم کے سامنے پہنچی تو اس کی چیخ بہت دلگرفتہ تھی۔

''تم نے شیرازی کو سچ پر برحق کھویا لیکن اسفند یار ولی کو تم نے کس اچھے دن کی آس پر گنوا دیا فائحہ وہ تمہارا اچھا دن تھا' ہر طلوع ہونے والا دن تم نے اس کی روشنی اپنے نام جاری بلیک وارنٹ سے بدل لی تم نے نہیں سوچا اس نے تمہیں یوں کیوں آنے دیا۔'' فائحہ مقصودی خاموش کھڑی رہ گئی تھی اور وہ پاگلوں کی طرح اس کا ہاتھ تھامے باہر کی طرف دوڑ رہی تھی۔

سونیا رحم کی مرسڈیز تیز سے تیز ہو رہی تھی اور فائحہ مقصودی خالی سکوت سمیٹے ونڈ اسکرین کو تک رہی تھی۔

''تم یہ خط پڑھو اس نے یہ خط گورنر کے نام لکھا ہے جس میں اس نے اپنے اور اپنے باپ کی رنجش واضح کر کے اپنی زندگی کو درپیش خطرات کی طرف توجہ دلائی ہے اس نے لکھا ہے اگر اسے کچھ ہوا تو یہ حادثہ نہیں قتل ہوگا جس کی ساری ذمہ داری اس کے باپ پر ہوگی۔''

اس نے اس خط میں تمہیں حذف کر کے جائیداد کو پوائنٹ آؤٹ کیا ہے فائحہ وہ تمہیں کس قدر چھپا لینا چاہتا ہے کاش تم اس کی حسرت جان سکتیں' میں ساحر ظفر کے سامنے کھڑی جس طرح فقیر ہوئی تھی وہ اس سے زیادہ تمہارے سامنے جھک گیا تھا اس نے تو تم سے میری طرح چیخ کر بھی نہیں پوچھا۔

''کیا ہے اس شیرازی میں ایسا جو مجھ میں نہیں۔''

''وہ تو تمہارے بیچ تمہاری محبت ہر چیز سے محبت رکھتا تھا لیکن تمہاری نفرت۔'' وہ کار روک چکی تھی۔ قبرستان کا گیٹ سامنے تھا اسفند یار کی گاڑی سونیا رحیم ہی نہیں وہ بھی پہچان چکی تھی۔

''اسفی ......'' اس نے آواز دی اور ساکت کار میں حرکت آ گئی۔

''وہ مر جانا چاہتا ہے تم ...... تمہاری محبت کتنی ظالم ہے فائحہ میں کہتی تھی تم امید رکھو میں تمہاری محبت میں امکان رکھنا چاہتی ہوں کہ محبت واقعی دل رکھتی ہے نرم ہوتی ہے یا صرف بے رحم اور تم نے اس کا ہی نہیں میرا بھی یہ امکان ختم کر دیا ہے کچھ بھی تو نہیں ہے ہمارے پاس سب کچھ ختم ہو گیا۔'' گاڑی اس کو فالو کر رہی تھی مگر جو ہونا تھا وہ رک نہیں سکتا تھا۔ اس کی کار زبردست انداز میں ایک دوسری گاڑی سے ٹکرا چکی تھی۔

''تم جانا چاہو تو جا سکتی ہو' تم چلی جاؤ سونیا بھی چلی گئی ہے تم بھی چلی جاؤ۔''

''میں کہنا چاہتا تھا تم مجھے اس قیدی کی طرح یاد رکھو جو حکم معافی سے پہلے ہی دار پر لٹکایا جا چکا ہو۔''

حکم معافی ...... وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی زخم خوردہ وجود گاڑی سے نکالا جا چکا تھا اور وہ روئے جا رہی تھی۔

''محبت صرف محبت ہوتی ہے' یہ انتقام نہیں ہوتی میرے جیسے کسی فرد نے تمہاری محبت کو اگر قتل کیا تو میں آج اس کا خون بہا دیتا ہوں بس تم سب کچھ کرنا مجھ سے نفرت مت کرنا۔''

''یہ زندہ ہے ......'' کہیں سے آواز بلند ہوئی وہ چیخی اور دل میں وہ پھر سے کہے گیا۔

''میں نے تم سے مل کر جینا سیکھا ہے میں جینا چاہتا ہوں مگر میرا جینا صرف میری سانس نہیں تمہاری زندگی بھی ہے تم ہو تو میں ہوں ورنہ سب رائیگاں ہے۔''

پولیس' ایمبولینس شور ......

''آپ کون ہیں مسٹر اسفند یار کی ......''

''کون ...... کون ہوں میں ......''

اس نے خون آلود ہاتھ سامنے پھیلائے ......

''یہ شخص کیا مر جائے گا کیا اسے مر جانا چاہئے۔''

دل نے کرلا کر سوال کیا۔

''میرے لیے زندگی صرف تمہارے سینے میں دھڑکنے والے دل میں اپنا نام ہے کیا کبھی ایسا ہوگا ان دھڑکنوں میں صرف میں سنائی دوں؟''

''اسفند ...... اسفند ...... وہ شیرازی وہ ایک واہمہ تھا تم ...... تم محبت ہو' محبت سب کچھ چاہے تو بدل سکتی ہے' پر اے مالک سب کچھ بدلنے پر قادر کیا یہ فیصلہ نہیں بدل سکتی یہ فیصلہ! وہ مجھے آج ملا ہے اسے مجھ

سے مل کر اپنے خیالات میں سچا ہونے کی سرخوشی تو سمیٹنے دے اسے واپس لوٹا دے وہ کہتا تھا محبت امکان ہے ہر چیز کو بدل دینے' بدل جانے کا امکان تو بھی بدل دے کہہ دے کہ محبت ظالم نہیں' یہ دل ہے صرف دل......''

وہ ٹھنڈے ٹھار کوریڈور کے باہر کھڑی تھی پریس کو سونیا رحیم نے سنبھال لیا تھا اس کے اغوا کی وہ جھوٹی من گھڑت کہانی سنا رہی تھی۔ نامعلوم اغوا کرنے والوں کی داستان اور وہ سی سی روم میں لیٹے زندگی سے جنگ لڑتے اسفند یار کو دیکھے گئی

اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط یہ کہنا ہے مجھے
رفتار کو اپنی دھیما رکھ
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس

سونیا رحیم آنسو بھری آنکھوں سے اسفند یار کی حسرت اور فائحہ مقصودی کی تمنا سے بوجھل کھڑی تھی وہ لمحہ پھر سے ان دونوں کے درمیان آن رکا تھا مگر اس شخص کے انداز میں پہلے کتنا یقین تھا' مگر اب یہ اتنا دلگرفتہ تھا کہ جینا نہیں چاہتا تھا۔

''اسفند یار تم جیسی ہو جو ہو تم مجھے ویسے ہی قبول ہو' زندگی اگر موت سے قریب تر ہے تو میں اس کی مسافت تمہارے ساتھ ناپنا چاہوں گی اکیلے چل چل کے میں تھک چکی ہوں۔ اسفند یار تم جو میرے لیے ہراساں تھے تو آج میری پکار کیوں نہیں سنتے۔''

اس نے دل کے معبد میں کھڑے ہو کر منت مانی پھر دوسرا دن تھا جب وہ اسی بکے سینٹر سے سرخ گلاب کا بکے خریدنے پہنچی تھی۔

''میم آج نرگس کے پھولوں والا بکے نہیں۔'' اس کے ہاتھوں میں سرخ گلابوں سے سجا بکے دیکھ کر لڑکی نے سوال بلا آخر داغ ہی دیا اس نے پرس کھول کر رقم دی پھر یقین سے بولی۔

''مجھے جس کا انتظار تھا وہ شخص آچکا پھر میں انتظار موسموں کی حواری کیوں بنوں۔''

''او گاڈ بلس یو......''

دعائیں! بے شمار دعائیں کتنی ضروری ہیں' انسان کی خوشیاں زندہ رکھنے کے لیے۔

وہ ہاسپٹل میں پہنچی تو سونیا نے اسے خوشی سے گھما ڈالا۔

''وہ لوٹ آیا ہے تمہاری محبت اور محبت کے امکان نے اسے پھر سے جینے کی طاقت دے دی وہ ٹھیک ہے مگر ڈاکٹرز ابھی کسی کو ملنے نہیں دے رہے۔''

اس نے سرخوشی سے سنا پھر پندرہ دن بعد وہ اس کے سامنے کھڑی تھی خاموش جامد۔

''محبت سب کچھ بدل سکتی ہے کیا تمہارا دل اس نے میرے لیے آراستہ کیا یا میرا آنا بے مصرف رہا۔'' وہ کچھ کہہ بھی نہیں پائی تھی کہ سونیا رحیم نے اس کا خط لہرایا۔

''یہ اب خاک ہوا کہ محبت اب کندن بن گئی ہے' یہ جو لڑکی کھڑی ہے ناں یہ کہتی ہے اسے کم بہت ہی کم زندگی بھی تمہارے ساتھ گزارنے کا اذن ملے تو یہی محبت کا احسان ہوگا۔''

''محبت کا احسان' اس سے زیادہ تو یہ احسان مجھ پر ہے پتا نہیں میں اس کے قابل ہوں بھی یا نہیں مگر میرے خدا نے مجھے اپنے خزانے کی بہترین سوغات تحفہ کر کے میرے ہونے کا اجر بڑھا دیا ہے۔ کیوں فائحی اب تو نہیں کرو گی مجھ سے نفرت......''

وہ کچھ نہیں بولی تھی ہولے سے اس کے ہاتھ پر یقین سے ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دیکھے گئی تھی اور اسفند یار ولی محبت کی زبان اب بہتر جان لینے والا انسان تھا' سو لفظ ویسے ہی بے کار تھے کہ محبت ہی احساس تھا اور شاید احساس ہی اصل محبت......!

☆......☆......☆

سبز رتوں کے لیے

"کبھی میرا دل چاہتا ہے بہت لمبا سفر ہو اور تم...... صرف تم میرے ساتھ ہو پھر کتنے خار چبھیں، کتنے آبلے پھوٹیں میں، انہیں تمہاری آنکھوں کی چمک کے آگے ماند سمجھوں۔ بس ایک چاند ہو جو میری راہ کو روشن کرے، میں نور میں نہائے جاؤں، ذرے سے آفتاب ہو جاؤں، ایسے لگے جو میرے اندر ہے، وہ میری آنکھوں سے جھلکتا ہے۔"

وہ چلتے چلتے رک گئی اور یہ طے تھا، اس کے رکنے سے اس سے کچھ قدم آگے چلنے والا شخص بھی ایک قدم اٹھانے کی سعی نہیں کرسکتا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی باندھ لینے والی زنجیر تھی۔ یہ بھی نہیں تھا کہ اس سے آگے چلنے والے قدموں نے سفر ہی نہیں بھوگا تھا۔ مگر اب...... بس اب کچھ قدم رکنے سے لگے تھے، کوئی عہد نہیں تھا، دونوں میں مگر پھر بھی وہ دونوں جانتے تھے۔ انہیں ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹنے ہیں۔

ہوتا ہے نا کبھی کبھی بہت اچانک کوئی آپ کو ملتا ہے تو آپ کو لگتا ہے۔ یہ تو آپ کے آنگن کی دھوپ تھی، جو شام چرا لے گئی۔ یہ تو وہ بہار تھے جسے آپ کے نخل جاں پر پھول کھلانے تھے اور جسے وقت کا کوئی لمحہ خزاں بن کر کھا گیا تھا اور اب ایسے خزاں رسیدہ بیج سے ایک کونپل پھوٹی اور تناور درخت بن گئی۔ رت بن کر، آپ کے گھر پر چھاؤں اترنے لگی۔ یہ چھاؤں کتنی قیمتی ہوسکتی ہے بس ان دونوں کو یہ معلوم تھا۔

"تم مسلسل اتنی دیر سے خاموش کیوں ہو عبیر......؟" یکدم رکنے والے قدم ٹھہر گئے اور تب عبیر حسان نے مسکرا کر سامنے کھڑے شخص کو آنکھ بھر کر دیکھا۔ پانچ فٹ دس انچ کا شاندار بندہ اسے ہی ٹھہر کر

دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا! کیا تھک گئی ہو......؟" اگلا سوال۔

اور اس کا دل چاہا، یہ ہونٹ ایک کے بعد ایک سوال اچھالتے رہیں اور وہ اس کی آواز کے رس سے اپنی سماعت کا پیالہ بھرتی رہے۔ کہیں کوئی شور نہ ہو پھر ایک آواز گونجے "میں ہوں نا تمہارا۔ پورے کا پورا تمہارا۔" تو دل بس اس اقرار پر ہی مر جایا کرتا ہے اسے نہ اس سے پہلے جینے کی ہوک ہوتی ہے نہ اس لمحۂ خوش آگیں کے بعد جینے کی ہوس۔ زندگی بس وہی لمحہ بن جایا کرتا ہے اور بس اس شخص کی محبت ہی اس کی زندگی تھی وہ سوچتی اور اسے پہلا مصرعہ بھول جایا کرتا۔

تو ملے تو زندگی نہ ملے تو موت۔

اور محبت قطرہ قطرہ زندگی بن کر اس میں گرنے لگتی، جیسے وجود کوئی صحرا ہو اور بھولا بھٹکا بادل قطرہ قطرہ دعا کے عوض خاک پر گرے۔ خاک ہو جائے پیاس پیاس پکارنے لگے۔

"تم واقعی تھک گئی ہو۔ ہے نا عبیر......؟" وہ اس کا ہاتھ تھام کر ایک بینچ پر بیٹھ گیا اور وہ بہت سی باتوں کی طرح اس لمحے کی کیفیت بھی اس سے چھپا گئی۔

"تمہیں نہیں لگتا، تمہیں بھی مجھ سے کچھ کہنا چاہئے، کبھی کبھی بہت سارا کچھ۔"

اس نے ہلتے لبوں کو چاہت سے دیکھا۔ یہ آواز کتنی اپنی ہے۔ دل چاہتا ہے، یہ ہر لمحے میرے گرد چہکا کرے۔ ہر ساعت مجھے پکارا کرے، مگر یہ دوستی پوری محبت بھی کرنے نہیں دیتی۔ حائل رہتی ہے ہمارے بیچ کیونکہ اس شخص کو لگتا ہے۔ دوستی محبت ہو جائے تو بہت دیر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ دوستی میں کچھ وقت میسر ہوتا ہے، جس میں ہم صرف محبت کرتے ہیں، محبت سے دکھ سکھ بانٹتے ہیں اگر ہم اکثر ملیں اور بہت دیر تلک تو شاید ہمارے اوپر کا ملمع اتر کر ہمیں اپنی صورتوں میں ایک دوسرے کے لیے ناقابل برداشت کر دے گا۔ ہمیں لگے گا، ہم نے ایک محبت جو کمائی تھی عمر دے کر، وہ محبت بس ایک پل، ایک لمحہ میں گنوا دی پھر ہم ایک دوسرے کی آواز کو، دوستی کو ترستے رہیں گے۔ ساری زندگی بیسٹ کپل کا ٹیگ سینے پر لگائے، تنہائی میں ایک دوسرے کی سرد مہری سے لڑتے رہیں گے اور کبھی تھک کر ہار جائیں گے تو کہیں گے۔

"وہ میں کہاں گیا وہ تو کہاں گیا۔" اور تلاش ہمارے اطراف آنسو روئے گی، خاک اڑائے گی۔

"محبت بہت نازک جذبہ ہے، یہ ہر چیز پر مقدم ہونا چاہئے۔" سعد سالک ہمیشہ ایسے جملوں سے اس کے خیالات کی شورش کے آگے بند باندھ دیا کرتا تھا، مگر اس لمحے یہی سعد سالک تھا جو کہہ رہا تھا۔

"تم بولو نا کچھ ایسا جس میں تم نظر آؤ۔ تم جھلکو۔"

"عبیر! کیا ہو گیا ہے تمہیں، خاموشی تمہارا مزاج کب تھی۔" اس نے اس کے ہاتھ تھامے، بہت چاہت سے پوچھا اور وہ مسکرا دی۔

اگر ایسے میں کہہ دوں میری سماعت کو صرف اس کی آواز سننے کی ہوس ہے تو۔ تو شاید اسے اچھو لگ جائے یہ ہنسے جائے بے اعتباری سے، بے یقینی سے۔

"پتا نہیں اسے ہر بات میں معنی ڈھونڈنے، مطلب نکالنے کی اتنی عادت کیوں ہے۔ یہ بظاہر یقین

سے کہتا ہے مجھے تمہاری محبت پر اندھا یقین ہے، مگر اس کی آنکھیں انکار ہی انکار بن کر، اس محبت پر کڑی تیوریوں سے دیکھا کرتی ہیں، کھوجتی ہیں، چھان پھٹک کرتی ہیں۔ پتا نہیں اسے کتنا گہرا دھوکا ملا ہے کہ اسے گہری محبت بھی تسکین نہیں دیتی۔“

”مجھے لگتا ہے اب تم مجھ سے بے زار ہوگئی ہو، ایسا تو نہیں میں تمہیں آہستہ آہستہ کھو رہا ہوں؟“ اس کے لہجے میں جنوں در آیا اور اس کی آنکھیں مسکرانے لگیں۔

”تمہیں کیوں لگا، تم نے آہستہ آہستہ مجھے گنوا دیا ہے۔“

”تمہاری آواز، تمہارے لہجے نے آہستہ آہستہ جب سے مجھ سے منہ موڑا ہے......“ اس نے بینچ سے ٹیک لگا کر شکوہ کیا۔

اس نے پورا چہرہ اس کی طرف موڑ لیا۔ شام چھانے لگی تھی اور اس کا چاند سامنے تھا، پھر وہ روشنی سے کیوں نہ جگمگاتی۔ اے محبت، تو کتنی بدذات ہے، پندارِ نفس کو توڑ پھوڑ کر فقیر کر دیتی ہے، ایک سکہ، اپنی چاہ کا ایک سکہ، کرن، جس پر جیون ہار دے۔“

”تم پہلی سی باتیں نہیں کرتیں......؟“ اس نے اس کا شانہ ہلایا اور وہ ہوش کی دنیا میں پلٹ آئی۔

”تمہیں بس یونہی لگتا ہے، ورنہ میں تو اب بھی ویسا ہی بولتی ہوں۔“

یہ اس کا خاموشی کے جنگل میں گم پہلا فقرہ تھا، جسے ہوا و فضا نے بیک وقت اچھالا، بہت سے لفظ روک کر، ان کہی دل میں چبھتی چھوڑ کر، کتنا عام سا فقرہ جس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اندر کی بے چینی تھی، نہ طلب، نہ کوئی آرزو کیونکہ وہ جانتی تھی یہ شخص جو گھنٹوں اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا ہے۔ باتیں کرنا چاہتا ہے وہ اس کا نہیں ہے کوئی ہے جو اس کا انتظار کرتی ہے۔ جو اس کے نام پر بیٹھی ہے مگر یہ شخص اسے صرف ایک پڑاؤ سمجھتا ہے، جوگی منش یا کسی بنجارے کا پڑاؤ مگر جہاں آگ دہکی، جہاں آس جلی، جہاں رات نے نیند سے سپنے بنے، شگن اٹھائے، منت مانی اس پڑاؤ، اس جگہ کا دکھ کون پائے اور بس یہ دکھ وہ پا گئی تھی۔ اس لیے چاہتی تھی وہ اس کا رہے اور چاہتی تھی وہ اس کو باندھے بھی نہیں، وہ اپنی خواہش اور کسی اور کی تمنا کے درمیان اٹک گئی تھی۔

محبت چھیننا نہیں سکھاتی مگر کوئی ہو، ایسا شخص جسے آپ دل سے چاہتے ہوں، تو جی کرتا ہے وہ وقت سے تقدیر سے اسے چرا لے، ایسے کہ کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے۔ لیکن ایسا ممکن نہیں تھا تب ہی اس کے اندر لفظ بن ادا ہوئے مرنے لگے تھے اور یہ سامنے بیٹھا شخص ہر روز اسے بولنے پر اکساتا تھا۔

”تم نے کوئی نئی نظم پڑھی عبیرا!“ اس نے بہ دقت کوشش کے بعد اس کا من پسند موضوع چھیڑا اور وہ اس کی اس معصوم ادا پر ہنس پڑی۔

”یو چیٹر تم جانتے ہو نا شاعری مجھے کس قدر عزیز تر ہے، اس لیے مجھے اکساتے ہو۔“ آنکھیں اس پر جم گئیں اور لفظ لہجوں سے امنڈنے لگے۔

اک دن کوئی ایسا ہو
میں بھور سے اٹھوں
تو سامنے بیٹھا ہو

اک دن کوئی ایسا ہو

وہ سنا چکی اور وہ نظریں چرانے لگا۔

”میں ہر لمحے تمہارے ہمراہ ہوں، پھر بھی تمہاری حسرت نہیں جاتی۔“ اس نے ہنسی میں بات برابر کرنے کی کوشش کی اور وہ پلک جھپکائے بغیر اسے دیکھنے لگی۔

”اگر تم جان جاؤ تم میرے لیے کیا ہو، میں محبت کی کس منزل پر ہوں تو شاید تم اس محبت کی حدت سے ہی پگھل جاؤ۔ تمہارا وجود میری محبت کے آگے مٹ جائے اور تمہیں لگے تم نے محبت کو کس قدر نہ سمجھنے والوں کی طرح سمجھا اور کھو دیا۔“

”یہ تم ایک لفظ کہہ کر بہت سے ان کہے لفظوں کی تکرار میں کہاں گم ہو جاتی ہو۔“

”ارے نہیں تو میں تو بس ویسے ہیں...... اچھا یہ سناؤ دائمہ کیسی ہے۔“

”وہ! ہاں وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ممی بھی اچھی ہیں، پاپا بھی بہتر ہیں، خالہ ماموں، پھپھو، چچا سب خوش باش ہیں اور کچھ......“

”ہاہاہا......“ وہ اس کی جھلاہٹ سے حظ اٹھانے لگی۔ وہ جانتا تھا وہ اب ہمیشہ کی طرح بات کو طول دینے کے لیے ایسے ہی جملے کہے گی، طویل اور بونگے جملے، جن میں وقت گزر جائے اور وہ اپنی کیفیت سنبھال لے۔

”تمہیں آخر میرے حسن سلوک سے اتنی چڑ کیوں ہے سعد کے بچے۔“

”صرف اس لیے کہ تم ان بے مصرف باتوں میں بس وقت ضائع کرتی ہو۔“

”اچھا جی تمہیں کیا لگتا ہے، ان باتوں کی جگہ مجھے کیا کہنا چاہیے۔؟“ اس نے طرح دی اور وہ مسکرانے لگا۔

”کچھ اچھی باتیں جو زادِ راہ ہوں اور جن پر عمر گزاری جا سکے۔“

”تو کیا تم چھوڑ دو گے مجھے......؟“ وہ یکدم بے قراری سے اٹھ کھڑی ہوئی، وہ اسے آوازیں دیتا اس کے پیچھے دوڑا۔

”تم ایک دم سب تعلق ختم کیوں کر لیتی ہو، کوئی امید آسرا بننے کیوں نہیں دیتی ہو۔“ اس نے ہاتھ تھام کر اسے روکا اور وہ بے ترتیب ہوتی سانسوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

اس کی جدائی کا خیال اس کی عمر کے توشہ خانے سے یونہی سانس چرانے لگتا تھا۔ وہ تیز تیز بہت ساری سانسیں جی لیتی تھی تاکہ اس لمحے سے پہلے مر جائے مگر ابھی سانسیں بہت ساری باقی تھیں اور لمحۂ جدائی...... پتا نہیں سر پر کھڑا تھا یا بہت قرنوں، صدیوں دور...... وہ ہاتھوں فاصلہ ناپنے کی کوشش کرتی اور آخری انچ سے پہلے یہ کوشش ترک کر دیتی اگر جو فاصلہ کم نکلا تو......

سعد سالک کہتا تھا وہ ہر تعلق توڑ کر، ہر امید ہر آسرا چھوڑ دیتی تھی۔ لیکن یہ اس کا دل جانتا تھا وہ امید اور آسرے ہی پر تو جیتی تھی، باقی تھا ہی کیا اس کے پاس۔

”تم کسی دن مر جانا اس افراتفری میں......“ اس نے اسے ڈانٹا اور منرل واٹر کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔

"مجھے پیاس نہیں ہے......" اس نے شکستگی سے کہا۔

اور وہ اس کے سر ہو گیا۔ "خموشی سے پی لو یہ پانی ورنہ ابھی مرجاؤ گی آپریشن ٹیبل تک جانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔"

وہ اسے پانی کے ساتھ ٹیبلٹ بھی دے رہا تھا۔ "تمہیں مرنے کا اتنا شوق کیوں ہے، آج یہ مجھے تم بتا ہی دو۔"

وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ کر گھاس پر بیٹھ گئی۔ ایک لفظ نہیں بولی۔ حقیقتاً اس لمحے اس کو درد کا دورہ پڑا تھا اور وہ دوا کے بعد بہ دقت اس درد کو سہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس کی نبض تھامے کھڑا تھا، نگاہ گھڑی پر تھی۔

"پہلے سے ٹھیک ہو، زیادہ ڈرامہ مت کرو......" وہ ہمیشہ اسے ایسے ہی ستایا کرتا تھا اور وہ ہنس پڑتی تھی۔

"مت ستایا کرو سعد سالک! کہتے ہیں ظلم اتنا کرو جتنا کوئی سہہ سکے۔"

"جی بہتر مگر اس جملے کا اجمالی خاکہ۔"

"ستانے پر جیسے تم کمربستہ رہتے ہو، میں تمہیں ستاؤں ایسے، تو تمہاری سانس رک جائے، جو انتظار میں جھیلتی ہوں تمہارا، تم ویسا ایک پل بھی گزار دو تو پھر وقت کا چکر بھی تمہیں یاد نہ رہے ہوش گنوا دو اپنے۔"

"ہوں اور ایسی باتیں مجھ سے عبث ہیں بھئی، سیدھا سادا پریکٹیکل بندہ ہوں، دو اور دو چار کرنے والا یہ سب میرے بس کی بات نہیں۔"

"یہ بس کی چیز نہیں ہوتی۔ یہ تو بس ایک لمحاتی کیفیت ہے محبت ہو، انتظار ہو، کچھ بھی ہو، اچانک گھر کے آتے بادل کی طرح آتے ہو، بھگو جاتے ہو روح کو، پھر دھوپ میں جھلستے رہو، دوڑتے رہو، اس لمحے کے پیچھے ہاتھ نہیں آتا کچھ......" وہ اب نارمل ہو چکی تھی، اس لیے لفظوں میں ترتیب در آئی تھی اور وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

"ایسی باتیں کیسے کر لیتی ہو۔ یہ باتیں کون کہتا ہے تم سے......؟" وہ درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو کر پوچھنے لگا تھا اور وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

زندگی اگر آنکھ تھی تو اس کی آنکھ صرف انتظار کے سوا کچھ نہیں تھی، خواہش کی دہلیز پر جمی آنکھ، ایک ساعت محبوب کی صورت کے امرت سے جیتی اور ہجر کے سم سے مرتی آنکھ، ایک بار دیکھ کر، پھر ساری زندگی اسی منظر سے جی برماتی، اسی منظر میں رنگ بھرتی آنکھ، اس کے جی میں آیا کہے تم ہو۔ صرف تم جو لفظ بن کر اترتے ہو، معنی دیتے ہو، مجھ پر محبت کی کیفیت بن کر چھاتے ہو تو اپنی سدھ بدھ ہی نہیں رہتی، مگر وہ کہہ نہیں پائی مسکرانے کے سوا اور وہ چڑ گیا۔

"یہ تمہیں ہر وقت ہنسنے مسکرانے کے سوا کچھ نہیں سوجھتا......؟"

"کیوں منہ.....رنے، رونے دھونے والی لڑکیوں سے عشق ہے کیا؟"

"بکواس نہیں......" وہ تپ گیا۔ ماضی یاد دلاتا ہر جملہ اسے ایسے ہی تپا جاتا تھا۔

"جو لمحے ماضی ہو گئے، اس پر حال میں ہم بھی ڈسکس نہیں کریں گے یہ طے ہوا تھا......؟"

"ہاں۔ لیکن حال میں یہ عبیر حسان کا کردار، یہ کیا ہوا۔ اسے کس خانے میں رکھو گے تم......؟"

سعد سالک لاجواب ہو گیا تھا، اور جب وہ دل سے لاجواب ہو کر کچھ دل کی کہنے سے خود کو مجبور پانے لگتا تھا تو ہمیشہ واک آؤٹ کر جاتا تھا۔

"چلو، میں تمہیں تمہارے روم میں چھوڑ دوں۔ ہوا میں خنکی کتنی بڑھ گئی ہے۔" اس نے ہاتھ تھاما اور وہ قطعی سرد ٹھٹھرتی خاموشی کے ساتھ اس کے ہمراہ چلنے لگی۔

"آپ کتنا لیٹ ہو گئی ہیں۔ میم ہاسپٹل میں وزیٹر ٹائم ختم ہوئے بھی ایک گھنٹہ گزر گیا ہے، ڈاکٹر صاحب ابھی آ کر جا چکے ہیں۔ آپ لیٹیے یہ دوا کھا لیجیے......"

اس نے مطمئن ہو کر سعد سالک کو دیکھا۔ یہاں اس کی کافی جان پہچان تھی، کچھ ڈاکٹرز اس کے دوست تھے اس لیے اتنی چھوٹ میسر تھی۔

"ٹھیک ہے پھر عبیر! میں چکر لگاؤں گا......" اس نے جان کنی سے اس منظر کو دیکھا۔

"میم۔ دوا......" نرس نے اس کا استغراق توڑ دیا۔ اس نے جھنجھلا کر نرس کو دکھا۔

دوا کھا کر وہ لیٹ گئی تھی، پھر صبح بہت عام سی تھی، مگر عدیل حسان کے سہارے چلتے پاپا کو دیکھ کر اس کا دماغ غم سے بھر گیا تھا۔

"کیسی ہے تمہاری طبیعت عبیر......؟"

"پہلے سے بہتر ہے پاپا!" اس نے ہینڈسم سے پاپا میں کمزور پاپا کے وجود کو ابھرتے دیکھ کر دکھ سے جواب دیا، اور پاپا خاموش رہ گئے۔

"تم مجھ سے ابھی تک ناراض ہو عبیرا!" ہولے سے ہاتھ کو چھوا اور وہ انہیں دیکھنے لگی۔

کسی شخص سے جب ہم ناراض ہوتے ہیں تو پھر بہت سی باتیں ہمارے جی میں ایسے اکٹھی ہوتی جاتی ہیں کہ ان میں سے پہلی بات کو الگ کرنا دشوار لگتا ہے۔ سب کچھ آپس میں ایسے گڈمڈ ہو جاتا ہے کہ ہمیں سوچنا پڑتا ہے پہلی بات کیا تھی، جس نے ہمیں اس شخص سے خفا کیا جس کے بعد ہم نے اس کی طرف جاتے قدموں اور دل کو مڑتے دیکھا۔ خود کو تنہا ہوتے پا کر بھی حرف احتجاج کرنے کی خواہش کو اپنے اندر پہلی سانس کے بعد مرتے محسوس کیا، پہلی کون سی بات تھی جو آخری بات کے پلو سے جڑی تھی۔

پاپا کا ملٹی ملینئر ہونا؟

کامیابی پر مرمٹنا اور باقی سب کچھ بھول جانا۔

یا پھر؟ اب سب کچھ......ہوتے ہوئے مخمل کردار میں ڈھل جانا۔

وہ سوچنے لگی، دماغ کی رگیں پھٹنے سی لگی تھیں اور ای سی جی مانیٹر شور کرنے لگا تھا۔ یہی شور سن کر ڈاکٹر اور نرس اس کے کمرے میں دوڑے آئے تھے۔

"ریلیکس مس حسان ریلیکس یہ آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔"

زندگی نے جب پہلی بار جینا شروع کیا تب سے میں سن رہی ہوں۔ یہ تمہارے لیے اچھا نہیں ہے وہ تمہارے لیے اچھا نہیں، آخر ہماری زندگی کی خوشیوں کا گراف دوسرے کب تک بناتے رہیں گے۔

کب ہم میں اتنی قوت ہوگی کہ ہم کہہ سکیں۔ ہماری خوشی یہ ہے یہی اچھا ہے ہمارے جیون کے لیے۔
کب......؟ ڈاکٹر اسے انجکشن لگا رہے تھے اور وہ پاپا کے ڈوبتے ابھرتے عکس کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ شخص کبھی زندگی سے پیارا تھا مگر...... کم بخت دل اب اسے زندگی نام کی شئے سے چڑ ہے اسے ہر اس چیز سے نفرت ہے جو زندگی جیسی ہو۔ زندگی کی طرف لے جاتی ہو۔''

مگر وہ سعد سالک پھر وہ کیا ہے......؟

دماغ نے سوال کیا اور اس نے نیند کی تھاہ میں ڈوبنے سے پہلے سوچا۔ ''شاید وہ زندگی نہیں ہے، وہ سامنے ہو تو زندگی کو اچھا کہنے کو دل کرتا ہے۔ وہ پوری زندگی نہیں ہے مگر مکمل زندگی جیسا لگتا ہے اور جب زندگی سے چڑ ہونے لگتی ہے تو یہ دل مکر جاتا ہے، وہ زندگی جیسا بھی ہے شاید میں زندگی کی ہر چیز چھوڑ سکتی ہوں، سب حوالوں سے مکر سکتی ہوں، مگر اس شخص کو چھوڑ دینا کتنا ناممکن ہے اور......'' دماغ مکمل خمار میں کھو گیا تھا تب ہی اس کی سوچوں نے اس سے رخصت چاہی۔

☆......☆......☆

میں نے انسان سے رابطہ رکھا
میں نے سیکھا نہیں نصابوں سے

''میں جانتا ہوں تمہارا طرز فکر، اسی لیے کہتا ہوں بدلو خود کو عبیر......''

اس نے لہک لہک کر شعر پڑھتے ہوئے ماحول کو یکسر فراموش کر دینے پر خود کو دل ہی دل میں لتاڑا۔

''آپ! آپ کب آئے پاپا......؟'' اس سے پہلے کہ طویل چارج شیٹ پڑھی جاتی اس نے پہلے ہی قدم پر پاپا کو روک لیا۔ گڈ گرل بننے کی کوشش کی۔ ایک ناکام سی کوشش! مگر پاپا وہ کب اس کے ان ہتھکنڈوں میں آتے تھے فوراً ایک تیز نظر ڈال کر اندر کی طرف بڑھ گئے اور اسے بے قراری لگ گئی۔

ایک پاپا اور عدیل یہی تو اس کی کل کائنات تھی اور کائنات کا محور سرک جائے تو سب کچھ تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ عدیل کی غلطیوں اور عدیل اس کی خاص میدانوں میں کی گئی جانفشانی پر پردے ڈالتا رہتا، مگر اس وقت عدیل دور دور تک موجود نہیں تھا اس لیے اسے اپنا معاملہ خود حل کرنا تھا۔

''آج آپ کچھ غصہ میں ہیں پاپا؟'' کوشش تھی کوئی معرکتہ الآراقسم کا سوال پوچھے گی مگر پاپا کا رعب ودبدبہ...... برا ہو اس کا زبان پھر پھسل گئی۔ پاپا نے اسے گھورا۔

''یہ تم کیٹ داک میں کب سے شریک ہونے لگی ہو؟''

''بے موت مرے......'' اس کی جان نکل گئی، کتنا کہا تھا عدیل حسان اور نریمان کو کہ کسی بھی صورت یہ کام ممکن نہیں، مگر اس لڑکے کو تو عشق نے ڈبویا کھٹاک سے بولا تھا۔

''تمہارا نام قطعاً نہیں دیں گے بس تم خاموش کردار کی طرح آنا اسٹیج پر، دو چار راؤنڈ لینا اور تم تو جانتی ہو یہ قطعی چیریٹی شو ہے تمام تر کمائی نریمان کے ڈس ایبل چلڈرن ہوم کے بچوں کی فلاح و بہبود پر لگائی جائے گی۔'' اور بس اس نقطے کے بعد اس کی سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت ختم ہو جاتی تھی یاد تھا تو اتنا کہ روز محشر ملنے والے تمغے مگر اب یہ پاپا کا سوال...... کیا جواب دے وہ یہاں۔

''پاپا! یہ شو قطعی چیریٹی شو ہے۔''

''میں جانتا ہوں، اس چیریٹی کی ساری داستان......'' وہ رک کے پھر بہت زیادہ بھنا کر بولے۔

''یہ نریمان علوی کون ہے......؟''

''بج گیا بینڈ عدیل حسان کا......'' دل نے نعرہ مارا اور وہ لفظ ڈھونڈنے لگی جس سے سجا بنا کر یہ حوالہ قابل قبول لگتا۔

''میں نے پوچھا ہے کون ہے یہ لڑکی...... کیا تم دونوں کم تھے کہ یہ لڑکی بھی...... اٹ از ٹو مچ۔ گاڈ......'' وہ اس کی طرف سے پشت موڑ گئے۔ ظاہر تھا وہ نریمان پر اچھی خاصی ریسرچ کر چکے ہیں۔

''یہ لڑکی بہزاد علوی کی بیٹی ہے نا۔ وہی جسے سچ بولنے کا ہوکا ہے اور جو آج بھی اس خناس میں مبتلا ہے کہ وہ سچ لکھ کر چھاپ کر کوئی بہت بڑا کارنامہ کر رہا ہے۔ عوام نے اس کے سینے پر تمغے شمغے لگانے ہیں، یہ وہی ہے نا یوٹوپیا کے عشق میں مبتلا ایک ایک بیمار شخص، جس کا آئیڈیلزم اس کی راہ کی دیوار بنا ہوا ہے۔''
وہ خموش ساکت کھڑی تھی بہزاد علوی ایک نام تھا سچ کا۔ سب انہیں سچ کی تشریح کے طور پر لیتے تھے۔ وہ خود ان کی مداح ہی نہیں، ان کو اپنا سینئر استاد سمجھتی تھی۔ اس کا خیال تھا۔ وہ تعلیم کے بعد عملی کام کے لیے بہزاد علوی کا اخبار ''حق'' جوائن کرے گی، مگر اس کے پاپا۔

''تم نے چپ شاہ کا روزہ رکھ لیا ہے کیا......؟''

پاپا اس کی خاموشی سے چڑ گئے تھے، کیونکہ جب بھی وہ حد درجہ چڑ جاتے تو انہیں اپنی شریک حیات یاد آ جاتی تھیں اور یہ یاد قطعی دلبرانہ نہ ہوتی۔

''تم دونوں اپنی ماں پر گئے ہو، ویسے ہی حق دق، حیران پریشان کرنے والے۔ ساری زندگی اس نے مجھے کم ستایا تھا، جو تم دونوں نے بھی......''

''پاپا! ماما ایک اچھی ہاؤس وائف تھیں......'' وہ پہلی بار بولی تھی اور وہ صوفے پر بیٹھ کر اسے گھورنے لگے تھے۔

''وہ ایک اچھی ہاؤس کیپر ضرور تھی۔ اچھی ہاؤس وائف نہیں بن سکی۔ میرا اور اس کا ہمیشہ یہی اختلاف رہا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ ایک عالم دین کی بیٹی ہے۔ اس لیے اسے ایسی ہی زندگی گزارنی ہے، جیسی وہ گزار رہی ہے۔ وہ سمجھتی تھی وقت پر کھانا دینا، گھر کا کام کرنا، بچے پال لینا ہی بس ایک اچھی بیوی ہونے کا ثبوت ہے۔ اس نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ میرا دل کیا چاہتا ہے۔''

''آپ کی اور ماما کی شادی طے کیونکر ہوئی تھی پاپا......!'' وہ یکدم ہر مسئلہ بھول کر، ان کے مقابل آن بیٹھی تھی اور پاپا جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے کا یہ موقع گنوانے کے موڈ میں نہیں تھے۔ اندر کی خلش، حالیہ خفگی سب نے مل کر انہیں آتش فشاں بنا دیا تھا۔ ان کا سانس تیز ہو گیا تھا اور وہ گرم لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''پتا نہیں یہ رشتے، تعلق انسان اپنی مرضی سے کیوں نہیں بنا سکتا۔ دوستیاں بنا لینا کس قدر آسان ہے مگر، یہ خون کے رشتے، انسان ان سے چاہے بھی تو منہ نہیں موڑ سکتا۔ توڑنا چاہے تو ان کی کسک ان کے اپنے ہونے کی عادت، ہمیں روک دیتی ہے۔ محبت میں انسان خود غرض ہو جاتا ہے یہ محبت اس کے پیر کی زنجیر بنی رہتی ہے۔ میں محبت سے اسی لیے خار کھاتا ہوں، اس محبت نے ہر موقعہ، ہر ترقی کی راہ میں میرے

قدم باندھے، میرے پر کاٹے۔

کیا یہ ضروری تھا کہ بابا کو سب کچھ چھوڑ کر خاندان بھر میں تمہاری ماں ہی پسند آتی بیک ورڈ ویمن جسے حجاب در حجاب میں چھپے رہنا پسند تھا۔ میں نے تمہاری ماں کو منگنی کے تین طویل سالوں میں ایک بار بھی نہیں دیکھا۔ میرا خیال تھا۔ لڑکیاں گاؤں کی ہوں شہر کی، سب کے اندر محبت ہی محبت ہوتی ہے۔ مگر تمہاری ماں، وہ واقعی عالم دین کی ہی بیٹی نکلی......'' پاپا کا لہجہ تمسخرانہ ہوگیا تھا۔ وہ کلبلا گئی مگر پاپا کو اس لمحے اس کی پروا نہیں تھی، وہ بہت روانی سے کہہ رہے تھے۔

''میں نے زندگی میں کبھی زندگی کا مزا نہیں لیا، تمہاری ماں کی راستی نے میری راہ میں رکاوٹیں ڈالیں۔ اس عورت سے ہر شخص خوش تھا میرے گھر کا، سوائے میرے، لیکن اس نے کبھی میرے دل کی نہیں جانی۔ میں نے کمپرومائز کرلیا اس پر مگر وہ عورت۔''

''پاپا! وہ میری ماں تھیں......'' وہ بھڑک اٹھی اور پاپا کی آنکھوں میں بہت برسوں کا غصہ، چھلکنے لگا، گزرے بیتے ماہ و سال کا، پاپا کتنی دیر تک اسے دیکھتے رہے پھر خفگی سے بولے۔

''ہاں اسی پر تاسف ہے کہ وہ تمہاری ماں تھیں تب ہی تم دونوں۔ تم دونوں نے بھی میری جان جلا کر رکھی ہوئی ہے، بیٹا اتنا پڑھا لکھا ہے مگر اسے ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے پتا نہیں کون سے گیان دھیان کی باتیں کرتا ہے ساری دردیشی، ساری فقیری اس کے اور تمہارے حصے میں آگئی ہے۔ تم اور وہ مل کر میرا دیوالیہ نکالنا اور وہ تیسری لڑکی وہ میرے تابوت میں آخری کیل بننا چاہتی ہے، مگر سن لو، میں قطعی تم لوگوں کو آزاد نہیں چھوڑ سکتا اس لیے میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔''

اس نے سانس روک لی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا جرنلزم ادھورا رہ جائے گا۔ عدیل دھیان لگا کر فوٹو گرافی میں کوئی کام نہیں کر سکے گا اور سب چھوڑ کر دونوں کو پاپا کے بزنس میں ان کا ہاتھ بٹانا پڑے گا، لیکن پاپا کی گمبھیر خاموشی۔

''میں آج تمہاری ثمینہ آنٹی سے ملا تھا۔''

''ثمینہ آنٹی......؟'' اس نے دل کو کسی خشک پتے کی طرح لرزتا محسوس کیا۔

ثمینہ آفاق ان کی پرانی پڑوسی تھیں، جن پر وہ دونوں جی کھول کر تبصرے کیا کرتے تھے اور ان سارے تبصروں کا لب لباب یہ ہوتا تھا کہ وہ آنٹی کم ممی زیادہ شو کرتی ہیں۔ ان کی توجہ کا مرکز وہ دونوں نہیں پاپا ہیں اور یہ بات ممی کی زندگی ہی میں کھل کر سامنے آگئی تھی۔ مگر ان کی ممی واقعی صبر کرنا جانتی تھیں، اس لیے ایک ہی بات کہتی تھیں۔

''اس دہلیز کے بعد ہر اٹھنے والا قدم تمہارے پاپا کا اپنا قدم اپنی مرضی ہے، وہ جو چاہیں کریں، جیسے چاہیں زندگی جئیں، مگر وہ جب اس دہلیز سے اندر آجاتے ہیں تو میں نے ان سے توقع رکھی ہے، ہمیشہ سے۔ وہ صرف میرے لیے ہوں گے ان پر اور کسی کا حق اختیار نہیں ہوگا، اور تمہارے پاپا کیسے بھی ہوں۔ اس معاہدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی، اس لیے مجھے عام عورتوں کی طرح چیخنے چلانے، سوال جواب کرنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس ہوئی......''

وہ ممی کا منہ دیکھتی رہ جاتی حیرت سے، اور اب یہ مقام تھا کہ وہ پاپا کا منہ دیکھ رہی تھی اسی حیرت

سے، لیکن پاپا کے انداز میں ذرہ بھر فرق نہیں آیا تھا، وہ اسی کروفر سے بیٹھے تھے اور اب اسے محسوس ہونے لگا تھا۔ پاپا اتنے ہذیان اور روانی سے اس کی ممی پر گوہر افشانی کیوں کر رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بے حد سرخ تھیں اور چہرے کی حدت......

وہ اٹھ کر ان کے قریب آگئی۔ ''آپ نے ڈرنک کی ہے پاپا......؟'' یہ بات اسے خاک کر رہی تھی۔ لیکن اس نے پھر بھی پوچھ لیا۔ پاپا نے چونک کر اسے دیکھا پھر اپنی حالت کو اور واک آؤٹ کر گئے۔

وہ حیرت اور دکھ کے اتھاہ سمندر میں ڈولی رہ گئی۔ شاعری، کیٹ واک، ثواب دارین کمانے کی خواہش۔ سب کہیں اندگم ہوگئی اور گھر ٹوٹنے کی فکر ہراساں کرنے لگی۔ ثمینہ آفاق احمد قطعی آزاد منش تھیں۔ اپنی نیند سونا جاگنا دوست احباب، گیٹ تو گیدر بس یہی ان کی زندگی تھی اور اب یہ زندگی کیا یہاں رنگ کھیلنے والی تھی۔ اسے زندگی میں شوخ رنگ کبھی پسند نہیں تھے۔ ممی کی عادت اور پسند و ناپسند نے تو اسے یوں بھی زندگی میں دھیمے پن کا عادی کر دیا تھا، اتنا دھیما کہ وہ بعض اوقات اپنے حق کے لیے بھی لڑ نہیں پاتی تھی۔

عدیل کو اس کی جنگ لڑنی پڑتی تھی مگر یہ محاذ کون سنبھالنے والا تھا۔ اس نے سوچتے ہوئے اپنے کمرے کا ایکسٹینشن ریسیور اٹھایا، مگر وہ پہلے سے ہی کسی کے لہجے سے لو دے رہا تھا۔

''پاپا......!'' وہ چند سیکنڈ ان کی گفتگو سن پائی پھر ریسیور رکھ کر اپنے بیڈ پر آ بیٹھی۔

''موبائل فون......'' اس نے اس سہولت کو اس سچویشن میں بے تحاشا داد دی۔

''عدیل واقعی عقل مند ہے......'' اس نے اس کی ذہانت کو سراہا موبائل کی اہمیت پر وہ اس سے بہت دنوں تک بحث کرتا رہا تھا پھر قبل اس کے کہ وہ اپنے آپ کو قطعی احمق قرار دے دیتی باہر ہارن سنائی دیا۔ اس نے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا۔ واچ مین گیٹ کھول رہا تھا۔

وہ تیزی سے نیچے کی طرف دوڑی۔ عدیل اس کے چہرے کا ہراس دیکھ کر گھبرا گیا۔

''پاپا خیریت سے ہیں؟'' پہلا خوف دونوں کا ایک ہی تھا سو نوک زبان سے پھسل گیا اور وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

''کیا ہوا عبیر! گھر میں سب خیریت تو ہے؟''

''عدیل! وہ پاپا، انہیں میرے کیٹ واک کا پتا چل گیا۔''

''ہیں۔ اونو......'' وہ دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا اور اس نے ہاتھ تھام لیا۔

''انہیں نریمان کا بھی پتا چل گیا ہے عدیل......'' نیا انکشاف، اس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔

''کیا آج کھانے کے بجائے انکشافات کی ڈشیں کھلاؤ گی۔ یار! کیا ہے بھوک کیوں مارنا چاہتی ہو۔ ویسے پاپا تک یہ سب باتیں پہنچائیں کس کالے چور نے ہیں؟''

عدیل حسان اب اصل ٹاپک پر آرہا تھا اور وہ خود بھی چاہتی تھی، وہ اس کو آہستہ آہستہ جھٹکا دے تاکہ وہ اگلی خبر سہہ سکے۔

''اب بتا بھی چکو۔ کیا خاموش فلم کی ہیروئن بن رہی ہو۔''

وہ بھنا گیا تھا، سسپنس اس سے کبھی برداشت نہیں ہوتا تھا۔ اس نے گہری سانس لی پھر روانی سے

بولی۔

''پاپا شادی کر رہے ہیں۔''

''اچھا یہ تو اچھی بات ہے تمہاری عمر کی لڑکیاں تو واقعی گھر اور پیا کو پیاری ہی ہونی چاہئیں اس میں اتنا بوکھلانے کی کیا ضرورت ہے......'' اس نے بات کو سمجھنے میں کم فہمی کا اظہار کیا اور وہ یکدم اب تک کا خوف دل شکستگی لہجے میں روک نہیں پائی۔

''پاپا خود اپنی شادی کر رہے ہیں، وہ ثمینہ آنٹی سے۔ تم سوچ سکتے ہو عدیل، ثمینہ آنٹی سے پاپا اور شادی......'' وہ رونے بھی لگی تھی اور عدیل حسان تسمے کھولتے کھولتے رک گیا تھا، بے یقینی اور حیرت اس کی آنکھوں میں جم گئی تھی۔

''پاپا شادی کر رہے ہیں۔ پاپا......!'' وہ اب کھڑا ہو گیا تھا اور بے قراری سے ٹہلنے لگا تھا۔ پریشانی اس سے کبھی جذب نہیں ہوتی تھی۔

اس نے مڑ کر عبیر حسان کو دیکھا، جیسے دوبارہ خبر کی سچائی پر بحث کرنا چاہتا ہو۔ کسی جھوٹی خوش فہمی، اندھے مان پر، مگر وہاں گہرے ملال کی بات نقش ہو گئی تھی۔

''پاپا گھر پر ہیں......'' اس نے تصدیق چاہی، وہ چاہتی تھی انکار کر دے۔ عدیل کے تیور اچھے نہیں تھے، مگر عدیل حسان اس کی آنکھیں پڑھ کر پاپا کے بیڈروم کی سمت بڑھ گیا تھا۔

وہ پیچھے بھاگی تھی، پھر پاپا اور اس میں بہت دیر تک تلخ کلامی ہوئی تھی، مگر پاپا اپنے فیصلے سے ایک انچ نہیں ہلے تھے بلکہ تیسرے دن ثمینہ آنٹی کو ثمینہ حسان بنا کر گھر لے آئے تھے۔ عبیر حسان...... اس دن کمرہ بند کر کے خوب روئی تھی۔

''ماما چلی گئیں، انہیں تقدیر نے چھین لیا، لیکن پاپا۔ میں اس پر صبر کیسے کروں۔'' وہ رو رو کر پاگل ہو گئی تھی۔ جب عدیل اور نریمان نے اسے سنبھالا تھا۔ زندگی بہت مشکلوں کے بعد واپس اپنی روٹین کی طرف لوٹی تھی۔ وہ اکثر گھر سے باہر نریمان کے اسٹوڈیو میں رہنے لگی تھی اور عدیل حسان اس کے رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے تھے، نریمان روز اس سے عدیل حسان کی خیریت پوچھتی اور وہ اسے خاموشی سے دیکھتی رہتی۔

''بدل گیا تمہارا عدیل بھی بدل گیا، واقعی عورت جنت اور جہنم بنا سکتی ہے، سب کچھ کر سکتی ہے، سب کچھ۔'' نریمان دل سے دل کی کہی چھپا کر اس کی جھوٹی مصروفیات کی داستانیں سنانے لگتی اور وہ گھر میں ہونے والی تقریبات کی گنتی گن گن کر گھر میں ہونے والی تبدیلیوں کا گراف بناتی رہتی۔ عدیل حسان پہلے شوقیہ اسموکنگ کیا کرتا تھا مگر اب وہ چین اسموکر بن گیا تھا اور اب بڑے دھڑلے سے ڈرنک بھی کرنے لگا تھا۔ اس کے قدم بہت تیزی سے ویسٹرن میوزک پر تھرکنے لگے تھے اور اپر کلاس سوسائٹی کا حسن اس کے ایک ہاتھ کے اشارے پہ تھا۔ وہ اسے دیکھتی اور کمرہ بند کر کے چیخیں دباتی رہتی۔

''یہ ممی کا عدیل تو نہیں ہے، اللہ سے محبت کرنے، اس کے حلال و حرام کو قطعی خود پر لاگو رکھنے والا عدیل یہ تو بہت بدل گیا ہے۔ بالکل بدل گیا ہے۔'' وہ پاگل ہونے لگی تھی۔ جب بہزاد علوی نے اسے اپنے اخبار میں جاب کرنے کی آفر کی۔

''للی سمجھتی ہے تمہیں اس وقت بے تحاشا مصروف رہنے کی ضرورت ہے، اندر کا فرسٹریشن باہر نہیں نکالو گی تو پاگل ہو جاؤ گی۔''

اس نے سر ہلا کر اخبار جوائن کر لیا اور چپکے چپکے عدیل حسان کا شوق چرا لائی۔

''وہ جو اس کے اندر فنکار مر گیا ہے میں اسے زندہ رکھنا چاہتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے اگر وہ زندہ ہوا تو کبھی نہ کبھی عدیل حسان کو ضرور پکارے گا۔ اس کا دل صرف بجھا ہے مرا نہیں ہے للی......''

وہ فوٹو گرافی کی تعلیم کے لیے باہر چلی گئی۔ دو سال بعد لوٹی تو زندگی میں ٹھہراؤ آ گیا تھا گھر میں ماحول بدل کر اپنا رنگ جما چکا تھا، مگر اسے لگتا تھا جیسے وہ کسی اجنبی دیار میں آ گئی ہو اور یہاں کسی کو جانتی نہ ہو۔

''جان پہچان دکھ دیتی ہے، جسے جتنا اپنا سمجھو وہ اتنا گہرا دکھ بن جاتا ہے، یہاں کون ہے جو آپ کے دل کی کرتا ہے، ہر شخص اپنے من کی خوشی ڈھونڈتا ہے، پھر اپنی خوشی میں کوئی اور کیسے یاد رہ سکتا ہے، سو اسے بھی سب تقریباً بھول گئے تھے، اور ایسا حال وہ خود بھول جانا چاہتی تھی۔

عدیل حسان سے صرف دفتر جانے سے پہلے ملاقات رہ گئی تھی، اور رات گئے وہ اس کی پشت دیکھ پاتی تھی، پھر دھیرے دھیرے اس نے سمجھنا شروع کر دیا وہ واقعی اکیلی رہ گئی ہے۔

یہ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ اسے احساس ہوا کہ زندہ افراد ایک دوسرے کے لیے کیسے مر جاتے ہیں، دل بس ایک ہلکی سی سانس بھرتا ہے۔ کراہتا ہے اور بس دھڑک کر رک جاتا ہے۔ زندگی میں سب کچھ ہوتا ہے، بس زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ عمر کے نشے میں وقت بھرنے والا وجود باقی رہتا ہے۔ سب کہتے ہیں کیا زندہ انسان ہے، جینئس ایکسلنٹ پرسنالٹی اور اندر کا خالی پن اس تعریف پر ہنسے جاتا ہے۔ اتنا کہ اپنی آنکھوں کی نمی خود اپنے ہونے سے مکر جاتی ہے، اس کی بھی یہی حالت تھی، دفتر اور فوٹو گرافی، نریمان سے دوستی اور عدیل حسان کے حوالے سے مربوط خوابوں کی ایک لمبی لسٹ نریمان اس کی باتیں سنتی رہتی اور اس کا کاجل پھیلے جاتا۔ کچھ دنوں وہ برداشت کرتی رہی۔ پھر ایک دن اس کے سر ہو گئی۔

''کیوں روتی ہو تم۔ مت رویا کرو، عدیل جیسے انسان کے لیے۔ دیکھو میں بھی اسے بھول گئی ہوں۔''

''تم اسے بھول گئی ہو۔ مت جھوٹ بولا کرو عبیر! وہ میرا فیانسی ہے، لیکن میں اس کے لیے سوچتی ہوں۔ گھنٹوں راتوں کو مجھے اسے سوچ کر نیند نہیں آتی، میرے دامن میں وہ جو ہر روز آ کر آنسو بہاتا ہے وہ آنسو میرا رواں رواں جلاتے ہیں پھر تم اس کی بہن ہو کر اسے کیسے بھول سکتی ہو......''

اس نے سر جھکا لیا اور وہ کہے گئی۔

''وہ جب میرے اسٹوڈیو کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، میرا نام پکارتا ہے تو مجھے لگتا ہے میں اس کی آواز سے مکر جاؤں گی، لیکن عبیر جب وہ کہتا ہے للی دروازہ کھولو۔ میں ہوں تمہارا عدیل تو میں اس کے ہر فلرٹ کی داستان بھول جاتی ہوں۔ وہ آتا ہے اور جھک جاتا ہے۔ میری غلطیاں معاف کر دو للی! میں صرف تمہارا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے، بشریٰ رحمان کے کردار کی طرح میں بھی اسے ہزاروں بار دھوؤں، صاف کروں، اس کے وجود پر سے نادیدہ غلطیوں کی گرد جھاڑوں، اسے اتنے ہی یقین سے کہوں، ہاں تم میرے ہو،

میرے لیے ہی ہو، جیسے میں تمہاری ہر غلطی ہر نئی غلطی کے بعد بھی تمہاری محبت میں تمہاری ہوں، عبیر! وہ کہتا اسے صرف دنیا میں میرے وجود کا یقین ہے کہ وہ وہاں سے دھتکارا نہیں جا سکتا، پھر تم ہی بتاؤ، میں کیسے اس کا یہ مان توڑ دوں کیسے......"

اس نے نریمان کو دیکھا اور رونے لگی۔

"دنیا میں اگر تم نہ ہوتیں تو میرا عدیل کیا کرتا للی! مگر مجھے ڈر لگتا ہے، کہیں تمہارے صبر ضبط کی طنابیں نہ ٹوٹ جائیں۔"

"محبت میں صبر وضبط کی حد نہیں ہوتی عبیر!۔"

عبیر حسان نے اسے دیکھا اس کی بات سنی اور عدیل حسان کی طرح اس کے دامن میں غم چھپالیا۔

"وہ کہتا ہے عبیر! میں اپنے پاپا کو اکیلا انہیں چھوڑنا چاہتا۔ وہ کہتا ہے پاپا کو اکیلا چھوڑ دیا گیا تو ثمینہ آنٹی انہیں آفاق انکل کی طرح زندگی سے دور کریں گی۔ وہ کہتا ہے للی! میرا دنیا میں عبیر اور پاپا کے سوا رشتوں کے معاملے میں کوئی حوالہ نہیں اور دونوں حوالے میری زندگی کا ڈائمو ہیں۔ میں کسی ایک سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتا مگر للی! عبیر میری یہ پرابلم نہیں سمجھتی، اس نے مجھے جیتے جی مار دیا ہے، وہ خود کہہ چکی ہے میں۔ میں ممی کی طرح مر چکا ہوں اور......"

"میرے اللہ نہیں۔ میری زندگی اس کے نام مگر یہ نہیں۔" بے ساختہ دل نے اس کے ادھورے جملے پر مناجات کی اور اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"عبیر! اپنے بھائی کی پرابلم سمجھو، جس طرح وہ اپنے پاپا کو اکیلا نہیں کرنا چاہتا، اسی طرح تم بھی اسے اکیلا ہونے سے روکو۔ عبیر! تمہارے پاس وہ میری امانت ہے کیا تم میری محبت میں میری اس قیمتی امانت کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتیں۔"

اس نے سر ہلایا، کچھ کہا نہیں مگر ایک خاموش عہد باندھ کر گھر آ گئی۔

وہ واقعی کس قدر سرد مہر ہو گئی تھی، عدیل حسان اسے لگتا تھا اس نے ان چار سالوں میں اسے اتنا نظر انداز کر دیا ہے کہ اب شاید وہ اس سے بات کرنا چاہے بھی تو لفظ سرد مہری کے بگل میں دم سادھے کھڑے رہیں گے۔ وہ تو اب یہ بھی نہیں بتا سکتی کہ عدیل حسان ان چار سالوں میں خوشبو کون سی پسند کرنے لگا ہے۔ ڈریس میں اسے کیا پسند ہے، فیورٹ کلر کیا ہے، وہ آج بھی کافی اسٹرانگ لیتا ہے یا اس نے کافی بالکل چھوڑ دی ہے۔ زندگی نے اس لمحے اپنی کوتاہی بہت واضح شکل میں اس کے سامنے لا رکھی تھی، اس لیے وہ مصمم ارادہ کر کے گھر میں داخل ہو گئی۔

واچ مین گاڑی گیراج کی طرف لے گیا تھا وہ اپنا کینوس بیگ سنبھالتے ہوئے اندر کی طرف بڑھی، مگر تیسرے قدم پر اسے رک جانا پڑا تھا اسٹوڈیو کی لائٹس آن تھیں۔

"وہاں کون ہو سکتا ہے پاپا! تو ہرگز نہیں ہوں گے۔" اس نے تیزی سے قدم بڑھائے اسٹوڈیو ہاؤس کی سیڑھیوں پر وہ اس کا منتظر تھا۔

"چھوٹی! تم تو مجھ سے بھی اچھی فوٹوگرافر بن گئی ہو۔" عدیل حسان نے ہاتھ تھام کر اسے سراہا اور وہ ایک ہی سانس میں چار سال کی دوری سمیٹ کر اس کے برابر جا کھڑی ہوئی۔ عدیل نے اس کو اپنے قریب

کر لیا تھا۔ یوں جیسے اتنے ماہ وہ سال کبھی ان کے درمیان ناراضی لے کر آئے ہی نہیں تھے۔

"تم نے میری ساری فوٹوگرافس دیکھ لیں۔"

"نہیں! ابھی میں نے صرف شروعات کی تھی کہ تمہاری گاڑی کا ہارن سن کر رک گیا۔ میں نے سوچا فن کار کو فن کی داد روبرو نہ دی تو فائدہ۔"

وہ ہنسنے لگی، کتنے دل سے ہنسی تھی "کیا ہمارا دل اندر سے زندہ رہتا ہے اور بس ہمیں دھوکے میں رکھتا ہے کہ وہ مر چکا ہے۔" اس نے دل سے پوچھا، مگر جواب ندارد پا کر وہ آسودگی سے چلتی ہوئی اس کے ساتھ اندر کی طرف بڑھتی چلی گئی پھر وہ تھی اور ہر تصویر کی ایک کہانی۔

"عدیل! دنیا میں اس قدر کہانیاں ہیں۔ ہمیں لفظ نہ ملیں۔ ان کی صورت گری کے لیے۔"

"اچھا تو اس لیے تم نے فوٹوگرافی اپنا لی؟" اس نے نفی میں سر ہلایا اور سچائی سے بولی۔

"میں نے فوٹوگرافی صرف اس لیے اپنائی تھی کہ یہ تمہارا شوق تھا، یہ تم تھے، تمہارے اچھے دن، اچھے خوابوں بھری آنکھیں اور ان میں۔ ہر ان کہی سمیٹ لینے کی خواہش۔ تب میں نے سوچا، تمہارے خواب مرنے نہیں دینا چاہئیں۔ تمہارے اچھے دنوں کے لیے میں در بن گئی، مجھے یقین تھا تم کبھی نہ کبھی لوٹو گے ضرور اور لوٹنے کے لیے گھر میں کوئی انتظار کرنے والا ہونا چاہیے اور وہ انتظار کرنے والی میں تھی۔"

عدیل حسان نے عبیر کو سینے سے بھینچ لیا تھا۔

"مجھے یقین تھا دنیا مجھے چھوڑ سکتی ہے، لیکن للی کی طرح تمہارا دل بھی بہت بڑا ہے، تم مجھے دھتکار نہیں سکتیں۔" اس نے دیکھا اور کچھ دیر بعد سنجیدگی سے بولی۔

"چار سو بیس ہیں، آپ ورنہ جس یقین سے للی سے حال دل کہہ سکتے تھے مجھ سے اپنا حال دل شیئر نہیں کر سکتے تھے۔ عدیل! تم نے مجھے بہت ڈس ہارٹ کیا۔ کیا میں تمہاری اچھی والی بہن نہیں تھی جو......"

"بکومت ایسا کچھ نہیں تھا، بس تمہاری انفرادیت اور تمہاری سوچ جانتا تھا اس لیے سوچتا تھا شاید میں تمہیں ہار چکا ہوں اور ہار جانے والے کب خوش قسمتی کا راستہ روکتے ہیں۔"

"بلف، عدیل کے بچے تم۔ بہت باتیں کرنی آ گئی ہیں تمہیں، مگر مجھے یقین ہے یہ للی کا پیپر ہوگا وگرنہ تمہیں اور اتنے اچھے الفاظ امپاسبل......"

عدیل حسان نے کشن کھینچ مارا۔ وہ ہنسنے لگی۔

☆......☆......☆

زندگی پہلے کے مقابلے میں اچانک ہی بدل گئی۔ زندگی میں حیات کی ہلکی ہلکی رمق در آئی تھی۔ وہ نریمان کو اس برس رخصت کروا کر، گھر لے آئی تھی۔ گھر میں اب سونا پن نہیں تھا، پارٹی کے وقت وہ دونوں اسٹوڈیو میں اٹھ آتیں، وہ کبھی ڈارک روم میں فلم دھونے میں مصروف ہوتی تو کبھی نریمان کے ساتھ کسی نئے پروجیکٹ پر کام کر رہی ہوتی۔ نریمان نے دکھی انسانیت کے لیے ایک تنظیم "تنظیم" کے نام سے شروع کر رکھی تھی، جو پس ماندہ علاقوں میں خاموشی سے ترقی اور بہبود کے کام سر انجام دینے پر مامور تھی۔ عبیر نریمان کو اس سلسلے میں مدد دیتی تھی۔ اخبار کی وجہ سے اس کی بہت سے اداروں میں نہ صرف سنی جاتی تھی، بلکہ اندر تک اتر کر دکھ کی تھاہ لینے کی عادت نے بہت سے علاقے اور زندگیاں پوائنٹ آؤٹ کر لی تھیں،

ہوم ورک مکمل ہوتا تھا۔ زریمان کو صرف عمل کے گھوڑے دوڑانے پڑتے تھے۔ پھر اسی میں بہت وقت بیتا کہ ایک فوٹوگرافک ایگزیبیشن میں اس کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی، اپنائیت اس کی آنکھوں میں تھی اور یہ آنکھیں کہیں دل میں کوئی راگ چھیڑنے لگی تھیں۔

''ہم پہلے کبھی نہیں ملے، مگر اب مجھے لگتا ہے ہم اکثر ملیں گے......'' اتنا شارپ اسٹائل وہ گومگو ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''آپ کون؟ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' اس نے نہایت سہولت سے اسے کھوجنے کی سعی کی، اور وہ ہنسنے لگا (اور تب اسے لگا کچھ لوگ ہنستے ہوئے کس قدر اچھے لگتے ہیں) پھر اپنی جسارت پر ٹھہر کر گنگنایا۔

تمام عمر میرے ساتھ ساتھ چلتے رہے
تجھے تلاشتے، تجھ کو پکارتے ہوئے دن
یہ گردباد تمنا میں گھومتے ہوئے دن
کہاں پہ جا کے رکیں گے، یہ بھاگتے ہوئے دن

''سوری۔ میں اس شاعرانہ جواب کو سمجھ نہیں سکی۔''

وہ جان کر صاف پہلو بچا گئی اور وہ اس کے سامنے ستون سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ ساعت اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

''حالانکہ تمہاری عمر کی لڑکیوں کو شاعری کی زبان ہی سوٹ کرتی ہے، سمجھ میں آتی ہے۔ تمہاری صنف تو ہوا سے نغمگی، آتے موسموں سے خواب، جاتے موسموں سے شکوے کرنے کی اتنی عادی ہوتی ہے کہ تمہارے اندر کا ابال صرف یہ شاعرانہ انداز سہہ سکتا ہے، تمہاری عمر میں تو لڑکیوں کا شاعری اوڑھنا بچھونا ہوتی ہے۔ سچ بتانا کیا تمہیں خواب دیکھنا اچھا نہیں لگتا؟'' وہ ساکت اسے دیکھے گئی۔ یہ کون ہے اسے میں پہلے سے نہیں جانتی، مگر اسے جاننے کی طلب ہے۔ اچانک جیسے پرسکون لہروں میں کوئی تیز لہر آ کر، ملے سب کچھ اتھل پتھل ہو جائے۔

''تمہاری یہ تصویر بہت اچھی ہے۔ مجھے اس پر کبھی کی پڑھی ایک نظم یاد آ گئی۔ سناؤں؟''

وہ کہنا چاہتی کہ وہ بہت عدیم الفرصت ہے، مگر وہ کہہ نہیں سکی تھی اور وہ گنگنا رہا تھا۔

گڈو کو پھر مار پڑی تھی
اس نے مالک کے ٹوی کو
گھٹیا مکھن ڈال دیا تھا
اس دن بھوک ''ایتھوپیا'' کی
مجھ کو کتنی یاد آئی تھی
میری آنکھ بھی بھر آئی تھی

''سعد اللہ شاہ۔ بہت اچھا شاعر ہے۔'' دفعتاً اسے بھی یہ نظم یاد آ گئی اور اس کی نظر اپنی تصویر پر ٹک گئی۔ کھانے کے لیے کتوں سے جنگ کرتے دو بچے اور سامنے کھڑی کار میں بیٹھا تمسخرانہ نگاہ سے دیکھتا انسان۔

''آپ کا کیا خیال ہے، یہ جنگ کون جیتا تھا؟''

''انسان ہار گیا تھا، بھوک جیت گئی تھی۔'' حلق تک میں تلخی در آئی تھی۔ اس کے، اور اس نے سرسراتے لہجے میں کہا تھا۔

''یہ شخص اس نے لڑتے بچوں کو کھانے کا لالچ دے کر آپس میں ان کتوں کی طرح لڑا دیا تھا۔ کہتا تھا جو جیتے گا۔ اسے پیٹ بھر کر کھانا ملے گا اور وہ معصوم مجھے...... نفرت ہے دولت کی اس تقسیم سے۔''

وہ بدمزہ ہو گئی تھی اور وہ قریب چلا آیا تھا۔ ''کیا آپ کامریڈ ہیں......؟'' سوال اتنا اچانک تھا کہ وہ حیران رہ گئی۔

''آپ کو معلوم ہے روس ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور مزدور کا بیٹا کب خاک بسر ہوا۔ آہم ویسے آپ مجھے کسی تھنک ٹینک کی تو نہیں لگتیں؟''

اس نے سوچا، واقعی جبران ٹھیک کہتا ہے۔ باتونیوں پر صرف گونگے ہی رشک کر سکتے ہیں اور خوش قسمتی سے وہ بولنا جانتی تھی، اس لیے کیل کانٹے سے لیس اس کے سامنے آ گئی۔

''آپ کا خیال بالکل درست ہے۔ میں قطعی مذکورہ اسکول آف تھاٹ سے تعلق نہیں رکھتی، میرا نظریہ صرف وہی ہے جو میرے مذہب اسلام نے دیا ہے۔''

''یعنی آپ مذہبی ہیں، ویسے ابن صفی نے کہا تھا مشرق کی عورتیں مذہب پر عمل نہ کریں تب بھی پکی مذہبی ہوتی ہیں۔'' بات ایسی تھی کہ اسے پتنگے لگا گئی، اس نے گھور کر دیکھا۔

''مشرق کے مرد کون سا عورتوں سے پیچھے ہیں مسٹر......''

''میرا نام سعد سالک ہے۔'' تیزی سے رسم نبھائی اور اس نے بات دوبارہ جوڑی۔

''مسٹر سعد! مشرق کے مرد بھی اسلام پر کٹ مرنے والے ضرور ہوتے ہیں، مگر اسلام پر عمل نہیں کرتے اور جہاں مشرق کی بیٹی کو زیر کرنا ہو وہاں مذہب کی اپنی ضرورت کے مطابق تشریح کراتے ہیں۔''

''آپ کا خیال ہے آپ کو اس مذہب نے دق کیا ہے......؟'' وہ جانے کیوں اسے چھیڑ رہا تھا اور وہ دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتا پا کر بحث میں لگ گئی تھی۔

''قطعی نہیں۔ مجھے مذہب سے کوئی شکوہ نہیں، ہمیں جو آزادی، تحفظ، تقدس اس مذہب نے دیا۔ کہیں اور اس کی مثال نہیں ملتی۔ میں تو بس بعض معاملات میں مردوں کی انانیت کی طرف نشاندہی کرتی ہوں جہاں صرف اللہ کے احکام کو اپنی سہولت اور حکمرانی کے لیے تشریح کیا جاتا ہے۔ ہمارے اسلام میں کسی معاملے میں سختی نہیں ہے۔ اس سے آپ کو انکار ہے۔''

''رواداری اور محبت شفقت میرے خیال میں اس بحث کی پنچ لائن بن سکتے ہیں۔ اگر دونوں اصناف اس پر عمل کریں تو بہتیرے معاملات سدھارے جا سکتے ہیں۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ اقبال بھی تو مذہب کی تشریح اپنی عینک سے کرنے والے ملاؤں سے چڑتے تھے ورنہ کون نہیں جانتا۔ مذہب پر وہ کس قدر ہارڈ اسپوکن تھے۔''

اس نے سر ہلایا اور مسکرا کر آرٹ گیلری میں بنے چیمبر میں آ گئی۔ اس کی کافی تصویریں بن چکی تھیں۔ سعد سالک اس کے ٹیلنٹ کو سراہ رہا تھا اور وہ اس نمائش کے کرتا دھرتا مجید امجد کو دیکھ رہی تھی جو

سعد سالک پر بہت ریشہ خطمی ہو رہے تھے۔

''مس حسان! ان سے ملیے یہ پاکستان میں کمپیوٹر کے ہارڈ ویئر امپورٹ کرنے کے بعد بڑے تاجر سعد سالک۔''

اس نے سرسری سا دیکھا۔ یہ اس کی شروع کی عادت تھی وہ کبھی شخصیت کو بینک بیلنس کے حساب کتاب سے نہیں دیکھا کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا، انسان کی شخصیت اعمال و افعال ہیں، اگر کوئی شخص دولت کو چھوڑ دے اور اس کی شخصیت ایک مسخ اور بیمار ذہنیت کی عکاس ہے تو پھر وہ کچھ نہیں ہے اور اگر انسان کا کردار عمل اچھے ہیں تو دولت ایسے افراد کی خوبصورت میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ دولت سے انسان خریدے جاسکتے ہیں۔ زمین اور شاید آسائشات بھی، مگر دولتِ دل نہیں خریدی جاسکتی۔ محبت نہیں خرید سکتی اور وہ محبت کے قبیلے کی فرد تھی پھر کیونکر دولت سے متاثر ہوتی۔

''شاید تمہیں میرا تعارف پسند نہیں آیا......'' سعد سالک نے چائے کا سپ لیتے ہوئے اس کی توجہ کو اپنی طرف موڑا اور وہ دھیمے دھیمے مسکرائے گئی۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی مسٹر سعد! بات یہ نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے مجھے شخصیت میں عمل اور کردار بہت اپیل کرتا ہے۔ دولت یہ، تو آنی جانی چیز ہے۔ آپ ایک منٹ آنکھیں بند کریں اور بتائیں۔ اگر یہ دولت آپ سے چھین لی جائے تو آپ کے پاس کیا ہوگا، جو آپ کی شخصیت کا مضبوط حوالہ بن سکے......؟''

اس نے آنکھیں اس کے چہرے پر بند کیں اور غیر اختیاری طور پر اس کے ذہن میں دولت کے تصور میں اپنا بینک بیلنس کہیں نہیں آیا تھا۔

''اگر آپ سے یہ دولت چھین لی جائے تو آپ کی شخصیت کا مضبوط حوالہ......'' اس سے آنکھیں کھولی نہیں گئیں، وہ تو کنگال ہو گیا تھا، اس ایک لمحے میں...... ہمیشہ دولت انسان کو خوشی نہیں دیتی۔ خوشی تو اندر کی چیز ہے کچھ بہت گہرا احساس۔ یہ لڑکی! کون ہے یہ لڑکی......؟ اسے پوری چھتیس سالہ زندگی میں، میں نے نام کی حد تک نہیں جانا مگر آج ملا ہوں تو دل کرتا ہے یہ کہے جائے اور میرے اندر اس کے لفظ خوشبو بن کر کھلتے چلے جائیں، میرا نخل جاں بہار ہو جائے اور اس کے دل میں اگر محبت کا کچھ حصہ بچا ہو تو وہ مجھے مل جائے پتا نہیں سائل بن کر سوال کرنے کو دل کیوں...... ہو کنے لگا ہے۔ اس نے بہ دقت آنکھیں کھولی تھیں، وہ ابھی تک سوال اوڑھے کھڑی تھی، مگر کوئی لفظ، جواب نہیں تھا۔

وہ خاموش تھا اور یہ خاموشی اس کی جیت تھی اور آج پہلی بار دل چاہا تھا اس کا۔ ہاں اس کا جس نے ہمیشہ جیتنے کی خو رکھی تھی، اس کا دل چاہا تھا کہ اگر جیت لینے والی آنکھیں اتنی ہی چمکیلی ہوتی ہیں ان کے چہرے اتنے ہی صبیح ہوتے ہیں تو ہار جانا کس قدر دلکش ہنر ہے۔ اپنی کیفیات اسے چھپانا دشوار لگنے لگا تھا، سو وہ خاموشی سے اٹھ گیا تھا، پھر رفتہ رفتہ وہ جان کر، اس کے شام و سحر کا حساب رکھنے لگا تھا، پتا نہیں کیوں لیکن اب اسے سننا اسے تسکین دیتا تھا۔

''تم میری زندگی کی پہلی لڑکی نہیں ہو۔'' آج اس نے سچ کہنے کی ٹھان لی تھی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ''تم نے سنا ہے میں نے تم سے کچھ کہا......''

''شاید وہ بات ہے، جو میں بہت عرصے سے جانتی ہوں...... تمہاری آنکھیں بتاتی ہیں۔ انہوں نے بہت سے رنگ پے ہیں، یہ شفاف آئینے نہیں، ان میں ہر عکس آپس میں گڈمڈ ہے۔ سعد! جب تم میرا ہاتھ تھامتے ہو تو مجھے علم ہو جاتا ہے تم پہلی مرتبہ میرا ہاتھ نہیں تھام رہے۔ مجھے...... ہر ایسے لمحے لگتا ہے تم بہت سے لمس جو پیچھے چھوڑ آئے ہو، ان سے مکر کر، اس تعلق کو بنانا چاہتے ہو اور ہمیشہ ہار جاتے ہو۔''

''شاید......'' وہ ہمیشہ اسے سو فیصد مارکس نہیں دیتا تھا، لیکن پھر بھی دل اس کے ہمراہ رہنے کو کرتا تھا، وہ دونوں اکثر جگہوں پر دیکھے جاتے تھے، ان کا ساتھ ڈیٹینگ کارنر کے سوا کچھ نہیں تھا، وہ شام دفتر آف کرتی تو وہ باہر اس کا انتظار کر رہا ہوتا۔ وہ ہر روز سوچتی، وہ انکار کر دے گی، مگر جب وہ فرنٹ ڈور کھولتا تو اس کی کشش اسے انکار نہیں کرنے دیتی۔ کوئی زنجیر تھی جو اسے باندھ لیتی تھی۔ سعد سالک سے پہلے کبھی اس نے خود کو ایسا مجبور نہیں پایا تھا۔ وہ کچھ نہیں سوچتی تب بھی لگتا، سعد سالک کو سوچے جا رہی ہے، اس کا عکس اس کے عکس میں اولین نقش کی طرح تھا۔

''جبران بہت پیارا انسان تھا۔'' ایک روز اس نے کہا اور سعد سالک اسے گھورنے لگا۔

''کیا ہوا؟ میں نے کچھ برا کہہ دیا......؟'' وہ اٹھ کر قریب آ گیا پھر منمنایا۔

''تمہارے منہ سے صرف پیارا میرے لیے ہونا چاہئے، یہ جبران کون ہوتا ہے......'' وہ ہنسنے لگے بے تحاشا آنکھوں سے آنسو نکل آئے مگر وہ ہنستی رہی، دل جینے کی امنگ میں ہمکنے لگا تھا۔

''تم! کیا تم مجھ پر بہت اختیار رکھتے ہو۔'' اس نے پوچھا اور وہ چڑ گیا۔ ''کیا تم سے کبھی دشمنی اختیار کی جو تمہیں شک ہوا......''

''لیکن تم نے یہ بات کتنی سنجیدگی سے کہی ہے۔ میں کیا جانوں سچ کہو۔ کس کیٹگری میں رکھتے ہو مجھے۔'' اس نے اسے نظر بھر کر دیکھا پھر جذب سے پکارا۔

جب آدمی کی ذات سے اٹھنے لگے یقین
میں دیکھتا ہوں اس کی طرف ایک بار پھر

''مگر میں تو آدمی نہیں لڑکی ہوں سعد کے بچے مجھ پر کوئی شعر کہو۔'' وہ حظ لینے لگی اور اس نے اسے کاندھوں سے تھوم لیا۔

''مجھے تم سے محبت ہے، میرے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بس یہ دل تمہارے لیے مچلا ہے، تم ہی ہو اس کا مرکز محور۔''

''مگر محور کی گردش رک بھی سکتی ہے۔'' اس نے اسے ڈرایا اور وہ بنا اثر لیے بولا۔

اسے وہ ہاتھ بڑھا کر، جب چاہتی چھو سکتی تھی، دیکھ سکتی تھی اور بس اس کی محبت کے دامن میں یہی خوشی بے بہا تھی۔ وہ دونوں اب گارڈن میں ایک بینچ پر بیٹھ چکے تھے اور سوال دوسری بار کیا گیا تھا۔ سعد سالک نے اسے گمبھیرتا سے دیکھا تھا اور ہنس پڑا تھا۔

''ابھی کہہ رہی تھیں تمہیں ماضی سے کیا لینا،
لیکن تم لڑکیوں کے اندر کا تجسس، یہ کبھی نہیں مرتا، تمہیں ہمیشہ یہ سوال کھائے جاتا ہے کہ تم جن آنکھوں میں صبح و شام کرتی ہو ان آنکھوں ان دلوں میں واقعی میں تم ہو بھی یا نہیں۔''

اس نے سنجیدگی سے اس کا تبصرہ سنا پھر گلا کھنکھار کے بولی۔ ''محبت شک اور امید وبیم کا نام ہی تو ہے سعد! کیونکہ یہ صرف ہم جانتے ہیں ہم اس کے سامنے کھڑے شخص کو چاہتے ہیں، مگر وہ ہمیں چاہتا ہے یانہیں یہ سوال تو سدا ہر انسان۔ محبت کرنے والے ہر انسان کے سانس میں پل پل سانس لیتا، قد بڑھاتا رہتا ہے، تمہیں امجد کی ایک نظم کا کچھ حصہ سناؤں......'' وہ ہمیشہ اس سے صرف یہ کہتی تھی اور اس کی ہاں ناں سے پہلے شروع ہو جاتی سو اس وقت بھی وہ مگن تھی۔

''کچھ ایسی بے سکونی ہے وفا کی سرزمینوں میں
کہ جو اہل محبت کو سدا بے چین رکھتی ہے
کہ جیسے پھول میں خوشبو کہ جیسے ہاتھ میں پارا
کہ جیسے شام کا تارا
محبت کرنے والوں کی سحر راتوں میں رہتی ہے
گماں کے شاخچوں میں آشیاں بنتا ہے الفت کا
یہ عین وصل میں بھی ہجر کے خدشوں میں رہتی ہے
محبت کے مسافر زندگی جب کاٹ چکتے ہیں
تھکن کی کرچیاں چنتے، وفا کی اجرکیں پہنے
سمے کی راہگزر کی آخرسرحد پہ رکتے ہیں
تو کوئی ڈوبتی سانسوں کی ڈوری تھام کر
دھیرے سے کہتا ہے
یہ سچ ہے نا......!
ہماری زندگی ایک دوسرے کے نام لکھی تھی

''سب منظور ہے ماردو، تباہ کردو، مگر جو کرو، صرف تم کرو۔ تم......'' وہ اس کی ہتھیلیوں پر چہرہ جھکا کر دوزانو بیٹھا تھا، تب دل نے اچانک ہی اسے سنوارنے کی قسم کھائی تھی۔ کچھ چہرے ہوتے ہیں نا جنہیں صرف سنوارنے سجانے کو دل کرتا ہے اور سعد سالک کا چہرہ ایسا ہی روپ تھا۔ وہ اس کے ساتھ اپنی زندگی جینا بھول گئی تھی۔ وہ اس کی زندگی جی رہی تھی اور اسے ایسا کرنا اچھا لگتا تھا وقت بہت خوبصورت ہو گیا تھا۔

تب اس نے چلتے چلتے مڑ کر اس سے پوچھا تھا۔

''تمہارے اندر محبت کب سانس لے کر جاگی تھی۔'' سعد سالک کی آنکھوں میں روح کھنچ آئی تھی، جیسے جیتے جیتے اسے کسی نے بلیک وارنٹ جاری کر دیا ہو۔

''اگر تمہارے لیے یہ سوال اذیت انگیز ہے تو تم مت بتاؤ۔ میں تمہارے ہر ماضی کی سچائی جان کر بھی اولین بہار کی صبح جیسا تمہیں چاہوں گی۔ میں یہ کبھی نہیں پوچھوں گی تم کب کب، کس کو کہاں اور کیسے ہو کر ملے، میں صرف یہ جانتی ہوں سعد! کہ تم مجھے ملے ہو میرے ہو کر، اور میرے لیے بس یہ لمحہ خوش کن ہے۔ مجھے تمہاری آنکھوں میں خواب اور تمہارے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی اتنی تمنا ہے کہ اس کے لیے اپنا جیون تک وار سکتی ہوں......'' اس نے [illegible] کر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''تم مجھے اتنا چاہنے لگی ہو...... تم مجھے اتنا مت چاہو عبیر! میں نہیں چاہتا کوئی دکھ تمہارا نصیب بنے......''

''تم سے مجھے کبھی کوئی دکھ نہیں مل سکتا۔ مجھے یقین ہے۔ تم میری زندگی کا سب سے دلنشین لہجہ اور سب سے اچھا وقت ہو۔''

وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا، پھر گھبرا کر بولا ''تمہیں پتا ہے میں کسی کی زندگی کا انتظار ہوں۔''

''میں جانتی ہوں مگر پھر بھی مجھے صرف تمہارا انتظار کرنا اچھا لگتا ہے۔''

''دائمہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ شی از مائی فرسٹ کزن لیکن مجھے اس سے محبت نہیں ہو سکی۔''

''تم کیا ہمیشہ سے محبت میں اتنے خالی تھے سعد......؟'' اس نے دائمہ پر ایک لفظ نہیں کہا، اس لمحے سعد سالک اس کے قریب تھا اور بس یہی احساس جاگتا تھا پھر کوئی ہجر کیسے ڈراوے دیتا، بچھڑ جانے یا کسی کے اپنے نہ ہونے کا گمان دل بدگمان کیوں۔

دھندلکا سا جو آنکھوں کے قریب و دور پھیلا ہے۔

اسی کا نام چاہت ہے
تمہیں مجھ سے محبت تھی
تمہیں مجھ سے محبت ہے
محبت کی طبیعت میں
یہ کیسا بچپنا قدرت نے رکھا ہے

سو سعد سالک! یہ طبیعت کا بچپنا قدرت نے رکھا ہے اس لیے ہر خاکی وجود اسی تانے بانے میں الجھا ہوا پیہم یہی کہتا ہے کیا واقعی تمہیں مجھ سے محبت ہے؟''

سعد سالک نے مسکرا کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

''مجھے تم سے محبت ہے بالکل ایسے ہی، جیسے اپنے آپ سے، مگر عبیر ہماری محبت اچھے دوستوں والی محبت ہونی چاہئے۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر، باتیں کر کے بڑا اچھا لگتا ہے، میں چاہتا ہوں ہم ساری زندگی ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسے ہی مسرت سے مسکرائیں اور محبت سے دیکھیں۔''

عبیر حسان کے دل میں اندر کچھ گرا تھا...... شاید کوئی خاموش بہت خاموش خواب، مگر اس شخص کے ساتھ رہنے کی تمنا اتنی طاقتور تھی کہ وہ اس خواب کی ٹوٹی کرچیوں پر پیر رکھتی چلتی سنالڑکھڑاتے اس کے قریب پھر سے چلی آئی تھی۔

''دوستی، ہاں محبت میں اس کا بھی ایک مقام ہے۔'' اس نے بہت سوچ کر جملہ ادا کیا، ورنہ ممی کی سوچ تو اس میں کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔ مذہب اسلام میں نامحرم رشتوں کی کہیں کسی حوالے سے جگہ نہیں ہے۔

تب اس نے بہت بے بسی سے ممی سے پوچھا ''اگر ہم تعلیم، کو ایجوکیشن میں حاصل کریں ممی تو پھر۔ آپ تو جانتی ہیں زندگی اور اس معاشرے میں ہمیں قدم قدم پر مردوں کے ساتھ چلنا پڑتا ہے، چلنا پڑے گا پھر بھی کیا کوئی تعلق کی صورت نہیں؟''

ممی نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا اس کے بالوں کی چٹیا بناتے ہوئے کبھی ماضی میں کہا تھا۔
''اسلام اگر عورت کو نامحرم رشتوں سے دور رکھتا ہے تو یہ اس کی بھلائی ہے۔ عورت کو قرآن میں چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور قرار دیا گیا ہے۔ اللہ نے محرم رشتوں کو حکم کیا ہے۔ یہ تمہارے پاس امانت ہیں۔ ان کی حفاظت کرو، ان سے دلنشین لہجے میں گفتگو مت کرو ان سے......''
ممی نے کہا تھا اور آج اس مرحلے پر کھڑی تھی تو اسے ممی کتنا درست لگ رہی تھیں۔
اگر وہ ان کی باتوں کو اپنے لیے لازم کرلیتی تو شاید یہ شخص اس کے دل میں سیندھ نہیں لگا سکتا۔ وہ اتنی مجبور نہ ہوتی کہ ایک نظر اس کی ایک نظر میں رہنے کے لیے اپنا دل ہار جاتی۔
''ہماری صنف واقعی کمزور ہے۔ چیونٹی جیسی کمزور اور محبت اس اسپائڈر ہوم کی طرح۔ اللہ نے قرآن میں کہا بیت عنکبوت دلکش اور خوبصورت ہے۔ مگر سب سے کمزور گھر ہے اور یہی محبت تھی، بہت خوبصورت سب سے کمزور گھر، ملبے میں انسان تک دب جاتا ہے اور سانس تک نہیں لے پاتا۔ آنکھیں دیکھنے کی ہوک میں سراب کی طرف دوڑتی ہیں۔ جانتی ہیں کہ سراب ہے مگر اندر کی پیاس چناب چناب پکار کر، دل کو دھوکے دیے چلی جاتی ہے۔ اتنا باندھ لیتی ہے کہ پھر سچائی دل کو راس ہوتی ہے نہ پسند آتی ہے۔
''تمہاری آنکھوں میں اس قدر نم۔'' وہ اس کی سوچوں کے فاصلے سے اس سے نزدیک آ گیا۔
''میری آنکھوں میں نہیں، بس ہوا میں کچھ نمی ہے، تمہیں ایسے ہی دھوکا ہوا ہے۔ چلو، کہیں آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔''
دل کی کہنی، روح کے دکھ چھپا کر، آفر کی اور زندگی پھر سے رواں دواں ہوگئی۔
''ہر دکھ کی پہلی کسک۔ تکلیف دیتی ہے تڑپاتی ہے، وقت گزرتا ہے تو دھیرے دھیرے اس دکھ پر وقت کی گرد جمتی چلی جاتی ہے۔ ایسی کہ پھر ہمیں وہ دکھ پرانے دکھ کی طرح بھی یاد نہیں آتا اور ہم ہنستے ہیں کہ ہم اس دکھ پر زندگی حرام کرنے بیٹھ گئے تھے۔''
اس نے شاید خود کو تسلی دی، مگر شام گئے اپنے کمرے میں آئی تو ساحلوں کی ہوا کہیں دل کے اندر شور مچانے لگی۔ اس نے صفحے الٹے بے تحاشا، پھر ایک جگہ دم سادھے رک گئی۔ امجد کی شاعری اس کا حال دل تھی۔

نہ وعدہ ہے کوئی تم سے، کوئی رشتہ نبھانے کا
نہ کوئی اور سچا دل میں تہیہ یا ارادہ ہے
کئی دن سے مگر دل میں
عجیب الجھن سی رہتی ہے
نہ تم اس داستاں کے سرسری کردار ہو کوئی
نہ قصہ اتنا سادہ ہے
تعلق جو میں سمجھا تھا کہیں اس سے زیادہ ہے

''تعلق جو میں سمجھا تھا۔'' اس نے دل ٹٹولا مگر جہاں دل تھا وہاں درد ہی درد تھا۔ یہ پہلی شب تھی، جب دل نے پیہم اس سے بغاوت کی تھی، وہ سب جانتی تھی۔ وہ کسی کی زندگی کا انتظار ہے، وہ سمجھتی تھی وہ

اس کا نہیں ہو سکتا لیکن پھر بھی اس سے بات کرنے اس سے ملنے سے خود کو روک نہیں پائی۔ اس کا خیال تھا یہ سب کچھ دنوں کے کچھ عرصے کے ساتھ کے سوا کچھ نہیں، مگر بات یوں نہ تھی، یہ ساتھ تو قرنوں پر انا تھا۔ صدیوں پر پھیلا تھا۔
کبھی کا پڑھا کسی کا دکھ دل میں سرسرایا تھا

یہ عجیب میری محبتیں
یہ عجیب میرے غم والم
یہ نصیب سنگ سیاہ پر
یہ ورق ورق پہ گڑے قلم
یہ کڑا احصار نیا نہیں
میرا انتظار قدیم ہے
میرا اس سے پیار قدیم ہے
یہ عجیب میری محبتیں

مگر اسے اس سچ سے ہی مکر جانا تھا، کیونکہ سامنے والے کے لیے اس سچ کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ گر اہمیت تھی بھی تو اسے یہ سچ کوئی خوشی نہیں دے سکتا تھا۔ کیونکہ وہ کسی اور کی زندگی کا انتظار تھا۔
آج پہلی بار اسے اپنے ہاتھوں میں پھیلی لکیروں سے پرخاش ہوئی تھی، جو دل میں ہوں وہ ہاتھ کی لکیروں میں کہیں کیوں نہیں ہوتا۔ بے سبب وہ ٹیرس پر آ گئی۔ نظر آسمان پر ٹک گئی تھی۔ شکوہ نہیں تھا۔ آنکھ میں بس دعا تھی کاش......اور اس کاش کے بعد ورق بالکل سادہ تھے۔
ٹرن ٹرن......فون بیل سن کر وہ اندر آئی تھی دوسری طرف کوئی لڑکی تھی۔
''آپ کون ہیں محترمہ......؟''
''میں دائمہ ہوں سعد کی فیانسی......''
اندر دل کے کہیں عمیق حصے میں تیز ہوا نے پٹ زور سے بجائے تھے، پتا نہیں کوئی آیا تھا یا بچ جانے والا یقین بھی چرا لے گیا تھا۔
''خیریت۔ مجھے تم نے کیسے یاد کرلیا......؟'' اپنے دل کے جذبات چھپا کر شگفتگی سے بولی اور اپنے غم اپنے اندر چھپا لینے کی اس کی یہ بہت پرانی عادت تھی۔
''میں نے سعد سے تمہارا نمبر لیا تھا۔ عبیر! میں آپ کو تم کہہ سکتی ہوں نا؟'' اس نے اجازت چاہی۔
وہ ہنسنے لگی۔ ''سعد سالک کی اتنی خاص ہو تم۔ تمہیں ہر حق ہے دائمہ......''
اور وہ اسے ضروری غیر ضروری باتوں میں الجھاتی چلی گئی تھی تو ملاقات کا وقت طے کرنے لگی۔ اس نے بنا کسی تردد کے دفتر سے پک کر لینے کا پروگرام بنالیا، پھر ایک شام تھی، جب وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی، اور کافی کے مگ بھاپ اڑا رہے تھے، گلاس وال سے باہر کا منظر بے حد صاف اور اچھا تھا اور وہ کہہ رہی تھی۔
''تم میری زندگی کو خوشی دینے والی ہستی ہو عبیر! ورنہ مجھے لگتا تھا۔ میں کسی بت سے بیاہی جاؤں

گی۔ اسے سب کچھ متوجہ کرتا تھا سوائے محبت کے۔ ایلیا اس کی زندگی کی وہ لڑکی تھی جس نے اس سے محبت چرائی اور تم وہ لڑکی ہو، جس نے اسے محبت کرنا سکھایا۔ وہ بہت روڈ ہو گیا تھا۔ اندر کا احساس شکست، مسترد کر دیے جانے نے اس سے نرمی، حلاوت سب چھین لی تھی وگرنہ پہلے یہی انسان تھا۔ جو گھنٹوں شاعری پر بحث کرتا، مجھ سے جمالیات پر بات کرتا۔ میں ہمیشہ سنجیدہ رہتی تھی اور وہ مجھے طرح دینے کے لیے بحث کو سرسری لیتا اسے ہزاروں شعر زبانی یاد تھے۔ اسے بارشوں میں بھیگنا اچھا لگتا تھا۔ وہ لمبی ڈرائیو پر نکلتا تو موسم کو محسوس کرنے کے لیے میرے ہمراہ ہونے کو موسم کی خوبصورتی سے مشروط کر دیتا۔ وہ ہوتا۔ ڈھیر ساری باتیں ہوتیں اور میری ذات کا محور، وہ کہیں ہوتا کہیں رہتا۔ مجھے ہمیشہ یاد رکھتا پھر دھیرے دھیرے مجھے لگا۔ میرے اور اس کے بیچ کوئی تیسرا فرد آ گیا ہے۔ اس وقت ہم صرف اچھے کزن اور بچپن کے بہت اچھے دوست تھے مگر جب مجھے یہ احساس ہوا، تب اچانک اس نے منگنی پر زور ڈالنا شروع کر دیا، میں نے پوچھا۔ ہمارا ایسا ارادہ تو تعلیم کے مکمل ہونے پر طے تھا۔ تو وہ بالکل سہمے ہوئے بچے کی طرح میرے قریب آ گیا۔

''مجھے تم سے کوئی چرا لے جائے گا دائمہ! مجھے صرف تمہارا رہنا اچھا لگتا ہے مگر یہ اندر کا دل یہ مرد کا دل سورج مکھی ہے۔ ہر سورج کو دیکھ کر پلٹنے لگتا ہے۔ میں عام مرد کی طرح نہیں لیکن پھر بھی ایک مکھ ہے جو مجھے بھی اس قطار میں لا کھڑا کرنے کے لیے کھینچ رہا ہے۔ بس میں اسی لیے چاہتا ہوں تم مجھے باندھ لو۔ اپنی محبتوں اپنے نام سے۔ تا کہ مجھے ہمیشہ یاد رہے کہ مجھے تمہارے پاس لوٹ کر آنا ہے، میں تمہاری زندگی کا انتظار ہوں۔''

''میں نے کہا بھی، محبت مجبوری تو نہیں ہوتی۔ یہ دل میں واقعی ہو تو کوئی چہرہ، کوئی لہجہ آپ کو روک نہیں سکتا۔ اپنا آپ چرانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ان کے قدم کبھی راستہ نہیں بھولتے، وہ کبھی مجبور نہیں ہوتے۔ محبت خود ان کے لیے کافی ہے۔ انہیں باندھ لینے کے لیے بہت ہے۔''

وہ بالکل ہراساں ہو گیا پھر پکارا۔

''دائمہ! میں نے کہا میں عام مرد نہ سہی، لیکن پھر بھی عام ہوں۔ کچھ سچ ہوتے ہیں، جنہیں ہم جان کر بھی رد کر دیتے ہیں، مکر جاتے ہیں خود سے۔ سو میں نہیں چاہتا، میں محبت میں الزام لینے والا بنوں۔ میں تمہیں چاہتا ہوں، لیکن میری محبت تمہارے جیسی نہیں۔ جو یقین تم میں ہے، جو شدت تم میں ہے۔ مجھ میں نہیں اور بس میں یہ تمنا کرتا ہوں کہ تمہارے دل کی حرارت اور تمہارے دل کا یقین مجھے بھی مکمل کر دے، مگر...... یہ سب خواب تھا۔ ہماری منگنی ہو گئی تھی، مگر اس کے قدم میری دہلیز بھول گئے تھے۔ وہ مجھ سے جھوٹ بولنے لگا تھا۔ بے ارادہ بلا ضرورت اور تب میں نے ایک دن اسے تھام لیا۔ اپنے آنچل کے کونے سے اس کے آنکھ کے تل میں ''سوتن گوری'' ڈھونڈ نکالی تھی۔ وہ خاموش رہ گیا تھا اور ہمیشہ چوری پکڑے جانے پر وہ ایسے ہی چپ رہ جاتا تھا پھر وہ دھیرے دھیرے مجھ سے کھوتا چلا گیا۔ وہ اور ایلیا اب اکثر ایک ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ میں نے اپنا مان کھو دیا تھا کہ اچانک وہ چلا آیا۔ بت کی طرح ساکت۔ برف کی طرح یخ۔ اس کی آنکھوں میں سکوت جیسے جم گیا تھا۔ وہ چیخ اس کے وجود پر آنسو کا نم بن گئی تھی۔ آنکھوں کے تل کا غم بن گئی تھی۔

''ایلیا نے مجھے چھوڑ دیا۔ پتا نہیں مجھے یہ دکھ تم سے کہنا چاہیے بھی یا نہیں، لیکن مجھے اس غم میں تمہارے کاندھے کے سوا کوئی یاد نہیں آیا۔ میری آنکھوں کے نم نے تمہارے آنچل کے آسرے کو بہت مس کیا، مرد کی انا میں نے بہت کچھ سنا اور محسوس کیا ہے۔ لیکن دائمہ! مجھے لگتا ہے محبت کے سامنے کوئی انا، کوئی بھید بھاؤ نہیں ہوتا۔ میں چلا آیا ہوں تمہارے پاس گو ویسا نہیں جیسا تمہاری دہلیز دل پار کرنے سے پہلے تھا مگر ٹوٹے بکھرے میرے وجود کو تم نے بھی ٹھکرا دیا تو تم میں اور دنیا میں کیا فرق ہوگا۔'' وہ کتنی ساعتوں بعد روانی سے بولا تھا، مگر اس کا دکھ سے وجود بکھر گیا تھا جیسے کوئی خالی کاسہ تھا، اس کا وجود، اس میں صرف خاموشی کی کھنک تھی۔ میں نے اس کا دامن پھر سے اعتماد، محبت سے بھرنا چاہا مگر اس کا دل جو ایک چیخ کے بعد مر گیا تھا۔ منجمد ہو کر برف ہو گیا تھا اس میں۔ میں زندگی کی حرارت نہیں دوڑا سکی تھی۔ شاید اس لیے کہ مجھ میں اس کو پانے کی ہوس تھی اور اسے کوئی بے ریا محبت، ہر طلب سے پاک محبت ہی زندگی کا اسم پڑھ کر زندہ کر سکتی تھی اور مجھے کہنے دو۔ تم ہی ہو وہ محبت، سعد کہتا ہے عبیر وہ لڑکی ہے جس نے محبت پر مجھ سے شرطیں نہیں رکھیں۔ وہ اچھی دوست کی طرح میرے ہر خواب ہر خیال میں ساتھ رہتی ہے، مگر کبھی یہ نہیں کہتی۔ اس منظر میں مجھے بھی رکھو۔ مجھے بھی رنگ دو۔ وہ بس محبت کرتی ہے۔ اسے تو محبت کے بدلے محبت کی ہوس بھی نہیں۔ وہ کہتا ہے تم بس محبت کے نام پر محبت کرتی ہو اور یہی رویہ، یہی دے دینے کی عادت نے محبت پر اس کا ٹوٹا ہوا اعتماد بحال کیا ہے۔ عبیر! وہ بالکل ویسا ہو کر اب مجھے ملا ہے۔ جیسا میں نے اسے بہت سال پہلے کھویا تھا۔ بہت پہلے جب ایلیا کے بعد، ایک کے بعد ایک لڑکی کو فریب دیتے ہوئے اس نے اپنے دکھ کا پورا پورا بدلہ لیا تھا، مگر اب! اب وہ کہتا ہے۔ معاف کر دینا زندگی اور محبت کی پہلی سیڑھی ہے۔ مجھے تمہارے ہونے پر فخر ہے، تم ہو تو محبت نے میرے در پر دستک دی عبیر! تم سعد کی طرح مجھے بھی عزیز تر ہو۔''

وہ اسے دیکھے گئی۔ وہ خالی دامن کب تھی۔ وہ آنکھ بھی تھی مگر اس کی آنکھ کا نم شام کے رنگ میں ایسے ملتا کہ نکھر جاتا اور لوگ اپنے اپنے دکھ، آنسو اس کے دامن میں سمیٹ ڈالتے یوں جیسے کوئی کاسہ بدست فقیر جو دنیا کی ہوک بھر کے نکلے مانگ نہ سکے تو لوگ خالی کاسے میں خالی خولی شگن تسلی حوصلے کے سکے اچھالیں اور خالی دامن سے مکر جائیں، کچھ لوگ صرف خالی دامن کیوں ہوتے ہیں؟

رات گئے وہ دائمہ کو بہت گرمجوشی سے رخصت کر کے لوٹی۔ نریمان سے اپنا غم چھپاتی کمرے میں آئی تو در و دیوار نے ایک ہی سوال کیا، تب بہت پہلے کی ڈائری میں ایک نظم جو کسی ضدی اور شکوے بھرے بچے کی طرح ثبت ہو گئی تھی۔ اطراف میں پھیرے لینے لگی۔

ایک ہجوم کا شور تھا اور وہ مرکز نگاہ بنی اپنی ذاتی کاوش سنا رہی تھی۔ آج ایک شور پھر سے تھا۔ شاید ماضی کے اس شور سے زیادہ بلند آہنگ اور شوریدہ مگر اس میں دل کی چیخیں زیادہ شمار و قطار میں تھیں اور عبیر حسان مدھر آواز میں سنا رہی تھی۔

ہم تو وہ لوگ ہیں
جو نہ کسی کے دست شمار میں ہیں
نہ کسی کی نگاہ کے حصار میں ہیں

یوں جیسے کوئی ہو صدیوں کا بے انت سفر
صحرا صحرا پھرتا کوئی خاک بسر
کیا پوچھتے ہو کون ہیں ہم
جان لو ہمیں تو تمہیں معلوم ہو
ہم تو وہ لوگ ہیں جیون دے کر بھی
کسی کے دل میں مسکن نہ بنا پائے
ایسے جیسے کوئی ایک مدھم سی کرن کسی روزن سے ابھرے
اندھیرے کی فصیلوں پر چڑھے
اور ڈوب جائے
جیسے ایک نامحسوس چبھن جو زندگی
کے سینے میں سدا دیر تک چبھتی ہی رہے
دل کی دھڑکن سے بغاوت کرے
اور دار چڑھے
کیا بتائیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہیں اب
کہ ہم تو کسی یاد میں نہیں ہیں یار سے
کسی کی روح میں دھڑکتے ہوئے دلدار سے
ہم تو جگنو بھی نہیں کہ کسی کی آنکھوں میں چمکتے
کسی کو سنوارتے
ہم تو آنسو کی طرح ہیں
آنکھ سے ٹپکے اور ڈوب گئے
گھر سے نکلے اور بے سمت مسافت میں
محبت کی آس میں دربدر پھرتے ہوئے
کسی بے نام شام کی نذر ہوئے
ایک مسلسل اور دکھ راہ کا سفر ہوئے
اک مسلسل اور دکھ راہ کا......

☆......☆......☆

دل کے درد سے روح شل ہو رہی تھی، وہ چیخنا چاہتی تھی۔ مگر اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی تھی۔

دل کو سنبھالنے کی کوشش میں تھی کہ عدیل حسان نے اس کا دروازہ دستک کے بعد کھولا۔

اتنے دنوں بعد بلکہ بہت سارے موسموں کے بعد یہ اچانک پھر سے عدیل حسان کو میں کیسے یاد آ گئی بہت پہلے وہ جو عدیل حسان اسے ایک شب ملا تھا۔ پہلے روز کی طرح حق جتاتا محبت کا مان رکھتا۔ وہ تو کسی صبح کی سپیدی میں ہی کھو گیا تھا، پھر جب پاپا مفلوج ہوئے، بزنس عدیل حسان کے ہاتھ آیا تو اس

نے پاپا کا انلارجمنٹ ہونے میں زندگی محسوس کی۔ ثمینہ آنٹی کسی طوفان کی طرح پاپا کی بیماری کے بعد بہت کچھ بہا کر سمیٹ کر لے جا چکی تھیں، مگر ان کے جانے کے بعد بھی گھر پہلی ڈگر پر نہیں آ سکا تھا۔ نریمان عدیل کی ''تنظیم'' نامی تنظیم اب صرف کہانی کی بات تھی یا شاید وہ اب بھی زندہ تھی۔ مگر نریمان کا کردار اس میں کہانی کی بات لگنے لگا تھا۔ شروع شروع میں عدیل حسان نے اچھے دنوں کی طرح خود نریمان کو اس سلسلے میں سپورٹ کیا تھا، مگر پھر دھیرے دھیرے وہ متکبر حاکم مرد بن گیا تھا۔ اسے اپنی بیوی صرف گھر میں اس کا انتظار بھوگتی بھلی لگتی تھی۔ اس کا خیال تھا۔ حقوق نسواں کی ہر تنظیم ہر آواز جھوٹ کا پلندہ ہے۔ نریمان گھر بچانے کی خواہش بلکہ محبت بچانے کی خواہش میں اس کا یہ حکم مان گئی تھی۔ عدیل حسان نے اس کے لیے بھی ٹائم ٹیبل سیٹ کرنا چاہا تھا، مگر وہ اپنے اصول اپنے کسی حق سے دستبردار ہونے کے موڈ میں نہیں تھی۔ عدیل حسان نے موڈ دیکھ کر اس کی طرف سے خاموشی اوڑھ لی تھی، بلکہ نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ ناشتے کی ٹیبل پر اگر اس سے کسی بات کسی کام سے مخاطب بھی ہوتی تو وہ غیر ضروری باتوں کو ضروری باتوں میں ملا کر اس کا لہجہ اس کی آواز گڈمڈ کر دیتا۔ وہ اس کی اس بچکانہ حرکت پر خوب ہنستی۔ نریمان اسے ہنستی تو گھور کے اسے دیکھتی پھر کہتی۔

''وہ دن بھر جو کچھ کرتا ہے۔ رات کو اپنے ہر عمل کی تلافی کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے اگر محبت کا دل بھی وسیع ہوا تو ہم محبت کے مارے کہاں جائیں......''

وہ ہنستی تو نریمان کو جھڑک دیتی، پھر کہتی ''وہ تمہیں صرف کنفیکس باکس سمجھتا ہے۔ دن بھر کی غلطیاں، خطائیں تمہارے سامنے کہہ کر ہلکا ہو جاتا ہے، لیکن اس نے کبھی سوچا، نت نئی محبت کی داستانوں غلطیوں سے تمہارے اندر کتنے غم پتھر باندھ کر اتر جاتے ہیں۔ تم کیوں نہیں کہتی ہو۔ تم کوئی کلیسا نہیں، تم ایک ذات ہو، انسان ہو تمہارا دل اور تنہائی کنفیکس باکس نہیں ہے، زندہ دھڑکتا جیون ہے، جسے ہر رات ہر روز وہ ایک ایک سانس کر کے مار رہا ہے۔ وہ کب تک تمہیں آدھی سانس جیون جینے پر قائل اور مائل کرے گا تم کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ یہ دھوکا یہ دکھ دان کرنے کی عادت ترک کر دے، آخر کب تک تم۔'' اور نریمان اس کے ہر لیکچر پر سر اٹھا کر اسے دکھ سے دیکھ کر چپ کی چپ رہ جاتی۔ کبھی دل کے ابال سے بے قرار ہو جاتی تو کہتی۔

''میں کیا کروں عبیر! ہر عورت مرد کا کنفیکس باکس ہے، ہر مرد عورت کے دل کو گہرا سمندر سمجھتا ہے، اپنا پرایا ہر دکھ اس میں انڈیلتا رہتا ہے اور ہم عورتیں اس کے اس حسن ظن پر مرمٹتی ہیں۔ مٹتی چلی جاتی ہیں، یہاں تک کہ باقی نہیں رہتیں، سوائے مرد کی قاتل محبت اور محبت کرنے کے جھوٹے زعم کے سوا کچھ نہیں ہوتا جو باقی رہ جائے مگر صدیوں سے چلنے والا یہ چکر آج بھی جاری ہے اور تا ابد جاری رہے گا۔''

''جاری رہے تو رہے مگر میں اس کا کوئی حصہ نہیں بنوں گی۔'' اس نے چڑ کر کہا تھا۔ لیکن آج وہ بھی کسی مرد کی جھوٹی محبت کے زعم اور مان پر ایک عام عورت کی طرح مرمٹی تھی، مٹتی چلی گئی تھی۔ آنسو آنکھوں میں جمنے سے لگے تھے کہ عدیل حسان چلا آیا تھا۔

''مجھے میرے آنسو تو بہا لینے دیتے۔ کچھ دکھ تنہائی میں ہی رونے کا حق رکھتے ہیں۔ ذات کا بھرم رکھنے کے لیے انہیں خاموش چپ رات کے دامن میں انڈیل دینے میں ہی عافیت ہے وگرنہ زندگی اور دکھ

سے زیادہ دنیا جینا دشوار کردیا کرتی ہے۔''

وہ اپنے آپ کو سنبھال کر بیٹھ گئی تھی۔ عدیل حسان کسی سخت پتھر کی طرح سپاٹ اور بے مہر چہرہ لیے اس کے سامنے کھڑا تھا پتا نہیں اسے بات کرنے کے لیے لفظ نہیں مل رہے تھے یا باتیں اور گلے اتنے تھے کہ پہلا گلہ اور جرم گنوانے میں دشواری ہو رہی تھی۔

''آج تم ابھی تک سوئے نہیں کوئی کام تھا مجھ سے۔'' اس نے اسے بولنے کے لیے پلیٹ فارم دیا اور وہ جیسے چونک کر جاگ گیا۔

''سعد سالک سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

دل کا دکھ اور اس کی زبان، پتھر کھائے پر دوست نے پھول مارا تو تکلیف سے جان نکل گئی تھی مگر یہ دوست نما بھائی آج قطعی اجنبی تھا۔ اسے دل کی حالت کی کیا خبر ہونی تھی۔ وہ سنبھلنے لگی تھی پھر سے۔

''ہم بہت اچھے دوست ہیں عدیل......!'' اس نے متوازن لہجہ اختیار کیا مگر عدیل حسان شعلہ جوالہ بن گیا۔

''تمہیں اپنی، میری یا پاپا کی کسی کی بھی پروا نہیں۔ تم جانتی ہو وہ کتنا بڑا فلرٹی ہے۔ اس کی شہرت اچھی نہیں۔''

''شاید ایسا ہو، مگر میں کلاس اور شہرت سے زیادہ یہ دیکھتی ہوں کہ سامنے والا مجھ سے کتنا مخلص ہے۔''

''مخلص اور تم سے عبیر! تم نے میرا سر شرم سے جھکا دیا ہے......'' وہ تن فن کرتا کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔ تب اس کو اپنے اندر سے آواز نکالنا دوبھر لگنے لگا تھا۔ اعتبار کھونے لگے تو دل یونہی تڑپتا ہے مگر وہ یہ وار سہہ گئی تھی۔ پھر سے پکاری تھی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے عدیل! جو تمہیں شرم سے سر جھکانے پر مجبور کرے۔ ہم اچھے دوست ہیں اور سعد سالک سے پہلے بھی میں اس طرح کی زندگی گزارتی رہی ہوں۔ ہم دونوں کے فرینڈز میں میل اور فی میل دونوں شامل ہیں۔ یہ کوئی نئی بات تو نہیں۔''

''نئی بات نہیں ہے مگر ان دوستوں پر مجھے اعتبار تھا، لیکن اب مجھے سوچنا پڑ رہا ہے کہ شاید تم اس بے مہا آزادی کے قابل ہی نہیں تھیں۔''

''عدیل! تم سوچ سکتے ہو۔ تم کیا کہہ رہے ہو......؟'' وہ یخ برف ہونے لگی تھی۔

اور وہ پھنکارا۔ ''جو کہہ رہا ہوں، اس عبارت کے ہر لفظ کی صحت پر یقین رکھتا ہوں۔ عبیر حسان! مجھے تمہاری دوستی اور تم پر اب اعتبار نہیں رہا۔ تم کسی عام لڑکی طرح میری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی ہو، اور میں تمہیں خاص سپر یئر گرل سمجھتا تھا۔ مجھے فخر تھا۔ تم میری بہن ہو، لیکن اب مجھے تم پر ایسا کوئی مان نہیں......''

اس کا لہجہ، انداز کسی کہانی کا ابتدائیہ تھے، ورنہ محض کسی میل پرسن کے ساتھ گھومنا، ہوٹلنگ کرنا ان کی کلاس میں عام سی بات تھی۔

''آخر میں نے کیا کیا ہے......؟'' اس نے سینے میں اٹکتی برف ہوتی سانس کو تحریک دی اور وہ اس

کے سامنے لفافہ ڈال کر چلا گیا تھا۔

وہ تیزی سے اس لفافے کی طرف جھپٹی تھی، پھر جو کچھ اس نے دیکھا۔ دل سے دعا نکلی تھی کہ ایسا کبھی دیکھنے کو نہ ملتا تو بینائی پر کتنا بڑا کرم ہوتا رب کا۔ سعد سالک کی اور اس کی ایسی نازیبا تصاویر۔ اسے ماضی کا لمحہ یاد آ گیا تھا جب چلتے چلتے اس کی کسی بات پر اس نے کہا تھا۔

''عبیر تم! تم میری ذات کے لیے دیوار گریہ ہو۔''

''تب وہ ہنس کر شرارت سے بولی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے دیوار گریہ کہاں ہے اور کیا ہے......؟''

سعد سالک نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔ ''میں جانتا ہوں اس لیے ہی تو کہتا ہوں تم میرے لیے دیوار گریہ ہو اسی کی طرح مقدس۔ اسی کی طرح مصفا، تمہارے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے لگتا ہے۔ روح کی کثافت کم ہوتی چلی جاتی ہے اتنی کم کہ معدوم لگتی ہے......'' اس نے خاموشی میں لپٹے ہوئے اسے اس لمحے دیکھا تھا اور روح نے ہیکل میں دیوار گریہ سے اپنی ذات اور دل کی دیوار گریہ سے موازنہ کیا تھا اور محسوس کیا تھا دونوں کی سرزمین آنسو بونے اور دکھ سمیٹ لینے کا استعارہ تھی۔ دونوں کی فضا نم آلود تھی، مگر یہ نمی...... اس نے پیشانی عرق آلود پائی تھی۔ نریمان بہت اچانک کمرے میں در آئی تھی، اس کا چہرہ اس کے چہرے سے زیادہ پیلا ہو رہا تھا۔

''تم ٹھیک تو ہو نا عبیر؟ وہ عدیل کہہ رہے تھے، تمہیں میری ضرورت ہے...... کیا ہوا میری جان؟''

اس نے تصویریں تیزی سے سمیٹنے کی کوشش کی مگر نریمان نے وہ لمحہ پا لیا تھا۔

''یہ...... یہ سعد سالک اور تم......؟'' سوال تھا۔ بظاہر یہ سوال تھا لیکن اسے لگا وہ الزام دینے والوں کی قطار میں تھی۔ اس سے کچھ کہا نہیں جا رہا تھا، جب عدیل نے دروازہ پھر سے کھولا تھا۔

''اس لڑکی سے پوچھو، آخر یہ سب اس نے کیوں کیا؟ کیا یہی ہماری محبتوں کا صلہ ہے؟''

''یہ جھوٹ ہے عدیل! یہ بالکل جھوٹ ہے۔'' اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈالنی چاہی تھیں، مگر آنکھوں کے گرد اندھیرا چھانے لگا تھا۔ ''تم میری ذات کی دیوار گریہ ہو۔''

''اس سے پوچھو، اس نے یہ سب کیوں کیا؟''

''مجھے پہلے تم پر اور تمہارے دوستوں پر اعتبار تھا، مگر اب تم اس قابل نہیں ہو۔''

مختلف آوازیں تھیں جب وہ لڑکھڑائی تھی۔ عدیل کو اس نے حیرت سے چونکتے اور نریمان کو چیختے پایا تھا۔

''میری عبیر! عبیر! کیا ہوا عبیر؟'' پھر کتنے پل گزرے بیتے اسے خبر نہیں ہوئی، آنکھ کھلی تو وہ آئی سی یو میں تھی اور نریمان سے خبر ہوئی تھی وہ پورے چار دن بے ہوش رہی تھی۔

''ڈاکٹرز کہتے ہیں، بہت زبردست ہارٹ اٹیک تھا۔''

''کیا واقعی مجھ میں اس حادثے کے بعد دل بچا ہے۔ یہ جو وجود میں زندگی دوڑا رہا ہے، کیا یہ دل ہے یا دل کا واہمہ میرے اندر پتا نہیں کیا کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا اور میں پھر بھی زندہ ہوں، میرا دل پھر بھی دھڑک رہا ہے۔ سینے کے اطراف درد نے پھر سے بے کل کر دیا تھا۔ ڈاکٹر اسے پھر سے ٹریٹمنٹ دینے

لگے تھے۔

''ریلیکس کریں مس حسان! ہمارے لیے تو آپ کا بچ جانا معجزہ لگتا ہے۔ ایک لمحے تو ڈاکٹر ظفر کو یہی لگا تھا شاید آپ ایکسپائر ہو چکی ہیں، مگر مدھم سی سانس نے ہمیں متوجہ کیا، پورے دو دن آپ کو انڈر آبزرویشن میں رکھنا پڑا تھا۔ سو پلیز آپ ہماری محنتوں کو ضائع مت کریں۔ خود کو سنبھالیں مس حسان! زندگی بہت قیمتی شے ہے۔''

''قیمتی شے۔ اور زندگی۔ ...'' اسے ہنسی آنے لگی۔ ''کبھی یہ زندگی کتنی رائیگاں، کتنی ارزاں لگنے لگتی ہے۔ بے اعتبار ہو کر جینا پڑے تو جینا ہی کار دشوار لگتا ہے۔

وہ خاموش لیٹی ہوئی سوچ رہی تھی اور نریمان، عدیل حسان کی طرف سے اس سے سوری کر رہی تھی۔

''وہ تمہاری طبیعت کی خرابی سے بہت پریشان ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ دنیا میں صرف تم ایک ہی تو ان کی محبت کا حوالہ ہو۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو......''

عدیل حسان۔ کیا اب بھی سمجھتا ہے، یہاں اس ویران ڈھنڈار دل میں کچھ بچ گیا ہے، یہاں میرا دل مر گیا ہے۔ میرے سینے میں میرا دل مر گیا ہے، مگر کون اس کا ماتم کرے گا۔ اے اللہ میری برات کوئی تو بھیج کوئی تو۔ آنسو تکیے پر بہنے لگے تھے۔ عدیل حسان کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

وہ بت کی طرح اسے دیکھ رہی تھی، جیسے کوئی بہت تاریکی میں رکھی جانے والی آنکھ روشنی میں آ کر، روشنی کو کھوجے اور گھبرا کر آنکھیں بند کر لے، اندھیرے سے دوستی کر لے۔ عدیل حسان بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ سن نہیں رہی تھی۔ اب وہ قطعی ایک بے زندگی روح تھی۔ پاپا بھی اسے دیکھنے اسٹک کے سہارے کافی بار آ چکے تھے، دائمہ اور سعد سالک بھی مگر اسے کسی کی طرف دیکھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا اور اس کے ڈاکٹرز اس کی رپورٹس دیکھ کر کہہ رہے تھے۔

''ہاسپٹل دیر سے پہنچنے کی وجہ سے دل کا 75% تباہ ہو چکا ہے۔ ٹریٹمنٹ اور اچھا ماحول اس کے لیے زندگی کو طویل کر سکتا ہے۔'' عدیل، نریمان، دائمہ، سعد سالک سب نے مل کر اس کو زندگی کی طرف بلانا چاہا تھا مگر اڑتی پھرتی تصویریں اسے بے رنگ کر گئی تھیں۔

''سعد سالک! وہ کون ہے جس نے یوں کیا......؟''

اس نے بہت دقتوں سے سوال کیا۔ سعد سالک اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک لڑکی کو ٹریس کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ سعد سالک اور وہ دونوں اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔

''تم ایلیا! تم نے یہ سب کیوں کیا؟'' سعد نے چیخ کر پوچھا اور وہ زمین آسمان ایک کر کے رونے لگی۔

''تم صرف میرے تھے۔ مجھ سے نفرت کرتے چاہے کتنی ہی شدید مگر تمہارے دل میں صرف میں تھی۔ تمہارے والٹ میں میری تصویر تھی، کیونکہ تم مجھ سے ہر لمحہ نفرت کے احساس کو جلا دے کر محبت سے انتقام لیتے تھے، تمہارے دل میں دائمہ بھی نہیں تھی اور کالج فیلو ہوتے ہوئے اس کی خوش قسمتی سے جلتے ہوئے میں نے جان کر تمہاری طرف سمت اختیار کی، مجھے محبت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ میں تم سے صرف

دائمہ کی محبت چھیننا چاہتی تھی۔ میں دائمہ کو شکست دینا چاہتی تھی، مگر میں تمہاری محبت سے ہار گئی تھی، لیکن پھر بھی میں اپنے دل سے مکرتی چلی گئی۔ دائمہ سے حسد محبت کے سامنے سرنگوں ہو گیا تھا، وہ ہمیشہ ہر میدان میں اول رہتی تھی اور میں چاہتی تھی۔ وہ اب آخر بھی نہ رہے۔ سو میں نے تمہارے گرد جال بچھایا۔ تم سے تمہیں چرا لیا، پھر تمہیں پانے کے بجائے تمہیں ٹھکرا دیا تاکہ تم کہیں بھی رہو، صرف میرے ہو کر رہو، مگر یہ لڑکی اس نے میرے خواب کے رنگ چھین لیے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا۔ ساحری سے آزاد کیا۔ اس نے تمہیں پورا کا پورا دائمہ کو لوٹا دیا۔ بس مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوا۔ میں دائمہ کو جیتے نہیں دیکھ سکتی۔ سو اس کی جیت کو ممکن کرنے والا ہر کردار میرا ناپسندیدہ کردار تھا میں نے دل کی، کی تو کیا برا کیا......؟''

حسد محض حسد میں کوئی ایسا بھی گر سکتا ہے، سعد اور وہ اسے آنکھیں پھاڑے دیکھے جا رہے تھے۔ دائمہ عدیل حسان کو بھی اس منظر میں گھسیٹ لائی تھی۔ ساری غلط فہمی دور ہو چکی تھی۔ وہ لڑکی اب بھی زمین آسمان ایک کر کے رو رہی تھی۔ عبیر حسان کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ ایسے ہی زمین آسمان ایک کر کے روئے۔ وہ اب گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔

اس نے اس کے ہاتھ تھام لیے تھے، پھر روکھے لہجے میں پکاری تھی۔

''پیاری ایلیا! جو انسان، جو محبتیں ہمارے نصیب میں ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں ہم سے نہیں چھین سکتی۔ وہ ہمیں مل کر رہتی ہیں، جو انسان جو محبتیں ہمارے حصے کی نہ ہوں انہیں ساری دنیا مل کر بھی ہمارا کرنا چاہے تو ہمارا نہیں کر سکتی، تم یہ کیوں نہیں سمجھتیں۔''

ایلیا کی بھری بھری آنکھیں اس پر آن جمیں۔ ''ہاں یہ سچ ہے، مگر کتنا دل چاہتا ہے نا۔ کچھ لوگ۔ کچھ محبتیں صرف ہمارا نصیب بنیں تقدیر صرف ہمارے حق میں فیصلہ دے۔ صرف ہمارے حق میں......''

وہ رونے لگی تھی، پھر اس نے اسے رونے دیا تھا اور باہر آ گئی تھی۔ عدیل حسان کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ تب اس نے فضا کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

''کاش ہم لوگ کسی ناول کے کردار ہوتے۔ تو کوئی ہمارے من چاہے انجام لکھتا، ہمارے من چاہے انجام جس میں ہجر نہیں ہوتا۔ مسافت، بے انت مسافت سے کانٹے نہیں چبھتے، پیروں میں کوئی آبلہ نہیں پھوٹتا اور صرف خوشی مقدر ہوتی۔ کہانی کے آخری پیراگراف میں تقدیر سے بچ کر اپنی مرضی و منشا سے کوئی کہانی کار سب اچھا ہے، کا خواب بنتا درد نہ ہوتا۔ کوئی نہ دائمہ ہوتی نہ کوئی ایلیا، نہ سعد سالک نہ ہماری جوکھم کی محبت۔ یہ محبت کتنی ظالم ہے نا عدیل۔!'' عدیل حسان بہت برسوں بعد کالج لائف والا عدیل حسان بن کر اسے دیکھے گیا تھا۔

''نریمان اور تم، میں اور کوئی اور ہم سب محبت میں دیوار گریہ کے سوا کچھ نہیں، جہاں محبت سر پٹخ پٹخ کر روتی ہے۔ محبت کی سرزمین پر صرف دکھ کی فصل لگتی ہے۔ صرف دکھ کی مگر محبت کے بیج بو کر ہر دل گلاب موسموں کی آبیاری کرتا ہے، جانے کیوں محبت ہر دل کو خوش فہم دھوکے میں رکھتی ہے، کسی اچھے اور ہر کہانی کے انجام سے، بہت مختلف انجام ہونے کے خواب دکھاتی ہے۔ جانے کیوں یہ محبت......'' وہ کہے گئی۔ عدیل گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ وہ آج اسے بولنے دینا چاہتا تھا۔ خاموشی اس کے اندر تک بھر گئی تھی۔

☆......☆......☆

سعد سالک اب بھی اس سے اسی طرح ملتا تھا اور اسے ہمیشہ ایلیا یاد آ جاتی تھی۔

اس کی طبیعت پہلے سے خراب رہنے لگی تھی۔ عدیل نے اسے ہاسپٹل میں داخل کر دیا تھا، جہاں سعد سالک ہر روز اس سے ملنے آتا تھا اور وہ اب بھی کبھی کبھی ماضی کی عبیر حسان بن کر اس سے ملنا چاہتی تھی۔ ملتی تھی مگر اس دل میں صرف دائمہ تھی اور وہ دیوار گریہ کے سوا کیا تھی۔

''جب دنیا میں مجھے کوئی اپنا نہیں دکھائی دیتا تو مجھے صرف تم دکھتی ہو۔ میرا دل چاہتا ہے۔ میں سارے آنسو تمہارے دامن میں بہا دوں۔ سارے آنسو۔''

اور وہ ہنس پڑتی تھی، مگر آج سعد سالک کے جانے کے بعد اسے یہ جملہ بھی تسکین نہیں دے سکا تھا۔ پتا نہیں کیا بات تھی جو وہ چھپا رہا تھا۔ اس نے جاگنے پر بہت سی باتیں سوچی تھیں، مگر کسی بات کا سرا نہیں تھام سکی تھی، پھر ہاسپٹل سے گھر آئی تھی تو پتا چلا تھا ایک ہفتے سے جو اس کی غیر حاضری کو وہ مصروفیت پر محمول کر رہی تھی۔ وہ امریکہ چلا گیا تھا، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اس نے سنا تو دل نے بہت خاموشی سے اس ہجر کو سہنے کی سعی کی تھی اور عدیل حسان کے گھر میں گونجتے معصوم قہقہوں سے دل کی نئے سرے سے آبیاری کی تھی، پھر ایک مشاعرے کی غرض سے وہ امریکہ گئی تھی تو ہال میں بیٹھے ہوئے اسے دیکھ کر اس کے دل نے پھر سے بغاوت کی تھی۔ وہ محفل کے اختتام کے بعد چائے پی رہی تھی، جب وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''میرے جانے کے بعد تم نے مجھے کتنا یاد کیا؟''

وہ مسکرانے لگی۔ ''پاگل ہو تم، یاد تو اسے کرتے ہیں جسے ہم بھول جائیں۔''

''فرحت عباس شاہ۔ تم آج بھی شاعری اسی حساب سے پڑھتی ہو۔''

''شاید۔ تم سناؤ کیسے ہو۔ دائمہ کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے، لیکن کبھی کبھی وہ ایلیا کی طرح رونے لگتی ہے، زمین آسمان ایک کر کے۔ وہ سمجھتی ہے۔ میرے دل میں اب وہ نہیں۔ تم ہی تم ہو۔''

''شاید اسی لیے ہی تم نے شفٹنگ کی تھی اور شاید اسی لیے دائمہ مجھ سے ملنے نہیں آتی تھی اور تم کہتے تھے، وہ بہت مصروف رہنے لگی ہے نبیل سعد میں۔ کیسا ہے وہ؟ تم پر گیا ہے یا......؟''

''وہ کسی پر نہیں گیا۔ بس تمہاری آنکھوں پر چلا گیا ہے۔ اس میں پتا نہیں تمہارا عکس کیوں چلا آیا، وہ بالکل تمہاری طرح میری پروا کرتا ہے۔''

''اس کی ذات میں تم نے پھر ڈھونڈ لی دیوار گریہ۔''

''ہاں شاید......'' وہ نظریں چرانے لگا اور وہ نم لہجے میں پکاری۔

''سعد سالک! تمہیں پتا ہے آنسو پونچھنے والے آنچل کے ساتھ رونے والی آنکھ بھی ہوتی ہے، مگر محبت کرنے والا ہر دل آنچل یاد رکھتا ہے۔ آنکھ کو آنسو بہانے...... کے لیے تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ کاش سعد سالک میں کہانی کار ہوتی تو اپنا انجام بہت خوش کن لکھتی، تمہیں وہ شام یاد ہے اور وہ نظم جو تم نے سن کر مجھ سے نظر چرا لی تھی۔'' وہ پھر گنگنائی تھی۔

اک دن کوئی ایسا ہو

میں بھور سے اٹھوں
تو سامنے بیٹھا ہو
اک دن کوئی ایسا ہو

سعد سالک آج بھی نظریں چرا رہا تھا۔ وہ غم آلود نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے عبیر! ہم پھر ملیں گے۔''

تب اس کے دل نے کہا تھا۔

''نہیں سعد سالک! شاید اب ہم کبھی نہیں ملیں گے۔'' اور دل نے بغاوت کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے تھے۔ بہت دقتوں سے چھپائے احساس محرومی، چھن جانے کے ستم نے اسے پھر سے اسی مقام پر لا کھڑا کیا تھا جہاں سے سعد سالک کے کردار نے کہانی سے رخصت چاہی تھی۔

عدیل حسان، نریمان عدیل اس کی بیماری کا سن کر دوڑے ہوئے امریکہ آئے تھے اور وہ ہاسپٹل میں تھی، مصنوعی تنفس سے اصلی زندگی جینے کی سعی کرتی ہوئی۔

اس سے سعد ٹھنڈے یخ کوریڈور میں کھڑا آپریشن روم کو تک رہا تھا۔ پہلے کے بائی پاس آپریشن پیس میکر لگائے جانے کے بعد ڈاکٹر پھر سے اس پر اپنی مہارت آزما رہے تھے۔ شاید نیا پیس میکر۔

''کاش ملتے دل و جاں اور تو بازار ہستی سے خرید لاتے۔'' کوئی غم کی پکار بن کر، دل کے اندر گونجا تھا اور ڈاکٹر ادھورے آپریشن سے ہی واپس لوٹا لائے تھے وجود، سفید چادر اور بند آنکھیں۔

''اگر یہ آنکھیں آخری لمحے تمہیں نہ دیکھ سکیں تب بھی یقین رکھنا، ان میں آخری عکس تمہارا ہی تھا کہ میری بینائی تم تھے۔''

ایک بار طبیعت کی بے پناہ خرابی میں اعصابی طور پر کمزور لمحے میں وہ دل کی کہنی کہہ گئی تھی اور وہ ساکت اسے کتنی دیر دیکھتا رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ پھسل جانے والے لفظوں کے بعد ہونٹ بھینچ لیے، مگر آج یہ ہونٹ کھلے بغیر یوں ہی ساکت رہے تھے۔ جیسے اس لمحے کے آگے ابھی تک سر نہوڑائے پڑے تھے۔

عدیل حسان، نریمان چیخ چیخ کر اسے رو رہے تھے اور وہ خاموش اسے دیکھے جا رہا تھا پھر اس نے الٹے قدم اٹھائے تھے۔ اس کے بے جان وجود کے اقرار سے انکار کرتے ہوئے کہ لفٹ سے اترتے دائمہ اور نبیل کو دیکھ کر، وہ جم سا گیا۔

''تم یہاں...... کیسے......؟'' سوال بے حد بے ربط تھا۔

''عبیر زندہ ہے یا......؟'' دائمہ کا لہجہ تشکیک بھرا تھا۔

''وہ مر چکی ہے......''

دل نے پوچھا۔ کیا وہ واقعی مر چکی ہے تو آنکھوں نے ضبط کی انتہا کر دی۔ اس نے ایک آنسو نہیں بہایا اور دائمہ پرانے خوف کو لے کر چلائی۔

''وہ مری نہیں ہے، وہ زندہ ہے۔ میں تمہارے دل میں...... کہیں نہیں ہوں۔ یہاں صرف عبیر حسان ہے۔''

''عبیر حسان مر چکی ہے۔ یقین کرو، وہ واقعی مر چکی ہے۔''

دائمہ خاموش ہو گئی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں بے اعتباری تھی اور عدیل حسان تھا اس کی ڈیڈ باڈی

کو لے جانے کے انتظامات کرواتے ہوئے بالکل...... بت ہوگیا تھا۔ برسوں پہلے کا منظر اس میں چیخ رہا تھا۔ وہ کہیں قریب بیٹھی کہہ رہی تھی۔

''کاش ہم لوگ کسی ناول کے کردار ہوتے تو کوئی ہمارے من چاہے انجام لکھتا۔ ہمارے من چاہے انجام جس میں ہجر نہیں ہوتا۔ جس میں صرف محبت رنگ کھیلتی اور صرف خوشی مقدر ہوتی، کہانی کے آخری پیراگراف میں تقدیر سے بچ کر، اپنی مرضی و منشا سے کوئی کہانی کار ''سب اچھا ہے'' کا خواب بنتا، درد نہ ہوتا۔ کوئی دائمہ ہوتی نہ کوئی ایلیا نہ سعد سالک نہ ہماری جوکھم محبت۔

''زیمان اور تم، میں اور کوئی ہم سب محبت میں دیوار گریہ کے سوا کچھ نہیں۔ جہاں محبت سر پٹخ پٹخ کر روتی ہے۔ لیکن یہ پھر بھی ہر دل کو خوش فہم دھوکے میں رکھتی ہے۔ کسی اچھے اور ہر کہانی کے انجام سے بہت مختلف انجام کے خواب دکھاتی ہے جانے کیوں۔''

اس کا تابوت جہاز میں رکھا جاچکا تھا۔ سعد سالک دائمہ کے ساتھ کھڑا تھا۔ نبیل اس کے بائیں کھڑا تھا، مگر آج پتا نہیں کیوں دل چاہا تھا وہ کہے، گنگنائے۔

اک دن ایسا ہو
میں بھور سمے سو کر اٹھوں
تو سامنے بیٹھا ہو

تو سامنے بیٹھا ہو یہی خواب میرا بھی تھا۔ بچھڑنے سے پہلے میں سمجھا ہی نہیں۔ مجھے تم نے دائمہ کی محبت نہیں، اپنی محبت سوغات کی تھی۔ یہاں تم دھڑک رہی تھیں اور میں سمجھتا رہا۔ دائمہ ہے۔

''اچھا سعد! پھر ملیں گے۔'' عدیل حسان اس کے سینے سے لگا تو ایلیا کی طرح آج زمین آسمان ایک کر کے رویا تھا وہ اور دل نے ہواؤں سے پوچھا تھا۔

''کیا برسوں بعد میں، اس سرزمین پر لوٹوں تو کیا عبیر نام کی کوئی لڑکی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں سمجھتا رہا میں کسی اور کی زندگی کا انتظار ہوں اور دو آنکھیں انتظار جھیلتے جھیلتے پتھرا گئیں۔ مر گئیں۔ کیا کوئی اسم ہوگا۔ جس سے میں وہ آنکھیں پھر سے خوابوں سے رچی دیکھوں گا، کیا کسی کا دامن میرے آنسو پونچھے گا۔ کیا اب بھی وہاں کوئی لڑکی بہت ساری شاعری کے ساتھ گنگناتی ہوگی۔''

''وہ خواب تھی۔ یہ حقیقت ہے۔ انتظار جو میری قسمت بنا۔ ایلیا کی قسمت ہوا، جس انتظار نے عبیر کی خواب آنکھوں میں ریت بھر دی۔ کیا یہ انتظار دائمہ کے وجود کو بھی کھا جائے گا۔''

وہ خواب تھی یا حقیقت، جب آگ لگی ہو تو انسان سب سے قیمتی چیز پہلے بچاتا ہے اور دائمہ کے دل میں قیمتی چیز محبت تھی۔ کسی ایک کے دل کی محبت تو راکھ ہونے سے بچائی جاسکتی تھی۔ سو وہ یہ کشٹ کیوں نہ کرتا۔ اس نے دائمہ کو یقین و اعتماد سے بازوؤں کے حصار میں لے لیا تھا۔

''تم محبت ہو۔ صرف کنفیکس باکس نہیں، ہم دونوں مل کر محبت کو محبت سے سنواریں گے تاکہ کچھ نم آنکھوں میں گلاب کھل سکیں، سبز رتیں ڈیرا ڈالیں۔''

دائمہ نے نمکین پانیوں بھری آنکھوں سے اس کے یقین پر اعتماد اور اعتبار سے سر جھکا دیا اور محبت جھک جانے ہی کا تو نام ہے۔

☆......☆......☆
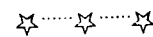
سفر تو آسان ہونا تھا

اس وقت وہ نہایت انہماک سے اپنے سی ایس ایس کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک کمرے کی لائٹ آف ہوگئی۔

''ہیں! یہ کیا بدتہذیبی ہے عیص! لائٹ آن کرو، پلیز عیص ڈیر۔!'' اس نے بنا پلٹ کر دیکھے ہی چلانا شروع کردیا کیونکہ وہ جانتا تھا صرف وہ ہی اس سے معاملے میں پنجہ لڑانے کی ہمت کرسکتا ہے ورنہ بقیہ کزنز وغیرہ تو اس کے بڑے ہونے کے رعب ہی میں پانی بھرتے تھے۔

''عیص کے بچے! تم پٹو گے میرے ہاتھ سے۔'' وہ مڑا اور حیران رہ گیا۔ دروازہ پاٹوں پاٹ کھلا ہوا تھا اور وہ کینڈل روشن کئے کیک سجائے ٹرالی دھکیلتے ہوئے اندر چلا آیا۔ باقی افراد اس کے پیچھے تھے۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' وہ بالکل اس کے کان میں گھس کر گنگنایا ایسے کہ وہ ہنس پڑا۔

''اچھا تو آج میری سالگرہ ہے۔'' سوچتے ہوئے اسے کچھ فخر سا ہوا کہ وہ اتنا اہم ہے کہ کوئی اس کی سالگرہ نہیں بھولتا۔ کوئی شخص جس سے اس کا خون کا نہیں صرف دودھ کا رشتہ ہے، لیکن خون کے رشتے سے زیادہ مضبوط اور پائیدار۔ وہ دیکھے گیا اسے اور وہ اس کی نظروں کا اثر لیے بغیر منی پیانو پر کھڑے کھڑے

''او، ننھے سے فرشتے'' کی دھن چھیڑ بیٹھا۔ سب ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہونے لگے اور عیص دھن ختم کر کے گھٹنوں کو تھوڑا سا خم دے کر آگے جھک آیا۔

''یور ایکسیلنسی! اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو ایک ڈانس ہو جائے۔'' وہ جانتا تھا، وہ خود اس فن میں اتنی مہارت رکھتا ہے کہ عیص کی یہ درخواست قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن کچھ دیر بعد اسے تسلیم کرنا پڑا۔ وہ فن رقص میں بھی اس سے دو قدم آگے ہی تھا۔ سب لڑکے لڑکیاں دف پر اور تالیوں کے ردھم کے ساتھ ان کا ساتھ دے رہے تھے اور سی ڈی پلیئر ایک مغربی گانے کی دھن بج رہی تھی۔ گھر کی ساری بڑی پارٹی اس ہنگامے میں فی الحال شامل نہیں تھی، اس لیے سب کھل کھیل رہے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے رقص بند ہو گیا تو وہ سب کارپٹ پر بیٹھ گئے، تب جازی نے بڑی لجاجت سے کہا۔

''تم جانتے ہو، میں کتنے مشکل امتحان کی تیاری کر رہا ہوں، عیص پلیز!''

مگر سننے کا تو وہ روادار ہی نہیں تھا سو کھینچ کر فوراً اپنے قریب بٹھا لیا۔ تالیوں کے شور میں اس نے کیک کاٹا پھر یک دم کوٹ کی جیب سے بیش قیمت کف لنکز اور ٹائی پن سیٹ برآمد کر کے بڑی ادا سے پکارا۔

''تمہاری سالگرہ کا حقیر سا نذرانہ مگر اسے رشوت نہ سمجھنا، لیکن ہاں اسے آج لگائیے، کل پائیے کا حصہ ضرور سمجھئے گا کیونکہ اگلے مہینے میری بھی برتھ ڈے آنے والی ہے۔''

''اگلے مہینے؟ خیریت عیص! پچھلے سال تو تمہاری برتھ ڈے فروری میں ہوئی تھی، اب یہ اچانک دسمبر میں کیسے ہو گئی۔'' کسی نے پکار کر اس چالاکی پر سرزنش کی مگر اس پر قطعاً اثر نہ ہوا، جھٹ سے مکاری دکھاتے ہوئے بولا۔

''سامنے کی بات ہے بھئی، گود لیے ہوئے بچوں کا یہی تو پلس پوائنٹ ہوتا ہے، وہ جب چاہیں سال میں جتنی سالگرہیں چاہیں منا سکتے ہیں۔ پھر تم ہی کہو، مجھ میں ایکوریس والی کوئی عادت بد موجود ہے۔ نہ میں خاموش طبع ہوں، نہ اپنے جذبات چھپانے والا ہوں، پھر پتا نہیں، پاپا کو کیا سوجھی کہ میری سالگرہ فروری میں رکھ چھوڑی ویسے مجھے لگتا ہے پاپا نے یہ سالگرہ میرے ملنے کی تاریخ کے حسابوں سے سیٹ کی ہے۔ ہاں یہی بات ہے ورنہ ہم ٹھہرے عیص! قیس سے صرف قاف میں مات کھا گئے ورنہ ہے ہم جیسا کوئی دوسرا، سخی، فیاض، طاقتور۔''

''طاقت ور سے مراد؟ کیا آپ سپر ہیومن ہیں۔؟''

''نہیں بی بی! میں سپر ہیومن نہیں بس اپنے جازی کا جگر ہوں اور بس یہی ایک حوالہ میری زندگی کے لیے اہم ہے۔''

جازی حسین اسے خاموشی سے دیکھے گیا۔ اس کے لہجے میں معمولی سی بھی لکنت نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا، وہ اس گھر میں باہر کا فرد سمجھا جاتا ہے لیکن اس وقت اس میں یقین تھا۔

''عیص! آئی لو یو ٹو۔'' پتا نہیں اسے کیوں لگا اس وقت اسے اس مورل سپورٹ کی ضرورت تھی۔ اس نے اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا اور وہ ان سب کی طرف مڑ گیا تھا۔

''تم نے دیکھا، محبت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ہاں مجھے جازی، ماما، پاپا سے عشق ہے۔ دنیا میں مجھ

تہی دست کے پاس اگر کچھ ہے تو صرف یہی سب کچھ میرا ہے۔ میرا ماضی، میرا حال، میرا مستقبل جب تک کوئی مجھ سے ان میں سے کسی کو چھین لینے کی بات نہیں کرتا۔ تب تک میں مطمئن ہوں۔ ہاں اگر کسی نے ایسی لاحاصل کوشش کی تو پھر سویا ہوا طوفان سب تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔''

جازی حسین دیکھے گیا، یہ یک دم عیص سالگرہ سے پا لینے اور چھین لینے کے کون سے مسئلے اٹھا رہا تھا۔ یہاں سب اس کے اپنے تھے، دوست پیارے لیکن یہ سب......اور طے تھا۔ یہ سب کہا ہوا کچھ نہ کچھ حقیقت رکھتا تھا اور جازی حسین کی گھریلو سیاست میں اتنی بھی شدھ بدھ نہیں تھی کہ وہ یہی بتا سکتا کہ آج کل کون کس کا ہارٹ فیورٹ ہے تو ویٹو کا حق کس کے پاس چلا گیا ہے، مگر عیص حسین گھر کے اندر تک اترا ہوا تھا۔ گھریلو سیاست میں اسے دخل دینا ہی نہیں اپنی منوانا بھی آتی تھی۔ اس لیے یقیناً یہ بے موقع جملے کسی نہ کسی کے لیے ضرور تھے اور وہ کون تھا۔

جازی حسین نے نظر بھر کے دیکھا، تب ہی پردہ ہلنے پر اسے محسوس ہوا، عیص کی شخصیت ایک ہمہ صفت شخصیت ہے۔ عباس نے کمرے سے باہر کی طرف قدم بڑھانے چاہے تو عیص نے اسے روک دیا۔

''ٹھہر جاؤ عباس! میں نے جو جس کے لیے کہا تھا، وہ اس تک حرف بہ حرف پہنچ جائے گا۔ بس الجھن ختم کرو۔ اب یہ جاننے میں تمہیں کیا ملے گا کہ وہ کون ہے۔'' وہ دھم سے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ عباس کسمسایا تو مگر ڈھیلا پڑ گیا۔ سب کیک کے حصے بخرے کرنے لگے۔ پلیٹوں اور چمچوں کے شور کے سوا کچھ سنائی نہ دے رہا تھا، لیکن جب عیص نے کیک کے فاضل پیس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو سب ہی چلا پڑے۔

''بے ایمانی ہے عیص ڈیر! یہ بے ایمانی ہے۔''

''کیوں! کیوں اتنا پیسہ خرچا ہے۔ کیا دو پیس کھانے کا حق بھی نہیں مجھے؟''

''کھالو، کھانے کو یہ سب بھی حاضر ہے مگر ہو سکے تو کچھ خدا کا خوف بھی کھالو۔''

''نہیں یار! بہت اوور لوڈ ہو جاؤں گا۔''

''بکواس مت کرو، ابھی جب چچا جان وہ بگ ون قسم کا کیک لائیں گے اور کھانے کے بعد وہ کھاؤ گے تو تمہیں کچھ علم ہے۔ تم کہاں پائے جاؤ گے؟''

''نہیں قسم سے، نہیں پتا۔ ویسے بقول شخصے شاید کسی ہسپتال یا پھر کسی قبرستان جانے کا چانس بن سکتا ہے۔''

''عیص! بکواس مت کرو۔'' جازی حسین نے خفگی سے جھڑکا اور وہ کچھ اور اس کے زانو پر سر دھر کر بولا۔

''میں نے کہیں پڑھا تھا۔ ہاں مجھے یاد آ گیا ہے، میں نے یوسف کامران کی کتاب ''سفر تمام ہوا'' میں پڑھا تھا۔'' جس انسان کے ساتھ انسان قربت کا ایک لمحہ گزار لے تو قبر میں اسے اتارتے وقت ہاتھ ایک بار ضرور کپکپاتے ہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے، کیا یہ نظریہ درست ہے۔''

''بکو مت، یہ نظریہ نہیں خلجان ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا اس بارے میں اور پھر یہ اس وقت ایسی باتیں کرنے کی کیا تک بنتی ہے۔''

''اور کیا یار! یہ نری خباثت ہے۔ تم اس کی سالگرہ میں کافور اور کفن کا تذکرہ لے بیٹھے ہو۔ میاں!

اسے اچھے اچھے گانے سناؤ، کوئی نظم کچھ اور۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کچھ اور ضرور سناؤں گا، لیکن یہ بات میں زیر بحث ضرور لاؤں گا۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ تمہیں بحث کرنے میں تو ملکہ حاصل ہے۔ کب سے کہہ رہا ہوں۔ ٹرائی کرو۔ کسی ٹاک شو میں میزبان آرام سے بن جاؤ گے۔"

"میں میزبان بن جاؤں گا، لیکن مہمانوں کی کون سنے گا۔"

"ہاں، بس یہ پرابلم رہے گی۔ سنو تم یہی جاب کرتے رہو، اس میں خوبصورت لگتے ہو۔"

"یہ کہنے کی بات ہے کوئی۔ چلو نظم ہو جائے۔"

"آہم۔ مکمل سکوت۔" ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کروا کر اس نے ردھم بنایا پھر نظم پڑھنے لگا۔

جب شب کے شکستہ زینوں سے مہتاب اترنے لگتا ہے
جب غم کے شوریدہ سمندر میں آوازیں مرنے لگتی ہیں
جب موسم ہاتھ نہیں آتے، جب تلخی بات نہیں کرتی
جب زندہ رہنا اک بے معنی کام دکھائی دیتا ہے
جب یاد کے گہرے سناٹے میں چہرے گم ہو جاتے ہیں
جب درد سے بوجھل آنکھوں میں گرداب سے پڑنے لگتے ہیں
جب شمعیں گل ہو جاتی ہیں، جب خواب بکھرنے لگتے ہیں
اس وقت اگر تم آ جاؤ
اس وقت اگر تم آ جاؤ

"اے حضرت! کون آ جائے۔ کہاں آ جائے۔ بھئی کچھ اتا پتا۔" یک دم نعمان نے شانہ ہلایا تو وہ اس کیفیت سے باہر نکل آیا۔ سب اسے ہی تک رہے تھے۔

"کیا ہے اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔ کیا کوئی نیا سیارہ تھا میں، جواب دریافت ہوا ہوں۔"

"نہیں میرے چاند! تم تو صدیوں پرانے ہو۔ بس ہم سب تو اس پر پریشان ہیں کہ وہ محترمہ کون ہیں، جن کے لیے یہ نظم تھی۔"

"بکومت نبیل! یہ نظم تو یوں ہی اچھی لگی تو جازی کے لیے سنا دی ورنہ ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"ٹھیک، یقین کر لیتے ہیں مگر عیص بھائی اگر کوئی گھپلا نکلا تو بہت بری طرح نمٹیں گے ہم گھر کی چاروں لڑکیاں۔" ان میں عیص سے تین بڑی اور ایک چھوٹی تھی، برملا اپنی اہمیت جتاتے ہوئے تنبیہاً بولیں تو وہ مسکرانے لگا اور جازی حسین کو اس کی یہی ادا تو بھلی لگتی تھی۔ دنیا جہان کے طنزیہ فقرے کس دو، وہ ہمیشہ یوں ہی مسکرانے لگتا اور ہر لفظ اس کی اس مسکراہٹ کے سامنے بہت بودا، کمزور اور چھوٹا لگنے لگتا۔ صرف عیص بڑا ہو جاتا۔ ہر لہجے ہر جذبے سے اہم۔

"اے مسٹر! یہ مجھے کیا دیکھ رہے ہیں یوں؟" یک دم جازی حسین کی چوری اس نے پکڑ لی تو وہ کچھ خجل ہو گیا مگر بات وضاحت تک نہ پہنچ پائی کیونکہ ملازم کھانا لگنے کی اطلاع دے گیا تھا سو وہ سب کپڑے

جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کھانے کی میز حسب معمول تمام ورائٹی سمیت سجی ہوئی تھی۔ سامنے کی دونوں بڑی کرسیوں پر دا جی، بی بی ماں پھر اسی حساب سے بڑے ابا، بڑی اماں، ان سے چھوٹے تایا، تائی مما پھر جازی حسین کے پاپا، امی اور ان کے دائیں طرف عید ایاز، بی بی ماں کے بھائی کا بیٹا اس گھر میں سب کا ناپسندیدہ فرد اور خود بی بی ماں کا خیال تھا یہ صرف عیص حسین کی کارستانی ہے ورنہ اتنا پڑھا لکھا، اتنا سوشل بچہ تھا عید کہ لوگ اس کی بلائیں لیتے اور خود عیص حسین کا خیال تھا۔

"لوگ عید کی بلائیں نہیں لیتے بلکہ اس کی وجہ سے خود پر آنے والی بلاؤں...... سے بچنے کی دعا کرتے ہوں گے اور رہا بچہ تو پینتیس برس کا شخص بچہ کہیں سے نہیں کہلانے کا حقدار ہوتا۔ یہ تو بس بی بی ماں کی نظر ایک نہیں اکٹھی چار پانچ نمبر گر گئی ہے ورنہ۔"

اور اس ورنہ کی ساری ہنسی سب آپس میں تقسیم کر لیا کرتے۔ یہ اور بات کہ عید کو یہ سب ایک آنکھ نہ بھاتا، یہ نہیں تھا کہ وہ فلموں اور ناولوں والا کوئی ولن ٹائپ انسان تھا۔ اچھا خاصا رویہ اور مزاج رکھتا تھا۔ خوش خلق بھی تھا اور نرم خو بھی۔ بس یہ تھا کہ کبھی کبھی اس قدر حسد کا شکار ہو جاتا کہ پھر اس کی ساری خوبیاں آپ ہی آپ دب جاتیں ـــــ جس سے چڑ ہو جاتی تو اس کا دل چاہتا کہ ساری دنیا بھی اسے دھتکار دے، لیکن ایسا ممکن نہیں ہوا کرتا۔ ساری دنیا بھی دھتکار دے تب بھی کسی شخص کا دنیا میں کوئی ایک تو محبت کرنے والا دل ہوتا ہی ہے جو اس کے لیے دعائیں کرتا ہے۔ منتیں مانتا ہے۔ وہ کوئی انسان نہ ہو تب بھی ایک خدا تو ہر انسان رکھتا ہے جو نہ دھتکارے تو پھر ساری دنیا کے روٹھ جانے کا غم بھی نہیں ہوتا۔ ہاں سوائے ایک خلش کہ کیا ہوتا جو یہ سب اپنے نظر آنے والے بھی اپنے ہوتے اور بس عید ایاز چاہتا تھا۔ یہ سب کچھ عیص حسین پر سے ہو گزرے۔ اٹھتے بیٹھتے اسے خوامخواہ چڑ ہونے لگتی، جب وہ سب کا پسندیدہ فرد بن جاتا۔ بی بی ماں کی طرح اس نے بھی بچپن سے عیص کو کبھی قبولیت کی نظر سے نہیں دیکھا تھا اور یہ کتنا بڑا احسان تھا اس رب کا کہ قبولیت، جزا، رزق اور موت اس نے اپنے پاس رکھے ورنہ ہر شخص دوسرے شخص کو رد کر دیتا۔ برزخ میں ٹانگ کر تماشا دیکھتا۔ دینے کو ہاتھ بڑھاتا اور سب کچھ چھین لیتا، پھر اس تہی دستی پر ہنستا اتنا کہ آنسو بہہ آتے مگر تسکین نہ ہوتی۔

کہ انسان کی مٹی میں تسکین گوندھی ہی نہیں گئی۔ انسان تسکین اور اطمینان کا مزا چکھ لیتا تو پھر وہ انسان کیونکر رہتا۔ فرشتہ نہ بن جاتا۔ فرشتہ جس کی کوئی حاجت، ضرورت نہیں اور انسان صرف ضرورت ہے۔ رشتوں کی ضرورت، دنیا کی ضرورت، دنیا کے لیے دنیا کی آسائشات کی ضرورت، روپے کی ضرورت، محل کی ضرورت اور بس ساری، زندگی اس کی ضرورت سے ضرورت حاصل ضرب ہوتی رہتی ہے، تب کھلتا ہے۔ ایک ضرورت تو یہ گورستان بھی ہے، جہاں ان جیسے جسموں کو خاک بن کر مٹ جانا ہے لیکن یہ ضرورت انسان کی احتیاجات کی لسٹ میں سب سے آخر میں ہوتی ہے، اکثر کی لسٹ میں تو اس کا تذہ بھی نہیں ملتا۔ وہ چاہتے ہیں اگر بس میں ہو تو ان کی جگہ مر بھی دوسرا جائے۔ کوئی ایسا دوسرا جس کی کہیں ضرورت نہیں، لیکن اتنا بے مصرف اس دنیا میں کون ہو سکتا ہے، سب ضروری ہیں۔ زندگی سے بھرے جذبوں، محبتوں سے بھرے ضروری وجود اور عید ایاز تو ان ضروری لوگوں میں بہت ضروری ہے، اسے عیص حسین سے تپ چڑھتی۔

"کیا خیال ہے۔ کیا آج آپ ڈنر میں مجھے تناول فرمائیں گے؟" اسے اپنی طرف گھورتے پا کر نہایت سلیقے سے پوچھا مگر اس نے تحقیر سے نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

"میں غیر اہم لوگوں سے بات نہیں کیا کرتا۔"

"یعنی مطلب نکلا آج کل آپ کی سفیروں، وزیروں سے کافی گاڑھی چھنتی ہے۔"

"کھی کھی......" سب کے دانت نکل آئے۔ داجی نے کھنکار کے تنبیہہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ بی بی ماں کے عتاب کا گراف بتا سکیں، مگر یہاں کسے پروا تھی، سو مزے سے سب کھانے میں لگ چکے تھے یہاں تک کہ کھانے کے بعد میز پر پاپا کا لایا ہوا کیک سجا دیا گیا۔ جازی حسین موسیقی کا شائق تھا۔ سو کیک بھی پیانو شیپ میں تھا۔ عیص حسین اس کے برابر کھڑا تھا۔ عمیرہ کینڈل روشن کر لائی تھی سب مستعد کھڑے تھے۔ جازی حسین نے پھونک مار کر موم بتیاں بجھائیں تو ایک بار پھر سالگرہ کا راگ چھڑ گیا۔ دعاؤں، محبتوں کے حصار میں جازی نے کیک کاٹا پھر گفٹ کا دور چلا تو سب نے گفٹ کی جگہ اسے نقد رقم تھمائی، صرف ماما اس کے لیے دو شاعری کی کتابیں لائی تھیں اور اسے اپنی ماما کی یہ نفاست، جذبات کی فراوانی اور اظہار پر ڈھیروں پیار آ گیا تھا۔

"تھینکس! تھینکس۔" وہ سب کو شکریہ کہتا۔ عید ایاز کی طرف متوجہ ہوا۔ پارکر پین کا پورا سیٹ وہ اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔

"ارے اتنا قیمتی تحفہ! یہ بہت زیادہ ہے عید بھائی۔" وہ واقعی حیران رہ گیا۔

"نہیں، ایسا بھی قیمتی نہیں۔ بس جو کام تمہارا ہے نا۔ یہ اس حوالے سے ہی تھا۔ جو کام کرو، اب اسی فاؤنٹین سے اس کی ابتدا کرنا۔ جیت تمہارا مقدر ہو گی۔"

"کیا واقعی پھر عید بھائی! ایک میں بھی لے لوں۔" اس نے شرارت سے کہا، مگر عید ایاز کا منہ بگڑ گیا۔ شکر ہوا وہ کچھ بولے نہیں۔ پھر وہ پھر سے واپس اپنے بیڈ روم میں واپس لوٹے تھے۔ بے ساختہ جازی حسین نے اس کی کلاس لگائی تھی۔

"تم بہت فضول ہو، جانتے ہو کہ وہ بی بی ماں کی کس طرح کے جی حبیب قسم کی اولاد ہیں اور تم ہو ان سے چھیڑ کرتے رہتے ہو۔ آخر بگاڑا کیا ہے انہوں نے تمہارا۔"

اس نے مڑ کر دیکھا۔ کھڑکی کے پردے جو برابر کر رہا تھا۔ سو کام مکمل کر چکا تو پھر مکمل طور پر اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"سیدھی سی بات ہے جازی! میری جائیداد ہے نہ میرے پاس دنیا ہے جس کے چھن جانے کا مجھے ڈر ہو، ہاں بس اگر کچھ ہے تو وہ صرف تم ہو، ماما ہیں، پاپا ہیں پھر جب میرے پاس یہی سب کچھ ہے تو میں اس اثاثے کو چھیننے کے پروگرام بنانے والے کو کیونکر برداشت کر سکتا ہوں۔"

"آخر ہوا کیا ہے؟ عید بھائی کیا کہتے ہیں۔"

"کیا کہتے ہیں، وہی پرانا راگ ہے۔ عیص باہر کا آدمی ہے۔ ہمارے گھر میں کیوں دندناتا پھرتا ہے۔ حسین بھائی کو پتا نہیں کیا سوجھی تھی کہ ٹرین کے حادثے میں مرجانے والے ماں باپ کی اولاد گھر اٹھا لائے اور اب وہ پراپرٹی میں اسے پورا پورا حصہ دے رہے ہیں۔ آپ اسے کہتی کیوں نہیں ہیں کہ

وہ کھانے کمانے لگا ہے۔ اب اپنا انتظام کر لے۔ کیا ساری عمر وہ بیٹھ کر کھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ سب کہا ہے جازی اور میں پھر بھی انہیں نہ چھیڑوں بولو، کیا واقعی میں اس گھر پر بوجھ ہوں۔ کیا واقعی گود لیے بچوں کا کوئی مستقبل اور حال نہیں، کیا ہم اتنے بے اثر ہوتے ہیں۔"

وہ کہتے کہتے اس کے قریب چلا آیا۔ لفظوں میں دل نہیں جان دھڑک رہی تھی جو ان باتوں کی نفی پر دھڑکتی رہ سکتی تھی اور تائید پر یک دم تھم سکتی تھی۔ اس کا رنگ بالکل پیلا پڑ رہا تھا۔ جیسے سارے حکم، فیصلے ایک اس کی ذات میں پنہاں تھے، سو اس کا ہاتھ تھامنا، تسلی دینا اس کا فرض تھا۔

"عید بھائی تو پاگل ہیں۔ بھلا ہمیں کون جدا کر سکتا ہے۔ کوئی نہیں عیص! دنیا کی ہر طاقت سے میں ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا ہوں ہمیں دنیا کی کوئی طاقت الگ نہیں کر سکتی۔ سوائے قدرت کے، خدا کے اور وہ خدا بھی اتنا بے رحم نہیں ہو سکتا کہ ہمیں جدا اور الگ کرے پھر تمہیں کس کی پروا ہے۔؟"

"کسی کی نہیں، یا شاید سب کی۔"

وہ ایک قدم بڑھا کر اس کے کاندھے سے آ لگا یوں جیسے کوئی تھکا ہارا بچہ دن بھر کی تھکن اتارنے اپنے سب سے قریب کسی اپنے کی باہوں میں پناہ لے۔ اس یقین کے ساتھ کہ وہ وجود اس کی طرف آنے والی ہر مشکل، ہر گرداب کو واپس لوٹا سکتا ہے۔ جازی حسین اس کا کتنی دیر تک شانہ تھپکتا رہا، یہاں تک کہ وہ کچھ دیر بعد بیڈ پر جا لیٹا اور جازی اپنے پیپر کی تیاری میں لگ گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو وہ غائب تھا۔

"یہ اتنی صبح کہاں چلا گیا ہے۔" وہ کمرے سے باہر نکلا اور وہیں جم گیا۔ وہ سر جھکائے اس سے بیس قدم کے فاصلے پر کھڑا بڑے ابا کی ڈانٹ کھا رہا تھا۔

"کہاں رہے ساری رات۔"

"ساری رات تو کمرے میں تھا۔ بڑے ابا! میرے ساتھ سو رہا تھا۔"

"تم بہت سادہ ہو، اس کے مکر کو نہیں سمجھتے۔ یہ روزانہ اسی طرح راتوں کو غائب ہوتا ہو گا۔"

"کیا مطلب! کیا میں گینگسٹر ہوں یا چمگادڑ۔"

عید ایاز کو پھر سے اس نے بولنے سے پہلے روک دینا ضروری سمجھا۔ جانتا تھا کہ فضا، مکدر اور ماحول دھندلا کرنے والی ہر بات کا صاف اور کلیئر کر دینا زیادہ ضروری ہے تاکہ رشتے ابہام نہ بن جائیں مگر اس وقت وہ مشکل میں آن پھنسا تھا۔ اگر قسم اٹھا کے بھی کہتا کہ ایک دوست کی والدہ کی طبیعت اچانک رات کو خراب ہونے کی اطلاع ملنے پر وہ دوڑا گیا تھا، انہیں ہسپتال لے جانے، ٹریٹمنٹ اور ان کی طبیعت سنبھلنے تک وہ وہیں رہا تھا تو کون تھا یہاں جسے یقین آتا۔ پھر یہ بھی اس کے پیش نظر تھا کہ اس بات کی وضاحت میں یہ بات بھی کھلنا لازمی تھی کہ وہ اور دوست کی بہن کے سوا اس سارے عرصے میں ان کے قریب کوئی نہ تھا اور عید ایاز کا اسی بات سے کہانی گھڑ لینا کچھ اتنا دشوار بھی نہیں تھا۔ سزا بھگتنا اتنا کٹھن نہیں تھا جتنا بہنوں جیسی ماریہ پر کسی قسم کا الزام سن لینا ناگوار ترین کام ہوتا، سو وہ مسلسل خاموش تھا۔

"میں پوچھ رہا ہوں، تم ساری رات کہاں تھے۔؟"

"تم بتاتے کیوں نہیں ہو، کہاں رہے ساری رات۔؟" جازی حسین نے اس کا شانہ ہلا کر حوصلہ دیا، اس بات کا تو وہ بھی گواہ تھا کہ عیص دو بجے کے بعد ہی کہیں گیا ہو گا اور اس وقت صبح کے سات بج رہے

تھے۔اس لیے ساری رات کا الزام اتنا بھی سچا نہیں تھا مگر اس وقت جب یہ سب بات صاف ہو جاتی۔

''وہ بڑے ابا! میں ایک دوست کی والدہ کی طبیعت کی خرابی کا سن کر گیا تھا۔''

''دوست لڑکی کہ لڑکا۔؟'' پھر ٹکڑا لگایا گیا تو وہ بھنا گیا۔مگر کچھ بولا نہیں اور بڑے ابا سامنے کرسی پر بیٹھ کر پھر سے سوال پر اتر آئے۔

''کون سا دوست ہے تمہارا، میں تمہارے دوستوں سے واقف ہوں، نام بتاؤ۔''

''آپ اسے نہیں جانتے۔ بڑے ابا! میرا یہ دوست نیا بنا ہے، این جی اوز کے تھرو۔''

''این جی اوز مجھے تو اس کی تک ہی سمجھ نہیں آتی۔ یہ تمہیں سیدھی سیدھی مارکیٹنگ آفیسر سے ہٹ کر یہ سن رائز نامی تنظیم جوائن کرنے کی کیا سوجھی۔''

کیا جواب دیتا اس بات کا کہ سارے پرانے دوستوں نے مل کر اس تنظیم کی بنیاد ڈالی تھی۔ تنظیم رجسٹرڈ کروائی تھی پھر بھاگ دوڑ کر کے یورپ سائیڈ سے ایڈ لے کر اپنے علاقے کے غریب لوگوں کی امداد کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا، لیکن اس وقت وہ کیونکر نکلے اس پرابلم سے۔

''میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔ کیا یہ لچھن ہوتے ہیں شریفوں کے بچوں کے۔'' وہ لمحہ بھر کے بعد پھر خونخوار لہجے میں بولے۔''میں سمجھتا تھا کہ تم یہاں رہ کر ہم میں رچ بس کر ایک قابل اور، اچھے انسان بن جاؤ گے۔لیکن وہ جو ایک خون کی خاصیت ہے، وہ کہاں جاتی پتا نہیں کن ماں، باپ کی اولاد ہو اور حسین تمہیں یہاں لے آیا۔ جہاں اگر کتا بھی خریدا جاتا ہے تو ذات اور نسل دیکھ کر۔''

عیص حسین بالکل زرد پڑ گیا۔ جازی حسین کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔اسے کب خبر تھی کہ عید ایاز چپکے چپکے اتنے آرام سے بارودی سرنگیں بچھا چکا ہے۔ بڑے ابا! عیص کو ناپسند کرتے تھے، لیکن کبھی اظہار کے لیے لفظوں میں انہوں نے اتنی بے دردی اور سفا کی نہیں برتی تھی، مگر آج لگتا تھا، جیسے وہ کچھ ٹھانے بیٹھے تھے بس حکم نامہ اب سنانے کی تیاری کر رہے تھے۔

''بڑے ابا پلیز! یہ عیص کے ساتھ ناانصافی ہے۔'' بہت دیر بعد وہ اس قابل ہوا کہ عیص کے حق میں آواز بلند کر سکتا مگر بڑے ابا کی کڑک دار آواز کے آگے اس کا اتنا منمناتا سا احتجاج کیا رنگ لا سکتا، ہاں یہ ضرور ہوا کہ اس کڑک اور چمک پر سب لوگ لابی میں چلے آئے۔

''کیا ہو گیا ہے حسین۔؟'' داجی نے سب سے پہلے جاننے کی تگ و دو کی۔ بڑے ابا غصے میں نمک مرچ کے ساتھ اس کے گھر سے باہر غائب رہنے کی داستان سنانے لگے اور جازی حسین پاپا کے قریب چلا آیا۔

''یہ سچ نہیں ہے عیص ساری رات باہر نہیں رہ سکتا۔ یہ سچ کہتا ہے پاپا! سوتے میں میں نے بھی ایکسٹینشن کی بیل سنی تھی مگر لیٹا دیر سے تھا، اس لیے وقت نہیں دیکھ پایا مگر یہ جانتا ہوں دو بجے تک میں پڑھ رہا تھا۔ یہ کمرے میں تھا۔ پاپا! یقین کریں عیص بے قصور ہے۔''

''تمہیں اس کی حمایت کرنے کی عادت ہے۔ حسین! سن لو بھلے تم نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا ہو، لیکن لے پالک اولاد نہ قانوناً آپ کی ہوتی ہے، نہ شرعاً...... تم جو اس یتیم بچے کے لیے کر سکتے تھے تم نے کیا اور ہم نے اس سلسلے میں کبھی تمہارا ہاتھ نہیں روکا مگر اب بات ہمارے خاندان اور مدتوں سے قائم ہماری

عزت اور اصولوں سے آٹکرائی ہے اس لیے آج تمہیں کوئی فیصلہ کرنا ہی پڑے گا۔ عیص کو تمہیں اس گھر سے بے دخل کرنا پڑے گا۔'' بی بی ماں داجی کی کسی ممکنہ نرمی سے پیشتر ہی اپنے دل کا کہہ کر تھم گئیں تو پاپا عیص کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

''کہاں تھے تم رات کو عیص۔؟'' پاپا کا لہجہ متوازن تھا، مگر سرد مہری اور نامحسوس سا دکھ ان کی آنکھوں میں آ جما تھا۔ عیص حسین نے بس لمحہ بھر انہیں دیکھا پھر سر جھکا کر بولا۔

''میں ایک دوست کی والدہ کی طبیعت کی خرابی کا سن کر ان کی مدد کرنے کے لیے گیا تھا، پاپا! گھر میں ان کی بیٹی کے سوا کوئی نہیں تھا اور وہ ایک گھریلو لڑکی ہے اس لیے ہاسپٹل پہنچانے سے لے کر ان کی طبیعت بہتر ہونے تک مجھے وہاں رکنا پڑا تھا، اب بھی نہ آتا مگر اس کی خالہ آ گئی تھیں، اس لیے میں چلا آیا۔ یقین کریں پاپا! یہ سو فیصد سچ ہے۔''

پاپا نے بس ایک ساعت اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہاں ان کی تربیت کا مان ان کی تعظیم و تکریم پر سر تسلیم خم کرنے کا اتنا خاموش عہد ہلکورے لے رہا تھا کہ پاپا سے کچھ کہا ہی نہیں گیا۔ بہت سالوں پیشتر جب وہ اس ایک برس کے بچے کو گود میں لیے گھر میں داخل ہوئے تو ان کے لیے مخالفتوں کے در کھل گئے تھے مگر کچھ دیر بعد یہ سب معمول پر آ گیا تھا اور تب انہیں گمان ہوا تھا کہ شاید ان کی خاموش نیکی فتح یاب ہو چکی ہے۔ اس گھر کے در و دیوار نے اس محبت کے انداز کو قبول کر لیا ہے۔ اس وجود کو اپنے ہی میں سے ایک وجود سمجھ لیا ہے، مگر آج کئی برس بعد وہ یوں اس لابی میں تنہا کھڑے تھے تو انہیں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ ٹرین کا حادثہ ابھی ابھی ہوا ہے کچھ دیر پہلے اور یہ بچہ پھر سے بے یار و مددگار چیخ رہا ہے، چلا رہا ہے اور وہ زخمی ہونے کے باوجود لاشوں میں سے مدھم سی اس رونے کی آواز کو دریافت کرنے کے لیے دوڑ رہے ہوں، پھر وہ وجود مل گیا تو انہوں نے اسے سینے سے یوں بھینچ لیا جیسے وہ ان کا جازی تھا۔ بھینچے تو اب بھی کھڑے تھے اس لمحہ کو لیکن سب ظالم دکھائی دے رہے تھے۔ وقت کی طرح سفاک، ایک یتیم بچے کی محبت اور یتیم بچے سے محبت کسی سے برداشت نہ ہو رہی تھی۔ یہاں اس گھر کے سب لوگوں نے قرآن شریف پڑھ رکھا تھا۔ ترجمے سے، معنی سے لیکن پھر بھی ان میں سے کوئی وہ نیکی نہیں کمانا چاہتا تھا جو وہ خدا کسی کسی کے حصے میں ڈالتا ہے، وہ خدا جس کا دوست ہو صرف اسے توفیق دیتا ہے۔ بھلائی کی، نیکی کی، محبت کی، یتیم پر رحم کی اور پھر ایک رحم کا خزانہ اس کے لیے تیار رکھتا ہے۔ یوم حشر اس کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی غرض سے، لیکن یہاں سب دنیا کے لیے تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی تو نہیں مرنا تھا اور یہ شخص جوان کا بیٹا تھا۔ یہ زندہ تھا اور سب اسے مارنے کے درپے تھے۔ بات نسبت ذات تک پہنچ گئی تھی پھر اور جانے کیا کیا رگیدا جاتا اور اس کی شخصیت وہ یا تو مر جاتی تھی یا پھر صحرا میں کھلے کیکٹس کی طرح خار خار ہو جاتی تھی اور اتنی محبتوں سے، نازوں سے پالے اس شخص کو اس روپ میں کیونکر دیکھ سکتے تھے۔ یہ شخص یہاں سے چلا جائے تو شاید سب کو تسکین مل جاتی اور خود اس کی شخصیت زیادہ نکھر سکتی ہے۔ تیزی سے انہوں نے سوچا پھر بہت سرد مہری سے بولے۔

''عیص! ہمارا تمہارا ساتھ اتنا ہی تھا بیٹا!''

''پاپا! یقین کریں، میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' اس نے پاپا کے ہاتھ تھام کر لجاجت سے کہا اور جازی

حسین نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ سارے کزنز بھی جازی کے ہمنوا تھے۔

''یہ ناممکن ہے پاپا! عیص اس گھر سے نہیں جاسکتا یہ یہاں نہیں رہے گا تو میں بھی اس گھر میں نہیں رہ سکتا۔''

''کیا فضول بکواس ہے۔ تم اس لڑکے کے لیے اپنے ماں، باپ، تایا، تائی اور دادا کو چھوڑ دو گے۔؟'' بڑے ابا نے غصیلے انداز میں یوں کہا جیسے اسے اس حماقت سے روکنا چاہتے ہوں، مگر پاپا کے کہنے کے بعد کچھ بچا ہی کہاں تھا۔ عیص کتنی دیر تک انہیں حسرت سے، دکھ سے دیکھتا رہا تھا اور یہ پاپا ہی کو معلوم تھا۔ انہوں نے دل کو کس طرح قابو کیا تھا۔ وہ دل جس کے گوشے گوشے میں عیص اور جازی ہمیشہ ایک ساتھ دھڑکے تھے اور آج ان کے دل کا یہ گوشہ بچھڑ رہا تھا۔ ایسے کہ وہ نہ احتجاج کر سکتے تھے، نہ ماتم۔

''سارہ! سارہ! عیص کے پراپرٹی کاغذات لاؤ۔'' وہ اسے پر تولتے دیکھ کر جلدی سے پکارے۔ ماما نے پانچ منٹ سے زیادہ نہ لیے اور پاپا نے سب کے سامنے فائل لہرا کر کہا۔

''میں نے گلشن والی کوٹھی اور فارم ہاؤس عیص کے نام کیا ہے۔ میرے جو شیئرز ہیں مختلف کمپنیز میں اس میں سے بھی عیص کو اتنا ہی ملے گا جتنا ہر ماہ جازی کے حصے میں آئے گا۔ عیص کے بینک اکاؤنٹ میں، میں نے اس ماہ کا پرافٹ ٹرانسفر کروایا ہے اور یہ سب میری وصیت کا حصہ ہے جو میرے بعد بھی بدلا نہیں جاسکتا۔''

عیص حسین یک ٹک پاپا کو دیکھے گیا۔ حسرت، دکھ کہیں دور جا سویا۔

بات سب کچھ پیسے کی نہیں دل کی تھی اور پاپا نے اپنے دل سے اسے نہیں نکالا تھا کیا یہ امیری کم تھی۔ روپے تو ایک دن خرچ ہو ہی جانے تھے۔ سب کچھ مٹ جانے کے لیے ہے مگر محبت کیسے مٹ سکتی تھی۔

''پاپا! مجھے! مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔'' اس نے پاپا کے گلے سے لگ کر کرب سے کہا اور اس کی نظریں شکوہ بن کر ان سب پر آٹکیں۔ داجی ہمیشہ خاموش رہتے تھے، لیکن آج تو انہیں کچھ بولنا ہی چاہئے۔ ہمیشہ غیر جانبدار رہنا خود اپنے ساتھ ناانصافی ہے۔ سچائی کے ساتھ، نیکی کے ساتھ داؤ گھات ہے مگر یہاں کون سمجھتا تھا یہ سب۔

''مجھے یہ سب نہیں چاہئے تھا۔ پاپا! سوائے آپ کے، ماما کے اور جازی کے میرا کوئی اثاثہ نہیں اور بس یہی میرے لیے بہت ہے۔ ہمیشہ میرا رہے گا۔ اسے کوئی نہیں چھین سکتا۔ یہی دل کو تسلی ہے۔ اچھا چلتا ہوں۔''

''نہیں عیص! نہیں۔'' جازی حسین سکتے کی کیفیت میں کھڑا تھا، جب ماما کی آواز اس کی سماعتوں میں گونجی۔

''عیص نہیں جاسکتا حسین! ہم سب ہمیشہ ایک ساتھ رہنے کے لیے تھے پھر۔''

پاپا، ماما کا شانہ تھپکنے لگے۔ جازی وہیں کھڑے کھڑے کرسی پر بیٹھ گیا۔ سارے جسم سے جان کھنچ گئی تھی اور عیص حسین تھا کچھ لیے بغیر واپس گھر کے خارجی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''باہر بہت ٹھنڈ ہے عیص! گرم کپڑا تو لے لے۔ عیص خالی ہاتھ نہیں جاتے گھر سے۔'' ماما اس کے

پیچھے پیچھے گیٹ تک چلی آئیں۔ وہ مڑا پھر ماما کو سینے سے لگا کر بھرائے لہجے میں پکارا۔

''میں جب یہاں آیا تھا ماما! تب میں خالی ہاتھ تھا مگر آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں، میں جا بھی خالی ہاتھ رہا ہوں۔ ادھر دیکھئے۔ میری طرف، اتنا بڑا وجود اور اس دل میں آپ سب کی محبتیں۔ کیا ان سب کے باوجود میں خالی ہاتھ ہوسکتا ہوں۔؟'' کہتے کہتے رکا پھر مدھم ہو کر بولا۔ ''ماما! گھر میں ہوتا ہے تو اسے ناز سوجھتے ہیں۔ اس میں کمزوری جنم لیتی ہے مگر جب وہ گھر سے باہر نکال دیا جائے ناں تو زندگی خود اس کے لیے دسترخوان بچھاتی ہے اور اس دسترخوان میں ترشی، تنگی، مشکل، سرد و گرم سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ یہ ہمارا امتحان ہوتا ہے ماما ہم جلاوطن لوگوں کا۔ جن کی سرزمین محبت تھی مگر ہمیں ہجر نے بددعا دی تو پھر ہم کہیں نہ پائے گئے۔ کہیں نہیں ماما! مجھے زندگی کا مقابلہ کرنے دیں۔ میں زندگی پر واضح کرنا چاہتا ہوں۔ محبت کتنی بھی کم اور توجہ کتنی ہی تھوڑی صرف کی جائے۔ کامیابی پھر بھی گھٹائی نہیں جاسکتی۔ کوئی بھی عمل رائیگاں نہیں ہوتا اور مجھے اب یہ جنگ اپنے لیے نہیں آپ کی محبت کی سرخروئی کے لیے لڑنی ہے۔''

ماما کچھ نہ بولیں، اس کے سینے سے لگی سسکتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گیٹ پار کر گیا۔ زندگی ویسے ہی پھیکی سیٹھی بن گئی تھی اور جازی حسین کا امتحان وہ التوا میں چلا گیا تھا۔ عیص ہر رات کو اسے فون کرتا تھا مگر جازی حسین جو اسے دیکھتے رہنے کا تمنائی ہوا کرتا تھا، اس کی پیاس کیسے بجھتی، سو تیسرا دن تھا۔ جب وہ اپنی جاسوس فطرت کے تحت اس کے قریبی دوست آذر رحیم کے فلیٹ پر جا پہنچا۔ وہ اس وقت ٹیبل پر تنہا کھانا لگائے بیٹھا تھا۔

''کیا واقعی تمہارے حلق سے نوالے اتر جایا کرتے ہیں۔؟'' یہ لہجہ اتنا اچانک تھا کہ وہ یک دم سکتے میں آ گیا۔ یہ جازی حسین تین دن پہلے والا جازی حسین تو نہیں لگ رہا تھا۔ سفید ملگجے سے کرتا شلوار میں وہ سرخ انگارہ آنکھوں سے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''تمہیں نیند بھی آجایا کرتی ہے تنہا۔؟'' پہلے سوال کا جواب نہ دے پایا تھا کہ دوسرا حملہ ہوا تھا۔

''جازی تم! تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں۔''

''کیوں تمہیں کیا لگتا ہے۔ میرے ڈھونڈ لینے سے زیادہ تم کھو جانے کی صلاحیت رکھتے ہو۔''

''نہیں خیر، اس کا مجھے کبھی دعوا نہیں رہا، لیکن تم یہاں کیسے۔؟''

''دیکھنے آیا تھا کہ لوگ کس طرح برسوں کی محبتوں کو بھلانے میں کمال رکھتے ہیں کہ ملے بغیر جی بھی لیتے ہیں، کھا بھی لیتے ہیں اور تنہا سو لینا بھی ان کے لیے کوئی مشکل عمل نہیں۔''

''جازی! کول ڈاؤن یار۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔ جازی حسین تیز تیز سانس بحال کرنے لگا۔ اس نے پارہ قدرے کم دیکھا تو پشت سے جا کر اس کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کے بولا۔

''مجھے تنہا رہنے کی عادت نہیں ہے جازی! لیکن مجھے یہ سب سیکھنا پڑے گا۔ یہ زندگی ہے اور بہت کچھ سکھانے پر کمربستہ۔ سو میں ایک طالب علم کی طرح اس کے ہمراہ ہوں۔ جازی! میں اپنی کمزوریوں پر قابو پانا چاہتا ہوں۔ تم بھی ان کمزوریوں کو ختم کرلو۔ کوئی کسی کی جدائی کا کب تک سوگ مناتا ہے۔ منا سکتا ہے۔ کوئی بہت اپنا مر جائے نا تو انسان تیسرے دن لازی کھانا حلق سے اتار لیتا ہے کیونکہ جس نے مرنا تھا وہ مر گیا اور جینے والے مرنے والوں کے ساتھ بہت کم مرا کرتے ہیں۔ اس لیے تم بھی یہی سمجھ لو وہ جو عیص

حسین تھا، وہ اب تمہاری زندگی سے نکل گیا ہے تو پتا نہیں زندہ ہے یا نہیں۔''

جازی حسین نے ہاتھ تھام کر کرب سے کہا۔

''شاید تم نہیں جانتے عیص! جو بچھڑ جائیں اور ہم یہ نہ جان سکیں کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے۔ وہ چہرے، وہ لوگ ہمیں زیادہ تڑپاتے ہیں، جینا دشوار کر دیتے ہیں۔''

''تو پھر سمجھ لو، عیص حسین مر چکا ہے۔''

''عیص! فار گاڈ سیک یوں نہ کہو، ایک امید کا در، لوٹ آنے کی آس تو رہنے دو۔ ٹھیک ہے میں اب تمہیں کبھی تنگ کرنے نہیں آؤں گا مگر یوں نہ کہو۔''

وہ یک دم کھڑا ہو گیا۔ عیص حسین چاہتا تھا۔ روک لے مگر اس سے فائدہ کیا تھا۔ سو وہ دل سخت کیے کھڑا رہا۔ جازی حسین باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

پھر یہ پانچ سال بعد کی بات تھی جب وہ ایک دفتر میں اپنے کسی دوست سے ملنے گیا تھا۔ عیص حسین اس دفتر کا ایم ڈی تھا اور تب اس کے اندر باہر ایک زلزلہ سا آ گیا تھا اس عہدے پر اسے کامیاب دیکھ کر نہیں کہ وہ جس طرح کا انسان تھا۔ کامیابی اس کے لیے تھی، بلکہ اس میں زلزلے اس بات پر آئے تھے کہ اس دفتر کے ایم ڈی کے متعلق اس نے بہت سے غلط ریمارکس کے ساتھ باتیں سن رکھی تھیں۔ کرپشن کے قصے یہاں سے وہاں مشہور تھے اور اس کا روح رواں یہ عیص حسین تھا۔ وہ دھڑ دھڑاتا ہوا اس کے کمرے میں چلا آیا۔ چپڑاسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ حیرت کی بات تھی۔ بہر حال وہ اس دفتر میں پہلی بار آیا تھا، پھر وہ کیسے جان سکتا تھا کہ وہ عیص حسین کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے۔

''مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی عیص۔''

عیص حسین نے سر اٹھا کر دیکھا یہ جملہ بہت جانا پہچانا سا لگا، کتنے برس پہلے سنا تھا یہ جملہ۔ شاید نو سال پیشتر ایک پر جلال نسوانی آواز اسی طرح اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

''عیص! میری صورت کیا دیکھ رہے ہو۔ میری بات کا جواب دو، یہ سب کیا ہے۔؟''

''میرا دفتر، کیا باہر میری نیم پلیٹ نہیں دیکھی۔؟''

''دیکھی ہے تب ہی کہہ رہا ہوں، کاش نہ دیکھی ہوتی۔ ساری زندگی میں تمہیں جانے بغیر ہی دل میں برا کہتا رہتا۔ یہ زیادہ بہتر تھا کہ میں تمہیں اس گھناؤنے روپ میں دیکھ رہا ہوں۔''

''کیا فضول باتیں ہیں۔ اتنے عرصے بعد ملے ہو اور یوں بی ہیو کر رہے ہو، اچھا سناؤ۔ اسٹیٹس سے کب واپس آئے۔؟''

''ایک ہفتہ پہلے لیکن تم، یہ تم کب سے اس کرپشن کا حصہ بن گئے۔؟''

''کون سی کرپشن؟ بھئی کیا کر دیا میں نے۔؟''

''کیا تم ایک راشی افسر مشہور نہیں ہو۔؟''

''ہوں لیکن مشہور ہو جانے والی پراڈکٹ لازمی تو نہیں اپنی خصوصیات میں سو فیصد ہی درست ہو۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔؟'' جازی حسین نے تحیر سے دیکھا۔

پانچ برس میں پاپا سے، ماما سے اسے عیص کے بارے میں خبریں ملتی رہتی تھیں کہ وہ کتنا شارپ، کتنا تیز ہو گیا ہے یا اس نے اپنی تنظیم کن رائز جدید خطوط پر استوار کر کے پورے ملک میں اس کا جال کیسے بچھا دیا ہے۔ کتنی کامیابی حاصل کر لی ہے اور اب پہلے سے کتنا خوبصورت اور بارعب ہو گیا ہے۔ سب علم تھا پھر بھی حیرت زدہ تھا اور یہ باتیں پھر سے اس میں گردش کرنے لگیں۔ واقعی اس کی خوبصورتی کتنی بڑھ گئی تھی۔ کیا واقعی اسے حرام راس آ گیا تھا اور کیا پانچ برس پیشتر بڑے ابا نے جو کہا تھا۔ درست تھا۔ کیا تھا یہ سب۔ کس کی اولاد تھا یہ۔؟ دل نے سوال کیا تو وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''سنو، بہت سی نظر آنے والی چیزیں اور لمحے حقیقت میں اتنے آلودہ اور برے بھی نہیں ہوتے جتنا لوگ انہیں پورٹرے کرتے ہیں۔''

''کیا مطلب ہوا اس کا۔؟ کیا تم کہنا چاہتے ہو کہ تمہارے دونوں ہاتھ صاف ہیں۔''

''کیوں نہیں۔ یہ دیکھو کس قدر سفید بے داغ ہاتھ ہیں اور ان میں بکھری لکیریں کتنی متوازن ہیں۔ کہیں ہے کوئی جھول، کوئی کراس۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کر باہر نکل آیا، پھر گھر کا راستہ کیسے طے ہوا، اسے خبر نہیں ہوئی۔ اپنے کمرے میں آیا تو ہر طرف ماضی کی خوشگوار یادیں یہاں سے وہاں بکھر گئیں۔ عیص حسین دنیا کے لیے پہلے بھی اتنا ہی بے مہر اور اہمیت نہ دینے والا لہجہ رکھا کرتا تھا، لیکن آج کس طرح اس نے اسے مخاطب کیا تھا اس کو بہت تکلیف ہوئی تھی۔ کچھ نازک ریشم سے جذبوں میں کھنچاؤ پڑا تھا۔ دل کی رگیں کھنچی تھیں اور آنکھوں میں نمی سی در آئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں تو ماضی کہیں قریب ہی گونجا اور عباس کی آواز اس میں سب سے تیز تھی۔

''یہ ناممکن ہے عیص! میں شادی صرف اپنی مرضی سے کروں گا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میرا دل دھڑکے اور اس میں نائمہ کا نام نہ ہو۔''

جازی حسین خاموش بیٹھا تھا اور عیص حسین بہت انہماک سے ایک رسی میں بل پر بل دے رہا تھا۔

''تم سن رہے ہو عیص! میں نائمہ کے علاوہ کسی سے شادی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' جازی نے لہجے میں پہلی بار قطعیت دیکھی تو پہلی بار حصہ لیا اور عباس پورا مجنوں بن کے پکارا۔ ''نائمہ نہیں تو زندگی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔''

''یعنی تم خودکشی کر لو گے۔؟'' جازی حسین کی سانسیں رکنے لگیں اور عباس تپا ہوا عیص کو دیکھے گیا۔

''تم کیا کر رہے ہو۔ کیا میرے لیے پھندا تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''کوشش نہیں میری جان! یہ کارنامہ میں کر چکا ہوں۔ بس یہ آخری گرہ لگا دوں ہاں اب بس اپنی گردن کا سائز بتاؤ اور یہ بھی کہ تم لٹکنا کہاں چاہو گے۔ اپنے کمرے کی گرل سے کسی درخت کی ٹہنی سے یا باغ میں پڑے نائمہ کے جھولے کے اسٹینڈ سے، بولو بھئی، جلدی سے بتاؤ تاکہ میں انتظام کر سکوں۔''

''تم، تم ایک خبیث انسان ہو۔'' عباس چڑ گیا اور وہ آداب بجا لا کر بولا۔

''یہ اچھی رہی، ایک تو میں تمہارے لیے آسانیاں پیدا کر رہا ہوں اور تم ہو کہ مجھے کوس رہے ہو۔''

وہ خاصا ناراض دکھائی دینے لگا اور تب جازی نے بہت نرمی سے کہا تھا۔

''عیص! کچھ کرو ناں اس عباس کے لیے۔ کوئی ایسا معاملہ بناؤ کہ نائمہ کے ساتھ اس کی شادی ہوجائے۔'' عیص حسین نے مسکرا کر دیکھا اور پھر یہ مسکراہٹ دوسرے دن ایک قیامت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی تھی۔

''یہ سب عیص کا کیا دھرا ہے ورنہ میرا بچہ اتنا بڑا قدم اٹھا ہی نہیں سکتا۔''

تائی مما کی آواز باہر تک آرہی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے گھر میں ایمرجنسی لگ گئی۔ کمرے میں عیص حسین اور عباس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ سب سانسیں روکے کھڑے تھے۔ جب سب بڑوں کے حمایت یافتہ داجی نے گھن گرج سے پوچھا تھا۔

''یہ تم نے نائمہ سے کورٹ میرج کیسے کی؟، کب کی۔؟'' عیص کا سر جھکا ہوا تھا اور عباس کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔

یہ حل بھی تو تھا اس کے مسئلے کا مگر دماغ میں آیا ہی نہیں تھا اور داجی فرمارہے تھے۔

''میں کچھ کہہ رہا ہوں عباس! تم نے نائمہ سے کورٹ میرج کیوں کی اور افسوس یہ نہیں تم نے یہ حرکت کی بلکہ افسوس اس کا ہے کہ یہ اطلاع ہمیں غیروں سے ملی۔''

''غیر تو نہ کہیں داجی! عارف عباس کا بڑا جگری دوست ہے۔''

''تم چپ رہو صاحب زادے! یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ بولو عباس! یہ کیا حرکت ہے۔''

عیص داجی کے اس جملے سے بہت پہلے اس کے قریب چلا گیا تھا پھر اثر کیونکر نہ ہوتا، سو وہ بھی اپنی اس ڈرامائی شادی پر ڈٹ گیا جس کے بارے میں ابھی تک یعنی ایک گھنٹے پینتالیس منٹ تک وہ خود بھی بے خبر رہا تھا۔ داجی، بڑے ابا اور خود عباس کے پاپا سب عباس کے خلاف بول رہے تھے یہاں تک کہ انہوں نے بک جھک کے اس حماقت کو تسلیم کرلیا تھا جب اچانک عیص حسین نے دھماکا کیا تھا۔

''اگر واقعی آپ اس رشتے کے لیے راضی ہیں تو میں ابھی نائمہ کے گھر والوں کو اس سے مطلع کردیتا ہوں، انہیں آپ سے اسی ذہانت کی توقع ہے۔''

''کیا بکواس ہے؟ کیا اس نے شادی نہیں کی۔؟''

''ایسا ہوسکتا ہے داجی؟ آپ کے حکم اور رضا کے بغیر یہ ایسا قدم اٹھا سکتا ہے۔'' پاپا منہ دوسری طرف کرکے مسکراہٹ چھپانے لگے اور وہ داجی کے قریب آگیا۔

''اگر مجھے گمان بھی ہوتا کہ یہ ایسا قدم اٹھا سکتا ہے تو میں خود اسے جہنم واصل کردیتا۔''

''کیوں میرا بیٹا مفتے کا ہے کیا۔'' تائی مما خفا ہوگئیں، یوں منگنی طے پاگئی سب کچھ ٹھیک تھا لیکن جازی حسین کو پھر بھی کچھ گھپلا لگ رہا تھا۔

''یہ سب مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔ پتا نہیں مجھے کیوں لگتا ہے جیسے نائمہ کی فیملی کا رویہ کچھ اچھا نہیں۔ کوئی بات مسنگ ہے ضرور۔ عیص! تمہیں کچھ نہیں لگتا۔''

سوچتے ہوئے اس نے عیص حسین کو دیکھا تو وہ پراسرار مسکراہٹ دبائے اسی خاموشی سے دیکھے گیا۔ کچھ بولا نہیں۔ پھر تین بار شادی کی تاریخ التوا کا شکار ہوئی۔ تب عباس کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے محبت کی پٹی ہٹا کر دیکھا تو سب کچھ اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا۔

اور وہ اتنے عرصے سے اس نائمہ پر اپنی محبت اور اپنی دولت خرچ کررہا تھا۔ عباس کا دل ہی نہیں روح تک داغ داغ ہوگئی تھی، اس سچ کو جان کر تب عیص ہی نے اسے سنبھالا تھا۔ کتنی دیر تک تو وہ اس سے چمٹا روتا رہا، پھر دل کا غبار کم دیکھا تو عیص نے مدھم ہوکر کہا۔

''یہ بات میں بہت پہلے سے جانتا تھا، لیکن جب انسان محبت کرتا ہے ناں تو اسے اپنے محبوب کے سوا ساری دنیا جھوٹی اور مکار لگتی ہے۔ اس کا دل بس محبوب کے قدموں میں بچھ جانے کو چاہتا ہے، مٹ جانے کو چاہتا ہے، پرانے تعلق، رشتے سب ایک اس نئی محبت کے سامنے ہیچ لگتے ہیں مگر جو لوگ نیک نیت ہوکر اللہ کو شامل کرکے، بزرگوں کی رضا شامل کرکے قدم اٹھایا کرتے ہیں تو وہ اللہ ہمارے غلط فیصلوں میں بھی آسانیاں اور ہمارے لیے بھلائیاں ڈال دیتا ہے، مگر یہ سب میں تمہیں اس وقت نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ تم سن نہیں سکتے تھے تم باغی ہورہے تھے اور تمہارے پیروں میں زنجیر ڈالنے کی یہی ایک صورت تھی کہ جسے تم چاہ رہے تھے، اسے تمہاری کردینے کا عندیہ دے دیا جاتا کیونکہ جب تک وہ تمہاری کیے جانے کے فیصلے میں سمٹ نہیں آئی تھی تب تک تم میں تجسس پالینے کا شوق ٹھاٹھیں ماررہا تھا مگر جب تمہیں یقین ہوگیا کہ وہ تمہاری ہے، تب تم نے اس کی دوسری خامیوں کو دیکھا، پرکھا اور میں یہی چاہتا تھا۔''

''عیص تم، تم کیا نفسیات داں ہو۔؟'' جازی حسین حیرت سے پہلی بار بولا اور عیص نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''نہیں، میں نے آج تک نفسیات کی ایک بھی کتاب نہیں پڑھی کیونکہ میں جانتا ہوں فلسفہ اور نفسیات وہ مضامین ہیں جو ہر وقت تغیر پذیر رہتے ہیں۔ اس میں کوئی عمل آخری اور کوئی تھیوری حتمی نہیں ہوتی۔ جس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے۔ اس طرح ان کے عوارض اور تکالیف کی وجہیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ بس دیکھنے اور مسئلہ سمجھ لینے کی حس ہونی چاہئے۔ کیونکہ ہماری ماؤں نے کون سی نفسیات پڑھی تھی جو انہوں نے ہماری تربیت کی اور اب جن ماؤں نے نفسیات پڑھ لی ہے۔ وہ کیسی تربیت کررہی ہیں۔ اپنی اولاد کی۔ سب سامنے کی بات ہے۔''

جازی حسین کچھ نہ بولا۔ عباس اٹھ کر جاچکا تھا۔ تب بہت مدھم سا ہوکر عیص نے جازی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''عباس اس وقت جس کیفیت کا شکار ہے، یہی وہ وقت ہے جب غانیہ بجو کو اپنے من کی مراد مل سکتی ہے۔ کاش وہ اس لمحے کو تمام تر جزئیات سمیت، خیر سمیت، حاصل کرنے والوں میں سے بن جائیں۔''

''تو تمہیں یہ بھی پتا ہے کہ غانیہ عباس میں دلچسپی لیتی ہیں۔''

عیص حسین کچھ نہ بولا۔ غانیہ، عباس سے صرف ایک ماہ بڑی تھیں، اس لیے اس سلسلے میں زیادہ مسئلہ کھڑا نہ ہوا تھا یوں یہ معاملہ باحسن وخوبی نمٹ گیا اور وہ نئی جنریشن میں کچھ اور اہم بن گیا پھر اچانک گھر بھر کی سب سے لاڈلی سونیا کو ماڈلنگ کا چسکا لگا تو پورا گھر اس کا مخالف ہوگیا۔ ایک تنہا وہ کھڑی تھی یا عیص حسن تھا اس کی آخری امید۔

''عیص بھائی پلیز، میرا شوق ہے یہ۔ آخر اس میں کیا برائی ہے۔ جب سب لڑکے بھی کرتے ہیں یہ کام۔''

”کام کا تو یہ ہے اگر شرعاً دیکھو تو یہ دونوں میں سے کسی بھی صنف کے لیے جائز نہیں، بلکہ زمانہ بہت تیز رفتار اور جدید ہو چکا ہے۔ اس لیے یہ سب آج کل کی ضرورتیں ہیں۔ حقیقت پوچھو تو مجھے خود بھی لڑکیوں کی ماڈلنگ پسند نہیں اور یورپی رسائل میں یا خود پاکستانی انگلش رسائل میں جس طرح اس صنف کو ایکسپوز کیا جاتا ہے وہ خود اس شعبے میں آنے کے لیے سو بار سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔“

”میں سوچ چکی ہوں عیص بھائی! بس آپ مجھے کسی طرح اس کام کی اجازت دلوا دیں، میں نے کمنٹ منٹ کر لی ہے۔“

”گھر والوں سے پوچھے بغیر کمٹ منٹ۔؟“ اس نے حیرت سے پوچھا مگر جواباً خود مختاری اور آزادی نسواں پر وہ لیکچر سننے کو ملا کہ اس نے بغاوت کے لہجے کو نافرمانی تک بڑھنے سے روکنے کے لیے خود سونیا کو سپورٹ کرنے کی ہامی بھر لی، جس نے سنا ایک لعن طعن کا پٹارا کھول بیٹھا۔ خود جازی حسین اس کے پیچھے پڑ گیا۔ موقع ملا تو بولا۔

”تمہیں خود اپنی جان اجیرن کرنے میں مزا ملتا ہے، اب یہ کیا تک ہے۔“ مگر سنتا کون تھا سو اچھی اچھی اشتہار ساز کمپنیز میں لے کر خود گیا پھر سب کچھ فائنل ہو رہا تھا کہ سونیا خود بدک گئی۔

”کیوں بھئی، یہ تمہارا ایم، تمہارا شوق تھا۔ شدید خواہش پھر یہ انکار کیوں۔؟“

”بس ویسے ہی، میں پہلے اتنے قریب، اتنی حساسیت سے نہیں جان سکی تھی کہ ماڈل گرل اور اداکارہ کو لوگ کس طرح ڈسکس کرتے ہیں، ان پر جان چھڑکنے، انہیں بام عروج پر پہنچانے، انہیں سراہنے والے مرد تنہا ہوتے ہیں تو کس طرح آنکھوں ہی آنکھوں میں کسی ماڈل گرل اور اداکارہ کو بے آبرو کرتے ہیں۔ کس طرح اپنے ارزاں جذبات کی تسکین کرتے ہیں اور کیا سوچتے ہیں ان کے بارے میں۔“ وہ روتی ہوئی باہر نکل گئی اور جازی حسین نے سن کر کہا تھا۔

”عیص! تم بہت بڑے چیٹر ہو۔ آخر تم کیا کرتے ہو؟ اتنی مہارت سے چوٹھی کیسے لڑ لیتے ہو۔“

”سیدھی سی بات ہے۔ میری نیت نیک ہوتی ہے۔ سو وہ اللہ میری مدد کرتا ہے اور اس ایک مدد کے سامنے مشکل گرداب پریشانی آگے کبھی ٹھہری ہیں جواب ٹھہریں گی۔“ جازی حسین اس کا قائل ہو گیا، لیکن آج کی ملاقات پھر سے دماغ کے کہیں قریب جھماکے پیدا کرنے لگی تو وہ پھر سے ہوش و خرد میں لوٹ آیا۔ ماضی وقت کی طرح اڑنچھو ہو چکا تھا۔ کمرہ ویسا ہی خالی پڑا تھا یا صرف وہ تنہا تھا ایزی چیئر پر جھولتا ہوا۔

”عیص کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، وہ مارلین بھی تو یہی کہہ رہی تھی کہ عیص بہت بدل گیا ہے مگر میں نے یہ بات مانی نہیں تھی اور عیص واقعی بدل گیا ہے۔ وہ اتنا کرپٹ ہو سکتا ہے یہ میں خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔“

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال مٹھیوں میں بھینچ کر جیسے اپنی ہر سوچ کو باہر کھینچ نکالنے کی عارضی کوشش کی۔ فائدہ نہ ہوا تو وہ پاپا کے آؤٹ ہاؤس میں چلا آیا۔ پاپا آؤٹ ہاؤس میں فائلوں میں غلطاں تھے۔

”پاپا! کیا آپ کو پتا تھا کہ عیص اتنا بگڑ چکا ہے۔“

”عیص نہیں تو۔ کیوں کیا کر دیا اس نے۔؟“ پاپا نے تحیر سے دیکھا اور وہ چیخ چیخ کر اب تک کی اس

کی ساری کرپشن کی سنی داستانیں سنانے بیٹھ گیا۔ مارلین کا تذکرہ آیا تو پاپا نے پوچھا۔

”یہ مارلین کون ہے جازی۔؟“

”عیص کی کلاس فیلو، اس کے ساتھ یونیورسٹی میں ہوتی تھی۔ کافی اچھی دوستی تھی، پھر اچانک وہ ملک چھوڑ کر چلی گئی۔ دراصل وہ یہاں اپنے سفارتخانے کے توسط سے اپنے کسی انکل کو ڈھونڈنے آئی تھی۔ پھر انکل مل گئے تو وہ یہیں رہنے لگی۔ ماں، باپ نہیں تھے اس کے، لیکن پھر اچانک وہ اپنے انکل کو چھوڑ کر واپس اسٹیٹس چلی گئی۔ میری ملاقات اس سے وہاں اپنے ہوٹل کی لابی میں ہوئی تھی وہ وہاں یو این او کی طرف سے ایک سیمینار میں شرکت کے لیے آئی تھی۔ اس سیمینار کا مقصد تیسری دنیا کے غریب عوام کو زندگی کی سہولیات دینے کے لیے امداد کے اجرا اور پابندی پر بحث کرنا تھا۔“

”اچھا لیکن عیص نے یہ تو کبھی نہیں بتایا کہ مارلین نام کی کسی لڑکی کو وہ جانتا ہے۔“

پاپا یوں خیالات میں غرق ہو کر بولے، جیسے باقی ساری باتیں غیر ضروری تھیں۔ سوائے مارلین کے تذکرے کے۔ سو جازی حسین کچھ دیر تو پاپا کے ردعمل کا انتظار کرتا رہا پھر اور تپ کر بولا۔

”آپ کو پتا ہے پاپا! مارلین نے ملک اور عیص کو کیوں چھوڑا تھا۔؟“

”شاید کوئی اختلاف ہوا ہو گا۔ سمپل۔“

”اختلاف نہیں ہوا تھا، ایک حقیقت سے پردہ اٹھ گیا تھا۔ پہلے میرا خیال تھا۔ وہ غلط بیانی کر رہی ہے۔ لیکن آج عیص سے مل کر مجھے یقین آ گیا ہے کہ اس نے یونیورسٹی میں بھی بوگس ووٹنگ کروائی ہو گی۔ اس نے اپنے مخالفین مین سے اکثر کو دھونس کے ذریعے اور کچھ کو روپے کا لالچ دے کر اپنے حق میں بٹھا دیا تھا۔ اور مارلین نے ایسا ہی ایک منظر دیکھ لیا تھا۔ بس اس لیے اس کا راستہ الگ ہو گیا تھا۔ وہ ایک سچے عیص کو پسند کرتی تھی۔ ایک جھوٹے دوغلے اور کرپٹ عیص کو نہیں اور پاپا اسے لکھ لیں۔ آج کے بعد میرا بھی اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔“ وہ جتنی تیزی سے آیا تھا، اتنی ہی تیزی سے باہر نکل گیا۔ پاپا اسے روکتے رہ گئے، مگر اس نے سنا نہیں۔

☆......☆......☆

”تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔“ عیص حسین سامنے کھڑا تھا اور کرسی پر اس کا ماتحت اعجاز رفیق تھا۔ غصے میں لال بھبوکا، متنفر۔

”میں نے اپنا استعفیٰ لکھ دیا ہے سر! مجھے اجازت دیں۔“ کمرے کی خاموشی کو اس کی سرد آواز نے توڑا۔ عیص حسین اسے دیکھتا رہا پھر مدھم ہو کر بولا۔

”میں اب بھی یہی کہوں گا اعجاز! یہ تمہارا ایک غلط فیصلہ ہے۔“

”اور مجھے افسوس ہے کہ مجھے اب بھی یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں آپ جیسے کرپٹ آدمی کے ساتھ ایک قدم نہیں چل سکتا۔“

”چل نہیں سکتے، کوشش تو کر سکتے ہو۔ دیکھو، یہ سب کچھ اتنا بھی ناممکن نہیں۔“

عیص حسین نے سگریٹ کو شعلہ دکھا کر نرمی سے کہا مگر اس کے چہرے پر کوئی نیا تاثر نہیں ابھرا۔

”سوری سر! میں آپ کے مطلب کا بندہ نہیں ہوں۔“

”حالانکہ یہاں سب اپنے مطلب ہی کے بندے ہیں۔ کون ہے یہاں مخلص اپنے ملک سے، اپنے شعبے سے۔“ درمیان سے بات کاٹ کر اس نے پھر سے نیا جال بنا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا، یہاں تک کہ عیس نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ کمرہ مکمل طور پر پرسکون تھا، مگر اس کا سکون متزلزل تھا۔

”مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی عیس!“

دو مختلف آوازیں ایک ہی نقطۂ ابال پر تڑپ رہی تھیں۔ عیس کرسی کو دونوں ہاتھوں سے تھامے کھڑا رہا پھر باہر نکل آیا۔ اس وقت اس کے قدم اپنی کار کی طرف اٹھ رہے تھے۔ یہ کار اس کی ذاتی روپوں سے خریدی گئی تھی، لیکن جو اس کی اصل حیثیت سے واقف نہیں تھے ان کے لیے یہ بھی اس کے کرپشن کا منہ بولتا ثبوت تھی اور یہ بات وہ بخوبی جانتا تھا کہ اس کی رسوائیاں کتنی اور کہاں کہاں تک جھنڈے گاڑ چکی ہیں لیکن اس کا طرز سوچ کوئی جان ہی نہیں سکتا تھا کار متوازن سڑک پر دوڑی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ ایک مڈل کلاس کے دو منزلہ گھر کے سامنے روک دی گئی۔ عیس حسین گاڑی سے باہر نکلا۔ کار لاک کر کے اس نے ڈور بیل پش کی۔ دور کہیں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ پندرہ منٹ بعد دروازہ کھلا۔ سامنے ماریہ کھڑی تھی۔

”سوری بھائی! میں دراصل امی کے کام میں مصروف تھی۔“ اس نے سر ہلا کر اس کی بات خاموشی سے سمجھی۔ کیونکہ ماریہ کی والدہ فالج کی جس اسٹیج پر تھیں، وہاں ہر وقت ایک اٹینڈنٹ کی ضرورت تھی۔

”کیسی طبیعت ہے آنٹی کی۔؟“ وہ اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

”ٹھیک ہیں، اب کیا بتاؤں بھائی! اس مرض کے مریض کو نہ اچھا کہا جا سکتا ہے نہ برا، ہر حالت بس ایک امید سے بندھی ہوتی ہے کہ شاید کوئی دن ایسا طلوع ہو کہ وہ مکمل ٹھیک ہو جائیں۔“ آواز واضح روکھی ہو گئی تھی۔ سو عیس اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا، پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر مدھم سا بولا تھا۔

”عیس کے ہوتے ہوئے تمہیں اتنا کمزور نہیں ہونا چاہیے۔ دیکھو، میں نے آنٹی کے لیے یورپ کے ایک ڈاکٹر سے رابطہ کیا ہے۔ ان کی رپورٹیں بھیجی ہیں۔ آج کل میں ان کا جواب آتا ہی ہو گا۔ تم گھبراؤ مت۔ سب ٹھیک ہو گا۔“

”پتا نہیں یہ سب کیسے اور کب ٹھیک ہو گا۔ آپ بتائیے بڑے بھیا کی اب حالت کیسی ہے۔؟“ اس نے کچن کی طرف قدم بڑھا دیے۔ عیس دروازے سے ٹیک لگائے اسے چائے بناتے دیکھتا رہا۔ یہ لڑکی اس کی کچھ نہیں لگتی تھی، لیکن دل چاہتا تھا۔ اس کی تکلیفیں اس کی راہ کے خار آنکھوں سے چننے کو۔ کبھی خیال تھا کہ جازی سے اس کے بارے میں تذکرہ کرے گا۔ اس کی اچھائیاں گنوا کر اس کی شریک سفر بنا لینے کا عندیہ دے گا، مگر محلے میں جس طرح منیب بدنام ہو چکا تھا۔ اب یہ ناممکن ہی تھا کہ جازی حسین ماریہ احمد کے متعلق کچھ سوچتا ورنہ پہلے سب کچھ کتنا آسان لگتا تھا۔ منیب کو ہاسپٹل میں داخل کروا کر آنٹی سے جھوٹ موٹ اس کے امریکہ جانے کی داستان گھڑ کے وہ کتنا آسودہ ہو چکا تھا، مگر وہ ہاسپٹل سے فرار ہو گیا تو وہ عرصہ تک خوار ہوتا رہا اور اب ایک ماہ پہلے وہ اسے ایک لاوارث خانے سے دوبارہ ملا تھا۔ حالت ابتر تھی مگر امید قائم تھی۔ اس دفعہ اس نے پہلے سے زیادہ سیکورٹی کا انتظام کیا تھا۔ خاطر خواہ فائدہ ہوا تھا اس کا مگر یہ

ماریہ احمد۔ اس کی راہ تو پھر بھی خار خار تھی۔

”کون اپنائے گا اسے۔“ اس نے جھرجھری لے کر اس خیال سے پیچھا چھڑایا۔ ماریہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

”بڑے بھیا کیسے ہیں۔ آپ نے بتایا نہیں۔ آخر کہاں گم تھے بھائی۔؟“

”کہیں نہیں، ویسے ہی دفتر کی کچھ پرابلمز تھیں۔ رہا منیب تو وہ پہلے سے بہتر ہے کل میں تمہیں لے کر جاؤں گا وہاں۔“

”لیکن امی...... ان کی دیکھ بھال کون کرے گا۔“ ہاسپٹل اس کے گھر سے کافی دور تھا، جب کہ امی کو ایک ایک منٹ پر اس کی ضرورت پڑتی تھی۔ عیس نے اسے گم صم دیکھا تو محبت سے اس کا شانہ تھپک کر بولا۔

”فکر مت کرو، میں کل منیب کو خود یہاں لے آؤں گا۔ اچھی طرح مل لینا اس سے۔“

”کیوں سب ممکن ہو سکتا ہے، اگر انسان ہمت نہ ہارے اور اپنے اللہ پر یقین رکھے۔“

ماریہ کچھ نہ بولی مگر تشکر اس کے ہر مسام سے پھوٹا پڑ رہا تھا۔ عیس کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر کچن کے لیے لایا ہوا سامان گاڑی سے نکال کر کچن میں پہنچانے لگا۔

”یہ سب بہت زیادہ ہے بھائی۔ آپ! آپ اتنا کیوں کرتے ہیں۔؟“ وہ رونے بھی لگی تو عیس نے اسے کاندھے سے لگا لیا۔

”یہ سب میں اس لیے کرتا ہوں کیونکہ مجھے تمہاری پروا ہے تم مجھے بھائی کہتی ہو اور میں تمہیں بہن سمجھتا ہوں۔ ماریہ اگر میرے بس میں ہوناں تو میں تمہارا ہر دکھ چن لوں، مگر یہ طے ہے انسان کی جس طرح خوشیاں اپنی ہوتی ہیں اسی طرح اسے دکھ بھی تنہا بھوگنے پڑتے ہیں۔ ہاں بس ہم انسان انہیں کم کر سکتے ہیں سو وہ کرتا ہوں۔“ ماریہ سر ہلا کر چیزیں خالی ڈبوں، بوتلوں میں ڈالنے لگی۔

جب سے منیب منشیات کا عادی ہوا تھا تب سے، کوئی سات برس سے یہی عیس ہی تو ان کے گھر کا خرچ اٹھا رہا تھا۔ اتنا کون کرتا ہے کسی کے لیے۔

”بھائی آپ! آپ انسان نہیں، فرشتہ ہیں۔“

”اچھا تو کیا ابھی ابھی میرے پر دریافت ہوئے ہیں۔“ اس نے ہنس کر ماحول کی اداس فضا کو دور کرنا چاہا، پھر چائے پی کر آنٹی سے دعا سلام کرتا وہ باہر آ گیا۔ کار اسٹارٹ کی تو وہی آواز تھی۔

”مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی عیس۔“

”مارلین! کیا واقعی اب میں تم سے کبھی نہیں مل سکوں گا۔ کیا واقعی ہمارے راستے جدا ہو چکے ہیں۔“

وہ کار ساحل کی طرف موڑ لایا۔ ڈھنڈار فلیٹ میں تھا کون جسے اس کا انتظار ہوتا اور جو انتظار کرتے تھے ان کے بیچ کیسی دوری آ گئی تھی کہ صرف ٹیلی فون تک رابطہ تھا یا کبھی کبھی پاپا، ماما بے چین ہو کر ویک اینڈ پر اس سے ملنے آ جاتے، مگر یہ ملنا کیسا ملنا تھا۔ جدائی ہاتھ ملتی ہے اور محبت وہ شاید آنسوؤں کے سمندر میں ڈوب ڈوب کر ابھرتی ہے۔ پتا نہیں ابھرتی ہے یا صرف ڈوبتی ہے اور اس کو اشتباہ نظر ہوتا ہے کہ......

”جازی حسین! مارلین کیا میں واقعی برا انسان ہوں، بہت برا۔ جس سے سب جدا ہونا پیچھا چھڑانا

چاہتے ہیں۔"

وہ سمندر کی حد فاصل کھینچتی دیوار پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ سمندر بپھرا ہوا تھا، لیکن اسے ڈوبنے یا مرجانے کا ڈر ہی کہاں تھا۔ یہ سارے خوف، ڈر، دھڑکے تو محبت میں ہوتے ہیں، اپنے سے منسوب رشتوں کے بچھڑ جانے کے ہوتے ہیں۔ خود مرجانے کے خیال میں کیسا ڈر، خوف، سانس آرہی ہے کبھی نہیں بھی آئے گی، ہاں مگر ہماری سانسیں ہمیشہ دوسروں کی سانسوں کی آمدورفت میں اٹکی رہتی ہیں اور یہی محبت کی چیٹنگ ہوتی ہے ہم سے۔ ہمیں چھین کر دھڑکوں میں بانٹ کر اتنا مصروف رکھتی ہے کہ ہم جی ہی نہیں پاتے اور مرجاتے ہیں۔

"یہ آج میں اتنا قنوطی ہوکر کیوں سوچنے لگا ہوں۔" اس نے اٹھتی، بنتی، بکھرتی اور مٹتی لہروں کو دیکھ کر سوال کیا، پھر خاموشی سے گھر چلا آیا۔

☆......☆......☆

دوسرا دن بے حد مصروف دن تھا۔ وہ دفتری کاموں سے نمٹ کر اپنے سن رائز کے دفتر میں آگیا، آج کل میں یورپ سے ایک وفد آنے والا تھا جو اس کی تنظیم کی کارکردگی اور امداد کے ٹھیک استعمال پر رپورٹس تیار کرنے پر مامور تھا۔ سارے کھاتے، ساری فائلیں درست تھیں۔ سارے بدعنوان آفیسر اس کی معیت میں خوش تھے کہ وہ جس سمندر میں تھا۔ ان مگرمچھوں کا دفاع بھی بخیر وخوبی کرسکتا تھا ورنہ خود اس کے بخیے ادھیڑ جانے تھے۔ وہ سب کی آنکھوں کا مطلب سمجھتا تھا۔ اس لیے خاموشی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا پھر شام گئے فرصت ملی تو اپنے ماتحت اعجاز رفیق کے گھر چلا گیا۔ یہ ایک ایماندار آفیسر کا ایک ستھرا لیکن قدرے غربت کا تاثر لیے ہوئے گھر تھا۔ بچے نے اسے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا۔ اعجاز رفیق کافی دیر بعد ڈرائنگ روم میں آیا تھا لیکن انداز میں ابھی تک وہی نروٹھا پن تھا۔

"جی سر! فرمایئے۔ کیسے تشریف آوری فرمائی۔؟"

اس نے مسکرا کر اسے دیکھا پھر بیٹھنے کا اشارا یوں کیا جیسے وہ اس کا دفتر ہی ہو۔ اعجاز بھی اس کے انداز پر اتنا مسمرائز ہوا کہ دوسری ساعت ہی بیٹھ گیا۔ اس کی توجہ اس کی طرف تھی جب اس نے کہنا شروع کیا۔

"تم جانتے ہو اعجاز! تم کتنے جوشیلے اور جلد باز ہو، تمہاری یہ نوکری چار سال پہلے ہی ختم ہوسکتی تھی۔ لیکن میں نے تمہاری ہر غلطی کو چھپالیا کہ تم اس سیٹ پر رہو لیکن۔"

"لیکن یہ کہ سر میں خود اب اس سیٹ اور آپ سے عاجز آچکا ہوں۔ میں آپ کے سیٹ اپ میں کہیں فٹ نہیں آتا۔" اس نے چارج شیٹ کے لیے لفظ جمع کیے اور عیص نے اسے اسی لمحے چھیڑ دیا۔

"آخر تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے۔؟" یہ سوال جیسے اسے پن کرنے کو کافی تھا وہ حسب مزاج جوشیلے انداز میں اس کی کرپشن کی سنی سنائی باتیں، داستانیں سنانے بیٹھ گیا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا پھر بولا۔

"تم میں اتنا اسٹیمنا ہے کہ تم چاہو تو اس سارے سیٹ اپ کو بدل دو، مگر اعجاز! تم اپنا جوش محض اس سسٹم کو مکمل تباہ کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہو۔ تم نے نوکری چھوڑ دی تو تم نے سوچا، تم اپنے پانچ

بچوں اور بیوی کا پیٹ کس طرح پالو گے۔"

تو یہ اتنی معلومات رکھتا ہے، ساری دکھتی رگیں ہوتی ہیں اس کے پاس۔ تب ہی تو سب جی حضوری کرتے ہیں، لیکن ایک میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ اس نے تنفر سے سوچ کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"کچھ بھی کرلوں گا، محنت مزدوری کرلوں گا۔ کوئی ٹھیلا لگالوں گا۔ بھوکا نہیں مروں گا۔"

"ہاں شاید بھوکے تو ڈاکا ڈالنے والے بھی نہیں رہتے۔ اعجاز! جب تم ٹھیلا لگانے نکلو گے ناں تو تمہیں جگہ جگہ بھتہ دینا پڑے گا۔ اپنی تذلیل کروانی پڑے گی۔ تب تم یہی سوچو گے کہ تم ایک ڈاکو بن کر اتنا روز کماسکتے ہو جتنا لوگ سال بھر میں کماتے ہیں۔"

"یہ کوئی کلیہ نہیں اکثر لوگ ٹھیلا لگاتے ہیں، وہ سب ڈاکو نہیں بن جاتے۔"

"ہاں، وہ سب ڈاکو نہیں بن جاتے۔ اس لیے کہ ان کی تعلیم واجبی ہوتی ہے، وہ تمہاری طرح ایم بی اے نہیں ہوتے اور ان میں تمہاری طرح کا خناس بھی نہیں ہوتا کہ میری سنو نہیں سنو گے تو میں اس دنیا کو آگ لگادوں گا۔"

"یہ اتہام ہے مجھ پر۔ میں ایسا نہیں۔ پھر پڑھے لکھے لوگ آج ٹیکسی بھی چلارہے ہیں، شاپس بھی کھول کر بیٹھے ہیں۔"

"ہاں، مگر ہر طرح کی روزی کمانے کے لیے انسان میں صبر، حوصلہ اور خاموشی لازمی ہنر ہوتا ہے، تم جتنے جوشیلے ہو، میرا ایک دوست ہے منیب۔ وہ بھی پہلے ایسا ہی بلکہ تم سے کہیں زیادہ جوشیلا تھا لیکن اس میں بھی حوصلہ، صبر اور خاموشی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ایک وقت آیا، وہ حالات نہیں بدل سکا تو اس نے خود کو بے حس بنالیا۔ دنیا میں کیا ہورہا ہے، کیوں ہورہا ہے، اس نے اہمیت دینی چھوڑ دی۔ وہ منشیات کا عادی ہوگیا ہے، اب وہ کسی اور کا تو کیا اپنا بھی بھلا نہیں کرسکتا۔" کہتے کہتے رکا پھر مدھم ہوکر بولا۔

"تم ایک محب وطن انسان ہو اعجاز! تم میں برائی کو صرف برائی سمجھ کر دل ہی دل میں برا کہنے کی کم ہمتی نہیں۔ تم برے کو برملا برا کہہ سکتے ہو مگر اعجاز! تم نے یہ سوچا کہ تمہاری اس روش سے تمہیں کیا نقصان پہنچا بلکہ تمہارے اس ملک کو کیا نقصان پہنچا۔"

"میری وجہ سے! ہاں جہاں تم جیسے لوگ ہوں، وہاں اس ملک کو کسی کی وجہ سے بھی فائدہ پہنچ ہی کیسے سکتا ہے۔"

"پہنچ سکتا ہے اگر ہم اپنی سوچ میں تھوڑی سی لچک پیدا کرلیں۔ جیسے میں پورے پانچ برس سے اس محکمے میں ہوں اور۔"

"اور رشوت کے انگارے شکم میں بھر رہا ہوں۔ یہی ہے لچک کہ اس کھوکھلے ملک کو اور کھوکھلا کیا جائے۔"

"نہیں۔ تم بظاہر نظر آنے والے پیش منظر پر کیوں جاتے ہو۔ تم یہ کیوں مان لیتے ہو کہ جو تم نے دیکھا وہی اصل منظر ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے جو تم نے نہیں دیکھا، وہی اصل سچ ہو۔"

"مطلب۔؟"

"مطلب یہی کہ برے انسانوں سے کمپرومائز کرکے بھی تو ایک اچھی زندگی گزر سکتی ہے۔ ایک خیر

والی زندگی۔''

''فضول بکواس، بروں سے۔کمپرومائز کرنا اور برائی کرنا اس میں کیا فرق ہے۔؟'' وہ تپ گیا تو اس نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

''برے انسان سے کمپرومائز کا مطلب ہے۔ہم نے نیکی کے لیے ایک نقطہ کھینچا ہے۔ایک سیٹ بچالی ہے۔کسی واقعی برے انسان کی تحویل میں جانے سے۔رہا برائی سے کمپرومائز تو یہ سراسر ناامیدی ہے، گناہ ہے۔برا انسان بدلا جاسکتا ہے لیکن برائی سے سمجھوتا کرلیا جائے تو آپ خود شر میں ڈھل جاتے ہیں خیر سے دور۔خود اس خدا کی رحمتوں سے دور۔تمہیں پتا ہے۔میں نے یہ نو برس کتنی مشکل اور کٹھنائیوں میں گزارے ہیں۔''

وہ کھڑکی کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا، پھر آہستگی سے بولا۔

''پہلے مجھے بھی لگتا تھا۔ برائی کو چلا چلا کر برائی کہنے ہی میں عافیت ہے مگر پھر مجھ پر انکشاف ہوا۔ برائی کو ہم جتنا بلند آہنگ ایکسپوز کرتے ہیں، وہ برائی اتنی ہی متجسس، اتنی ہی اسرار آمیز ہوکر اپنی طرف بلاتی ہے۔کیا ہے آخر؟ اس میں؟ مزا تو لیں۔سب دوڑ پڑتے ہیں اور میں یہی نہیں چاہتا تھا۔اچھائی کے ساتھ بہت مزے میں رہ لیتا ہے لیکن برائی میں گھس کر اس کی بیخ کنی کرنا زیادہ مشکل کام ہے اور آسان کام کرنے کی مجھے عادت نہیں تھی۔سو میں نے یہ راستہ چنا۔ میں یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔جب مجھے اسی کردار میں پاکر میری ایک دوست مارلین مجھے چھوڑ گئی تھی۔اس کا خیال تھا۔میں فنڈ میں خرد برد کرنے اور اپنا ہولڈ کرنے کے لیے یہ سب کھیل رچا رہا ہوں مگر یہ میں جانتا تھا کہ ساری یونیورسٹی سے کھڑے ہونے والے ایک بھی فرد میں اچھائی کی رمق نہیں تھی، یہ الیکشن پارٹی بنیادوں پر تھے اور اس قسم کے پارٹی ورکرز ہمیشہ ایسے اطوار رکھتے ہیں جو شریفوں کے لیے آزار ہوں۔سو میں نے یونیورسٹی کے پڑھنے والوں اور خصوصاً اپنے طلبہ دوستوں کے لیے یہ معرکہ لڑا۔ میں ان کے لیے ویسا تھا جیسے وہ تھے لیکن یہ میں جانتا تھا۔ میں اندر سے کیا ہوں سو میں یہ جنگ جیت گیا، مگر مارلین میری اس فتح کو غلط سمجھ بیٹھی۔جس طرح تم مجھے ایک راشی آفیسر سمجھتے ہو۔کیا تم نے آج تک مجھے وہ رقم خود پر لگاتے دیکھا جو کسی بھی سلسلے میں مجھ تک پہنچتی ہے، میں کوشش کرتا ہوں، ملک کو نقصان پہنچانے والے کسی کام کو آگے ہی بڑھنے نہ دوں پھر میں اپنے آگے والوں کی نظر میں اتنا اہم ہوں کہ وہ میری بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور میں اسی سے فائدہ اٹھاتا ہوں اعجاز! تم خود بتاؤ۔کیا تم نے کبھی کسی غریب کو میرے کمرے کے باہر سے دھتکارے جاتے، مایوس لوٹتے دیکھا ہے۔''

اعجاز رفیق خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ اس نے کبھی اس طرح کا کوئی واقعہ آج تک نہ دیکھا تھا جو چاہے اس سے مل سکتا تھا۔اس کے دفتر میں عرضداشت لے جاسکتا تھا۔عیص حسین اس کی سوچ میں، اس کے اور قریب آ گیا پھر بولا۔

''اس محکمے میں رہنا میری ضرورت نہیں میری مجبوری ہے اعجاز! شاید تمہیں اس جملے پر ہنسی آئے لیکن میرے پاپا کی اتنی جائیداد ہے کہ میں آرام سے کچھ کئے بغیر کھا سکتا ہوں مگر جب میں یہ سوچتا ہوں کہ میں اس محکمے میں رہ کر اپنے غریب عوام کے لیے کچھ کرسکتا ہوں تو میرے اکھڑتے قدم پھر سے رک

جاتے ہیں۔مضبوط ہونے لگتے ہیں۔جب کسی غریب کی آنکھوں میں آئے آنسو دعا بن جاتے ہیں ناں تو اس کی لذت ہی الگ ہوتی ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں ہر غریب کی مدد کروں، اس کا رکا کام کروا دوں اور اس کے لیے اس محکمے میں رہتے ہوئے میرے بنائے ہوئے یہی اثر و رسوخ کام آتے ہیں اور یہ صرف اس لیے ہے کہ میں درمیانی راستے پر چلا ہوں۔تمہاری طرح جوشیلا ہوں نہ حال کے منیب کی طرح بے حس ہوچکا ہوں اور یہ صرف اس لیے ہی ہے کہ میں جانتا ہوں میں اس ملک کی جڑ میں تارپیڈو کی طرح پہنچ جانے والی اس رشوت، اقربا پروری، سفارش کے لیے حتمی کوئی کام نہیں کرسکتا کیونکہ یہ قصہ کہانی نہیں یہ زندگی ہے جس میں ہیرو جیسی ایماندار دیوتا سروپ شخصیت نہیں ہوتی جو سب کو سحر میں جکڑ لے۔ یہ فرشتوں کی دنیا بھی نہیں جہاں سب اچھا کہیں، اچھا سنیں یہ تلخ حقیقت ہے اعجاز! اور اس حقیقت کے سم کو تریاق وہی کرسکتا ہے جس نے اس کا فارمولا سمجھ لیا ہو اور میں یہ جان گیا ہوں سو اپنے مشن پر جتا ہوا ہوں۔''

کہتے کہتے تھما پھر بولا۔

''اعجاز! قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے۔تم چاہو تو سمندر کرسکتے ہو۔اچھے انسان سے اچھا انسان ملے تو قافلہ بن سکتا ہے مگر یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم اندر سے لچک دار اور باہر سے خول چڑھا کر ان بروں کے ساتھ چلیں اور اچھائی کے لیے راستہ ہموار کرتے چلے جائیں۔شاید تم نے نہیں پڑھا ہو، لیکن میں نے پڑھا تھا۔ جبران اس صورتحال پر کہتا ہے ''ہم ہی راہ ہو، تم ہی راہی اور جب تم میں سے ایک گر پڑتا ہے تو وہ ان کے لیے گرتا ہے جو اس کے پیچھے ہیں۔ وہ راستہ روکنے والے پتھروں کی دوسروں کو خبر دیتا ہے۔ ہاں اور وہ ان کے لیے گرتا ہے جو اس کے آگے ہیں گو کہ وہ تیز رو اور راست قدم تھے، لیکن انہوں نے راستہ روکنے والے پتھروں کو نہیں ہٹایا۔'' اور بس اعجاز! میں یہ الزام لینے سے ڈرتا ہوں ہمیں اسی نہج پر سوچنا ہوگا۔ برے بن کر اچھائی زندہ رکھنے کے لیے ماحول بنانا ہوگا، اپنے خواب اور سانسیں بانٹنی ہوں گی۔ کیونکہ میدان چھوڑ کر بھاگنے سے صرف ان قوتوں کو استحکام ملے گا جو ہر اچھے نظر آنے والے شخص کو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکنا چاہتی ہیں۔کیا تم جانتے ہو تمہاری سیٹ پر کون آنے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہا ہے۔''

''نہیں۔کون ہے۔؟'' پھنسے پھنسے لہجے میں پوچھا تو وہ تلخی سے بولا۔

''اکرم خان! محکمے کا سب سے نامی گرامی برا شخص، غریبوں کی عزت آبرو کا دشمن اور یہ صرف اس لیے ہوگا کہ تم نے میدان چھوڑ دیا ہے۔''

اعجاز رفیق نے سر جھکا لیا تھا۔ اس کا استدلال اتنا بودا بھی نہیں تھا ہاں، بس پہلی نظر میں محض خیالی تصوراتی سی چیز لگتا تھا، لیکن یہ شخص بھی تو تھا۔ اتنے برس سے ڈٹا ہوا تھا تو کیا وہ اتنی جلدی ہار مان جاتا۔ نہیں ایسا ناممکن تھا۔

''آئی ایم سوری سر! مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔آپ کے ساتھ رہا تو میچور ہو ہی جاؤں گا۔''

عیص حسین نے بڑھ کر کاندھوں سے تھام لیا۔ ''مجھے یقین تھا۔تم میری بات سمجھ جاؤ گے کیونکہ تمہارے کانوں میں موم اور آنکھوں پر پردہ نہیں ہے۔''

وہ اس کا استعفیٰ پھاڑ کر پشت تھپتھپاتا ہوا باہر نکل آیا اس کا رخ اپنے فلیٹ کی طرف ہی تھا، مگر کار

چلاتے چلاتے اچانک جازی کا خیال آیا تو اس نے موبائل نمبر ڈائل کیا۔ دو تین دفعہ بیپ ہوئی تب کہیں موبائل ریسیو ہوا۔

''کیسے ہو۔؟''

''تم، مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' خار کھایا لہجہ، وہ ہنسنے لگا۔

''سنو۔ کیا ابھی تک ناراض ہو۔؟''

''ناراض نہیں مجھے تم سے نفرت ہے، تم بہت تھڑدلے انسان ہو عیص اور میں تمہیں کیسا عظیم انسان سمجھتا تھا۔''

''حالانکہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے تھا ساری عظمت، ساری شان اس خدا کو سجتی ہے۔ انسان اس خناس کا شکار ہی کیوں ہو۔''

''بکواس مت کرو، مجھے اب تمہاری ایک نہیں سننی۔''

''اچھا دوسن لوناں۔ پلیز معاف کرو......ارے......''

یک دم انہماک سے بات کرتے ہوئے وہ بھول چکا تھا کہ کار چلا رہا ہے اور حادثہ جو یقینی تھا ہو چکا تھا۔ موبائل سے جازی حسین چلا رہا تھا۔

''ہیلو عیص! کیا ہوا تم بول کیوں نہیں رہے عیص...... عیص ڈیر......'' مگر وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

پھر جازی حسین کو عیص حسین کو ٹریس کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی، بظاہر کوئی ظاہری چوٹ نہیں لگی تھی۔ معمولی سا ونڈ اسکرین کے شیشے ٹوٹ کے چہرے پر لگے تھے، لیکن اس کی بے ہوشی بتاتی تھی۔ کہیں نامحسوس چوٹ لگی تھی ضرور۔

''یہ کیا ہو گیا ہے۔؟ اسے ہوش کیوں نہیں آ رہا۔؟''

پاپا سے ماما بلک بلک کر پوچھنے لگیں اور جازی حسین مارلین کو ٹریس کرتا رہا، مگر ای میل کا جواب صفر تھا۔ ٹیلی فون کے ساتھ بھی ٹیپ منسلک تھا۔ وہ فلیٹ میں ہی نہیں تھی۔ وہ ہراساں و پریشان کھڑے تھے۔ بڑے ابا جی، ماما، دا جی، بی بی ماں، تایا، تائی، مما اور جوان رعنا گروپ اور تو اور عید ایاز بھی کھڑے تھے۔ چہرے سے ہراساں تو نہیں لگتے تھے۔ بس یہ تھا کہ مجبوری کا سودا تھا۔ سب ہاسپٹل آ گئے تھے تو وہ بھی چلے آئے تھے کہ عجیب نہ لگے ورنہ مزاج اور فطرت اور کسی کے خلاف بغض اتنی جلدی کہاں دھلتا ہے۔

ہاں بس وہ سب بچپن سے اس کے ساتھ رہے تھے تو انہیں یہاں عادت کھینچ لائی تھی۔ عادت اچھی ہو یا بری آنسو تو رلواتی ہے سو وہ اس بری عادت کے اس طرح ہاسپٹل میں آ پڑنے اور آئی سی یو میں ڈیرا ڈال لینے پر ہراساں تھے۔ صرف پاپا، ماما، جازی یا پھر جوان رعنا گروپ تھا۔ جو اس کے لیے دعا گو تھا۔

پھر یہ تیسرا دن تھا جب اسے ہوش آیا تھا۔ جازی حسین اعجاز رفیق سے مل چکا تھا، اس کا نظریہ بدل چکا تھا۔ ماریہ بھی خاطر خواہ اس کی بدگمانی دھو چکی تھی سو آنکھ کھولتے پا کر ڈاکٹرز سے حالت کا گراف لے کر اس نے اس کی اچھی طرح خبر لے ڈالی تھی۔ سب کہہ چکا تو بولا۔

''سب درست سہی لیکن عیص حسین! یہ طے ہے تم اگر کسی میخانے سے نماز پڑھ کے بھی نکلو گے ناں

تو لوگ تمہیں بلا نوش ہی سمجھیں گے، پرہیز گار نہیں۔ تمہیں آخر برائی میں گھس کر اپنی شہرت پر داغ لگانے کا کیا شوق چرایا تھا۔ تمہیں پتا ہے انسان محبت سے پہچانا جاتا ہے اور محبت انسان کو ولی سے شیطان بنا سکتی ہے۔''

''جانتا ہوں۔ میں بھی تو یہی سوچ کر اس نظریے پر عمل پیرا ہوا تھا کہ محبت انسان کو شیطان سے ولی بنا سکتی ہے۔''

''کیا خوش فہمی ہے آپ کی، ویسے یہ بے ہوشی کس حساب میں تھی۔''

''تھک گیا تھا۔ آرام کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔''

اس نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

پھر ڈیڑھ ہفتے بعد مکمل طور پر فٹ ہو گیا تو پھر سے سن رائز کے دفتر جانے لگا۔ ڈیلی گیشن ایک دو روز میں متوقع تھا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وفد آ ہی گیا۔ ان کی سرکردہ لیڈر مارلین تھی۔ تنظیم نے رپورٹس ترتیب دے لی تھیں چند دنوں میں ہی اس تنظیم کے بدعنوان آفیسرز کی چھان پھٹک ہو چکی تھی۔ سب اس سورس کو جاننے کے لیے بے تاب تھے جس نے ان کی پشت پر وار کیا تھا لیکن کوئی اس راز سے پردہ نہیں ہٹا سکا تھا۔ بظاہر عیص حسین نے ان سب کے لیے بڑی بھاگ دوڑ مچائی تھی مگر وہ بری طرح ناکام رہا تھا، یہاں تک کہ مارلین نے اسے اپنے دفتر میں بلا بھیجا۔

''تم، تم ابھی تک ویسے ہی ہو، اول درجے کے بے ایمان، دوسروں کے اعتماد اور یقین کو دھوکا دینے والے۔''

''یہ غلط ہے مارلین! میں نے کبھی کسی اپنے اور کسی اچھے شخص کو دھوکا نہیں دیا۔''

''میں تمہاری بات مان سکتی تھی اگر میں نے تمہیں یونیورسٹی میں لین دین کرتے نہ دیکھا ہوتا اور اس خفیہ ڈاکومینٹس پر سے تمہاری انگلیوں کے پرنٹ نہ اٹھوائے ہوتے۔''

اور یہ کب اسے گمان تھا کہ آنے والی اس قدر آگے کی سوچ رکھتی ہے۔ اس نے بڑی احتیاط کی تھی ساری رپورٹ ترتیب دینے کے لیے اپنا ٹائپ رائٹر تک استعمال نہیں کیا تھا۔ رپورٹ پوسٹ بھی اپنے دوست کے توسط سے دوسرے شہر سے کی تھی لیکن اس لڑکی کی ذہانت کہ سربمہر لفافہ چاک کرتے ہی جذباتی پن میں کھولنے سے پہلے اس فائل پر اس کے ہاتھوں کے پرنٹ اٹھوا لیے۔

اس کی بات واضح تھی، سو وہ سر جھکائے بیٹھا تھا تب اس نے کہنا شروع کیا تھا۔

''تمہیں اس ادارے سے منسلک دیکھ کر میرا ارادہ تھا۔ میں کسی کو نکال سکوں نہ نکال سکوں۔ تمہیں ضرور نکال دوں گی کہ تمہاری بے ایمانی کی میں خود گواہ تھی مگر ان ہی دنوں یہ فائل سامنے آئی دران ہی دنوں مجھ سے جازی حسین آ کر ملا۔ اس نے مجھے تمہارا نظریہ اور طریقہ واردات کہہ سنایا۔ تب میں نے تمہارے پرنٹس حاصل کر کے ان پرنٹس سے ملوایا اور یہ بات سو فیصد درست ثابت ہوئی۔ سو مجھے تم پر بہت ڈھیر سارا۔ چلو چھوڑو یہ بتاؤ کیا میرے ساتھ لنچ کر سکتے ہو......؟''

''کیا اس واقعے کے بعد ہمارا ملن برخاست کیے جانے والے افراد میں کھلبلی نہیں دوڑا دے گا۔''

''اوہ ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ اچھا چلو یہ تو بتاؤ برسوں پہلے جو ایک فائل تمہاری ٹیبل تک

پہنچی تھی۔ اب اس کا کیا حال ہے۔ گرد میں اٹی ہوئی ہے یا کسی اسٹور روم کی نذر ہو چکی ہے؟''

عیص حسین نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ کچھ کہا نہیں۔ تو وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی' پھر بولی۔

''سنو' تم اس فائل پر کوئی ریمارکس دینا چاہو گے۔ دیکھو' ہم کسی زمانے میں بہت اچھے دوست رہ چکے ہیں ناں۔''

''رہ چکے ہیں نہیں' میں آج بھی تمہارا بہت اچھا دوست ہوں۔ ہاتھ تو سراسر تم نے کھینچا تھا۔''

مارلین اسے یک ٹک دیکھتی رہی' پھر سر جھکا کر بولی۔

''میں تھک گئی ہوں۔ کیا تم میرے لیے سایہ بن سکتے ہو؟''

عیص حسین نے کچھ نہیں کہا۔ کاندھے پر یقین اور محبت کے ساتھ دونوں ہاتھ رکھ کر مسکرانے لگا۔ مارلین اور محبت دونوں اس اعتماد، اس چاہ پر کھل اٹھیں کہ درد سے بوجھل آنکھوں میں گرداب پڑنے، دھند پھیلنے اور خواب مرنے سے پہلے ان کا مسیحا، ان راہوں سے خار چننے والا ہمدم دیرینہ لوٹ آیا تھا۔

سو سفر تو خود بخود سہل، خوبصورت اور آسان لگا تھا۔